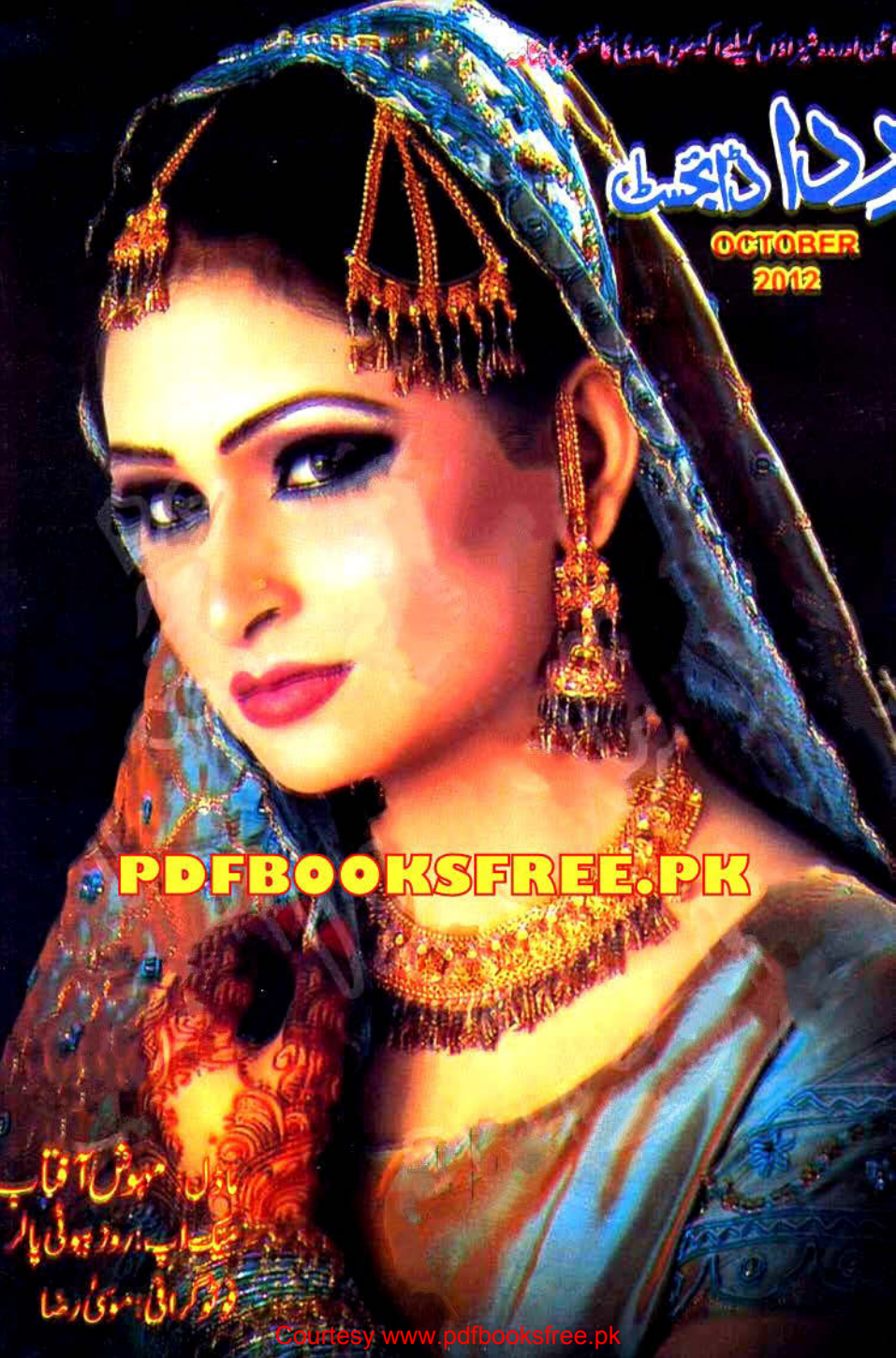

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گوشہ آگہی صالحہ محمود ۲۲

ملاقات

زینب ارشد نگہت اکرم ۲۶

سلسلے وار ناول

رگ جاں سے جو قریب تھے صالحہ محمود ۳۲

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے شازیہ مصطفی عمران ۹۰

بند قبا کھلنے لگی سعدیہ عابد ۱۴۸

سانس، سڑک اور سکوت نائلہ طارق ۱۶۸

مکمل ناول

اس دل میں بسے ہو تم انعم خان ۱۹۲

تمہارے بن نہیں رہنا عابدہ سبین ۱۰۶

دلوں کے ملن قمروش شہک ۴۶

ناولٹ

طلسمی چاندنی راتیں لبنیٰ عبید ۷۰

محبت ساتھ ہوتی ہے تبسم فیاض ۱۳۰

افسانے

آگہی ثوبیہ ملک ۸۴

تم ہی تک فاصلے فرح ناز رفیق ۱۶۳

اسے کہنا عائشہ ذوالفقار ۱۸۲

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم سحرا نجم ۲۰۶

ذمے دار کون ریما نور رضوان ۳۰

اکتوبر 2012ء

جلد نمبر 17 شمارہ نمبر ۱۰

قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

600 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک-2-پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-

ماہنامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت صالحہ محمود ۲۳

ردا کی ڈائری صدف سعد ۲۱۵

ذرا پھر سے کہنا شہلا مشائق ۲۲۵

خوشبو نورین ملک ۲۲۱

اس ماہ میں نورین ملک ۲۱۸

سندیسے صالحہ محمود ۲۳۱

کچن ثریا اقبال ۲۳۸

سنگھار شہلا مشائق ۲۴۰

اشعار ادارہ ۲۱۷

گوشہ چشم ادارہ ۲۳۵

دوستوں کے نام ادارہ ۲۳۶

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گوشۂ آگہی

صالحہ محمود

چشم گریاں سے کبھی لہو ٹپکا تو وہیں کہیں ربّ نے انسان کے دامن کو پھولوں سے بھر دیا، پھول اور شجر کی آبیاری سے انسان اپنی تخلیق کے بارے میں بہتر جان سکتا ہے۔ لال و گوہر بننے کے عمل میں بڑی جانکنی کے عذاب سے بھی گزرنا پڑتا ہے، تبھی جا کر سرسبز و شاداب مٹی سے خوشبودار پھولوں کی خوشبو آتی ہے، خوشبو کے رنگ پیراہن میں ہواؤں کی سرسراہٹ نجانے کتنی بارشوں کا خمار ہوتا ہے، دیئے آنکھوں میں جلتے ہیں، کہکشاں ماتھے پر اُتر آتی ہے، جب زندگی کی تخلیق ہوتی ہے، محبتوں کے سفر میں در سفر ہوتا ہے، یہی ایک سلسلہ ازل سے ابد تک ہے اور یہی سلسلہ ابد تک پھیلتا جاتا ہے، انسان کی تخلیق کا مقصد اپنے ربّ کے رنگ میں رنگ جانا ہے، مگر انسانی تخلیق میں روشنیوں کا سفر بھی ہے۔ وہ روشنی جو محبت کی لَو، ہونٹوں کی مٹھاس اور آنکھوں کی نمی میں محسوس ہوتی ہے۔ ماں کی محبتوں میں اترنے والا پھولوں کا رنگ پھولوں کی آبیاری میں خوشبوؤں کا بھر جانا، کسی بھی آنگن کو آباد کرتا ہے۔ زندگی پلٹ کر ہر موسم میں آواز دیتی ہے، یہ آواز پھیلے ہوئے سمندر کی طرح ایک ماں کا عکس ہوتا ہے، وہ عکس جس کو ہونٹوں نے چھوا ہو، وہ عکس جو بانہوں میں چھپا ہو، یا تتلی کی طرح ہواؤں میں اُڑتا ہوا عکس ماں کی آنکھوں میں بیٹی کا عکس ہوتا ہے۔ خوشبو اور چاہتوں میں پھر ایک ماں آنکھوں کے آنسو پونچھ کر اپنی بیٹی کو رخصت کر دیتی ہے، یہ روشنیوں کا سفر ہے، سفر در سفر پھیلنے والا سلسلہ۔ کل میری ماں نے مجھے اپنے ہونٹوں سے چوما ہوگا، آج میں اس کی جگہ، کل کوئی اور ہوگا، یہ محبتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سفر ہے، چاہتوں بھرا سفر، ایک بیٹی کا سائبان جس کے تلے وہ پرورش پاتی ہے، تعریف اُس ربّ العالمین کی جو کھلاتا ہے پھول کلیوں سے اور بناتا ہے جوڑے آسمانوں پر، وہ ذات اس بندھن کو سلامت رکھے (آمین)۔ جب آپ لوگوں کے ہاتھوں میں اکتوبر کا پرچہ ہوگا تو انشاء اللہ میری بیٹی ڈاکٹر عائشہ محمود اپنے گھر کی ہو جائے گی، بس یوں سمجھ لیں کہ پھولوں کی آبیاری میں، میں نے اپنی محبتوں کا رنگ بھر دیا ہے، خوشیوں سے وہ ہمکنار رہے، یہ محبتوں کا سفر یونہی جاری رہے۔

قارئین! رِدّا پڑھ کر سندیسہ ضرور لکھیئے گا کہ رِدّا آپ کو کیسا لگا؟ نئے لکھنے والے رِدّا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں، ہم انہیں موقع ضرور دیتے ہیں، تو آپ اپنا خیال رکھیئے گا، ڈھیروں محبت کے ساتھ آپی کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

آپی

ردائے شفا

صالحہ محمود

حضرت عائشہ کا مشورہ

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ میں اپنا مال تجارت شام اور مصر لے جایا کرتا تھا' ایک مرتبہ عراق لے جانے کا ارادہ کیا اور حضرت عائشہؓ سے مشورہ لینے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو' کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو رزق کا کوئی سبب کسی طریقے پر بنا دے تو اس کو نہ چھوڑے جب تک کہ وہ خود ہی نہ بدل جائے۔ مطلب یہ کہ جس سبب سے روزی ملتی ہے اسے مت چھوڑو۔ ہاں! اگر وہ خود ہی بدل جائے مثلاً حالات سازگار نہ رہیں' مال میں نقصان ہونے لگے یا کوئی مجبوری پیش آئے تو اور بات ہے۔ (تبلیغی اور اصلاحی مضامین ص 246)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا خاص واقعہ

حضرت عمر بن خطابؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ آپؐ مسجد حرام میں پہنچ گئے ہیں' میں بھی گیا اور آپؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورہ حاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا۔ آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپؐ نے یہ آیتیں تلاوت کیں۔

ترجمہ: یہ قول رسول کریم ﷺ کا ہے' شاعر کا نہیں' تم میں ایمان ہی کم ہے''۔ تو میں نے خیال کیا کہ اچھا! شاعر نہ سہی' کاہن تو ضرور ہے' ادھر آپ ﷺ کی تلاوت میں یہ آیت آئی ...... ترجمہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں ہے' تم نے نصیحت ہی کم لی ہے''۔ اب آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کر لی۔ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا' اور رونگھٹے رونگھٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی۔ پس یہ بھی منجملہ اسباب تھے جو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر 425/5)۔

امام بخاریؒ کا غصہ پی جانا

عبداللہ بن محمد صیادقؒ ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا' اندر سے آپ کی کنیز آئی اور تیزی سے نکل گئی' پاؤں کی ٹھوکر سے راستے میں رکھی ہوئی روشنائی کی شیشی الٹ گئی' امام صاحب نے ذرا غصے سے فرمایا کیسے چلتی ہے؟ کنیز بولی۔ جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلیں۔ امام صاحب یہ جواب سن کر انتہائی تحمل اور بردباری سے فرماتے ہیں۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا۔

صیادق کہتے ہیں' میں نے کہا' اس نے تو آپ کو غصہ دلانے والی بات کہی تھی' آپ نے اسے آزاد کر دیا؟ فرمایا' اس نے جو کچھ کہا اور کیا میں نے اپنی طبیعت کو اسی پر آمادہ کر لیا۔ (ترجمہ صحیح بخاری از علامہ وحید الزماں صاحب ص 13)۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ''اے ابن آدم! تجھے غصہ آئے تو اسے پی جا۔ مجھے تجھ پر غصہ آئے گا تو میں پی جاؤں گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا' یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصے کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا۔ (تفسیر ابن کثیر اردو 457/1)۔

اللہ تعالیٰ کی مومن بندے سے عجیب سرگوشی

حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا' آپ نے رسول اللہ ﷺ سے مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں سنا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ رسالت مآب ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اپنا بازو اس پر رکھ دے گا' اور لوگوں سے اسے پردے میں کرلے گا' اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا' یاد ہے! فلاں گناہ تو نے کیا تھا؟ فلاں کیا تھا؟ یہ اقرار کرتا جائے گا' اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا' دیکھ! دنیا میں' میں نے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر 382/1)۔

تین نجات دینے اور تین تباہ کرنے والی چیزیں

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا' تین چیزیں نجات دینے والی ہیں' اور تین چیزیں تباہ کرنے والی ہیں..... نجات دینے والی تین چیزیں..... 1- اللہ سے ڈرنا خلوت و جلوت میں۔ ..... 2- حق بات کہنا خوشی و ناخوشی میں۔ ..... 3- اور (خرچ میں) میانہ روی اختیار کرنا' مالداری اور غریبی میں ..... اور تباہ کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں..... 1- خواہش نفس کی پیروی کرنا.....

2- حرص و بخل کرنا..... 3- گھمنڈ کرنا' اور یہ تینوں میں سخت تر ہے۔ (مشکوٰۃ ص 434)۔

وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا' مجھے بتلا وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے۔ جس کے پتے جھڑتے نہیں' نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں' جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے..... عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں کہ وہ درخت کھجور کا ہے' لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ ہیں۔ اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ رہا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا' وہ کھجور کا درخت ہے۔ جب یہاں سے آپ ﷺ اٹھ کر چلے گئے تو میں نے اپنے والد (حضرت عمرؓ) سے یہ ذکر کیا تو آپؓ نے فرمایا' پیارے بیٹے! اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ (ابن کثیر 66/3)

ہر کام میں اعتدال

ایک رات نبی کریم ﷺ کا گزر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے ہوا' تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے تھے پھر حضرت عمرؓ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا' میں جس سے مصروف مناجات تھا وہ میری آواز سن رہا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتوں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ اپنی آواز کو قدرے بلند کرو اور حضرت عمر فاروقؓ سے کہا اپنی آواز کو کچھ پست رکھو۔ (تفسیر مسجد

نبوی صفحہ 798' تفسیر ابن کثیر سورۃ بنی اسرائیل آیت 110)۔

اناج ذخیرہ کرنے کا عذاب

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مسجد سے نکلے تو اناج پھیلا ہوا دیکھا۔ پوچھا یہ غلہ کہاں سے آگیا۔ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے۔ آپ نے دعا کی یا اللہ! اس میں برکت دے لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ پر بیچنے کے لئے پہلے سے جمع کرلیا گیا تھا؟ پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا' ایک تو فروغ نے' اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے۔ آپؓ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں' لہٰذا جب چاہیں بیچیں۔ ہمیں اختیار ہے' آپؓ نے فرمایا' سنو! میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک کر رکھے اسے اللہ تعالیٰ مفلس کردے گا یا جذامی۔ یہ سن کر حضرت فروغؓ فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے اللہ تعالیٰ سے۔ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہیں کروں گا' لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر بھی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہوگیا اور وہ جذامی بنا پھرتا تھا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ پر بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کردے گا یا جذامی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 372)۔

سب سے زیادہ قابل رشک بندہ

ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو سب بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفت احسان کے ساتھ کرتا ہو اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں اور اس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو اور وہ اس پر صابر و قانع ہو' پھر رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہوجانے پر اظہار تعجب یا اظہار حیرت کے لئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اس کو موت اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔ (مستند احمد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)..... فائدہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان و احوال مختلف ہیں' لیکن ان میں بہت زیادہ قابل رشک زندگی ان اہل ایمان کی ہے جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے' مگر نماز اور عبادات میں ان کا خاص حصہ ہے اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی ان کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں اور ان کی روزی بس بقدر کفاف ہے لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع' جب موت کا وقت آیا تو ایک دم رخصت' نہ پیچھے زیادہ مال و دولت اور نہ جائیدادوں' مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے اور نہ زیادہ ان پر رونے والیاں۔ بلاشبہ بڑی قابل رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی اور الحمدللہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں۔ (معارف الحدیث جلد 2 صفحہ 88)۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انٹرویو: نگہت اکرم

ایف ایم 101 کی آر جے زینب ارشد

خوش کن کھلکھلاتی مسکراتی جھلملاتی آواز جب ایف ایم 101 سے مخاطب ہوتی ہے تو سامعین کی سماعتوں سے دلوں میں چھلکنے لگتی ہے۔ اس آواز کی مالک زینب ارشد ایف ایم 101 لاہور سے پروگرام کرتی ہیں' زینب ارشد 2008ء سے ایف ایم 101 لاہور سے پنجابی شوز ''سحری سویر'' اور ''جی آیاں نوں'' کے نام سے کر رہی ہیں۔ پنجابی کے علاوہ اردو پروگرامز بھی کرتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان کے مقابلہ آر جے میں 2011ء میں زینب ارشد کو پاکستان کی بہترین آر جے قرار دیا گیا۔ زینب ارشد سے کیا گیا ایک تفصیلی انٹرویو قارئین ردا کے لئے پیش خدمت ہے۔

س: السلام وعلیکم! کیسی ہیں آپ؟

ج: میں بالکل خیریت سے ہوں' ہنستی مسکراتی۔

س: آپ کس نام سے ایف ایم سے منسلک ہیں؟

ج: میں زینب ارشد کے نام سے ہی منسلک ہوں اور یہی میرا اصل نام ہے۔

س: ایف ایم پر کس نے متعارف کرایا؟

ج: مجھے ایف ایم کا بہت زیادہ کریز تھا' میں نے ایف ایم پر خود ہی اپلائی کیا تھا۔ میں نے آڈیشن دیا' ایک ہفتے کے اندر میری سلیکشن ہوگئی اور نویں دن میرا پہلا پروگرام آن ایئر چلا گیا۔

س: پہلا پروگرام کب کیا؟

ج: پہلا پروگرام 14 اگست 2008ء کو کیا تھا اور یہ پنجابی شو تھا۔

س: اب تک آپ کتنے شوز کر چکی ہیں؟

ج: میں نے تقریباً 600 کے قریب اردو پنجابی شوز کیے ہیں۔

س: آج کل کون سے شوز کر رہی ہیں؟

ج: آج کل ایف ایم 101 سے پنجابی شو ''جی آیاں نوں'' دوپہر 1 سے 3 تک کرتی ہوں۔

س: گھر والوں نے اعتراض کیا یا حوصلہ افزائی؟

ج: پہلے تو بہت زیادہ اعتراض کیا گیا جب

پتہ چلا کہ ایف ایم پر شو کرنا ہے اجازت مل گئی اور بہت زیادہ حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس کے علاوہ اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے بہت زیادہ سپورٹ کیا گیا۔

س: ایک اچھا آر جے بننے کے لیے کن صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے؟

ج: ایک اچھے آر جے میں اعتماد' انداز دوسرے لوگوں سے تھوڑا مختلف' بہت زیادہ نالج اور ذمہ دار ہونا چاہیے۔ آن ایئر کیا بات کرنی ہے' کسی کی دل آزاری نہ ہو ایک اچھے آر جے کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے۔

س: پہلا پروگرام کیا تو کیا کیفیت تھی؟

ج: پہلا شو جب کیا تو وہ لوگ جنہوں نے میرا آڈیشن لیا وہ بھی تھے اور پہلا شو پنجابی تھا' عجیب سی کیفیت تھی اور میرے ساتھ وہ پریزنٹر تھے جن کو میں سنتی تھی' جن کو میں کالز کرتی تھی' لیکن میں خود کو ہواؤں میں محسوس کر رہی تھی۔

س: کیا واقعات کے حوالے سے اسپیشل شو کیے ہیں؟

ج: جی ہاں میں نے واقعات' حالات کے حوالے سے اسپیشل شوز کیے ہیں جن میں عید کے خصوصی شوز' محرم الحرام کے موقع پر اسپیشل شو' سیلاب کی خصوصی نشریات تقریباً تین ماہ کیں۔

س: کس ساتھی پریزنٹر کے ساتھ شوز کرنے میں مزہ آتا ہے؟

ج: جن کے ساتھ پہلا شو کیا تھا شمس الحق اور روبی امتیاز کے ساتھ شو کرنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔

س: آج کل کمپیوٹر' نیٹ' کیبل ہے لیکن پھر کیا لوگ ریڈیو کی اہمیت کو سمجھتے ہیں؟

ج: کمپیوٹر نیٹ کیبل کے باوجود ریڈیو کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ایف ایم نے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔

س: کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ کی رائے سامعین تک پہنچ رہی ہے؟

ج: لوگوں تک اچھا میسج پہنچانا کافی حد تک کامیابی ہے۔ ایک ایک لفظ' ایک ٹاپک یاد رکھتے ہیں فلاں شو میں یہ ٹاپک تھا' یہ بات تھی جس سے واضح ہوتا ہے کہ لسنرز تک میری رائے میری بات پہنچتی ہے۔

س: پروگرام کرنے سے پہلے کبھی تیاری کی؟

ج: شروع کے شوز میں بہت زیادہ تیاری کر کے جاتی تھی' پورا ہفتہ ہی ہوتا تھا کہ کوئی نئی بات کرنی ہے نئے سونگ چلانے ہیں اور پورا ہفتہ میں تیاری کرتی تھی مگر اب اتنی ضرورت نہیں پڑتی۔

س: وہ کون سے سامعین ہیں جن کا پروگرام میں انتظار رہتا ہے؟

ج: میرے لیے تو سب سامعین ایک جیسے ہی ہیں لیکن مجھے اپنی بے بے جان (والدہ) کا انتظار رہتا ہے کہ وہ کال کریں کیونکہ وہ عموماً میرے پروگرام میں کالز کرتی ہیں اور باقاعدہ سنتی ہیں۔

س: آپ کی سالگرہ کا دن' کیا آپ سالگرہ مناتی ہیں؟

ج: 12 ستمبر۔ سالگرہ مناتی ہوں گھر والے کسی نہ کسی طریقے سے میری سالگرہ مناتے ہیں اور میری بے بے جان کا حکم ہوتا ہے کہ سالگرہ والے دن کھانا تم بناؤ گی اسپیشل قسم کا' تو یہ بات مجھے عجیب لگتی ہے کہ میری سالگرہ' میرا دن اور کھانا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی میں نے بنانا ہے۔

س: کن لوگوں پر رشک آتا ہے؟

ج: اچھا بولنے والے' اخلاق والے' سچ بولنے والے لوگوں پر رشک آتا ہے۔ اچھی گفتگو مجھے متاثر کرتی ہے۔

س: دوستوں کو sms کرنا اچھا لگتا ہے یا فون کال کرنا؟

ج: میں کال کرتی ہوں تاکہ فوراً بات ہو۔

س: اپنی فیملی کے بارے میں بتائیں؟

ج: میری فیملی میں میرے والد' میری بے بے جان' دو بھائی۔

س: مزاجاً کیسی ہیں؟

ج: بہت بولنے والی' خوش مزاج۔

س: کیا فلمی دیکھتی ہیں؟

ج: کبھی کبھار دیکھ لیتی ہوں۔ صائمہ کی فلمیں اکثر دیکھتی ہوں۔

س: اپنی ناپسندیدہ عادت؟

ج: یقین کرتی ہوں' ہر کسی کے کام آنا' مدد کرنا' اس بری عادت سے بعض اوقات نقصان بھی ہوا۔

س: بچپن کیسا گزرا؟ بچپن کی کوئی یاد؟

ج: میرا بچپن بہت زیادہ مصروف گزرا۔ اکیڈمی جانا' بکس پڑھنا' پوزیشن لینا' ایک ٹائم ٹیبل کے تحت چلنا۔

س: خوبصورت ترین چیز؟

ج: میری ماں جی۔

س: پسندیدہ اداکار' اداکارہ؟

ج: ہمایوں سعید' عمران عباس' صائمہ' ریما۔

س: پسندیدہ گلوکار' گلوکارہ؟

ج: عابدہ پروین' نصرت فتح علی خان۔

س: دیہات کی زندگی پسند ہے یا شہر کی؟

ج: دیہات کی زندگی زیادہ سکون والی زندگی ہے' وہاں لوگ مہمان نواز' کھلے دل کے ہیں' پورا ٹائم دیتے ہیں' اپنائیت ہے' ملنساری ہے' وہ لوگ جھوٹ فریب دھوکے سے عاری ہوتے ہیں۔ میرا بہت کم اتفاق ہوا ہے۔ شہر میں اگر ایک مہمان آجائے تو سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اس نے جانا کب ہے لیکن وہاں یہ بات نہیں۔

س: کھانے میں کیا پسند ہے؟

ج: میں بریانی' حلیم زیادہ شوق سے کھاتی ہوں۔ دہی بھلے' فروٹ چاٹ اور تکے پسند ہیں۔

س: آپ کو کیا اچھا لگتا ہے دن یا رات؟

ج: مجھے رات اچھی لگتی ہے۔

س: موسم کون سا اچھا لگتا ہے؟

ج: سردیوں کا موسم پسند ہے۔

س: وہ لمحہ جسے آپ بھول نہ پائی ہوں؟

ج: وہ لمحہ جب میں نے قرآن پاک حفظ کیا تھا۔ اور 25 نومبر 2011ء کا وہ لمحہ جب مجھے بیسٹ آر جے کا ایوارڈ دیا گیا۔

س: ایک رات جنگل میں گزارنی پڑے تو؟

ج: جنگل میں تمام جانور ہوں لیکن شیر نہ ہو۔

س: دوستی آپ کے نزدیک؟

ج: دوستی خوبصورت رشتہ ہے اگر اسے صحیح طریقے سے نبھایا جائے۔

س: بارش برستی ہے تو کیسا لگتا ہے؟

ج: بارش برستی ہے تو بہت اچھا لگتا ہے۔

س: غصہ آئے تو کیا کرتی ہیں؟

ج: غصے میں رونا شروع کر دیتی ہوں۔

س: اگر چاند پر جانے کا موقع ملے تو؟

ج: چاند پر جانے کا موقع ملے تو ریڈیو ساتھ لے کر جاؤں گی۔

س: کیا کبھی مشورہ لیتی ہیں؟

ج: میں اپنے ماموں جان سے مشورہ لیتی ہوں۔ وہ بہت زیادہ رہنمائی کرتے ہیں۔

س: شوز کے درمیان کوئی ایسا واقعہ جو یادگار رہا؟

ج: میں مارننگ شو کر رہی تھی ایک کالر آئے آف ایئر' انہوں نے کہا آج میرے بچے کی سالگرہ ہے اسے وش کر دیں۔ میں نے ایسے ہی کہہ دیا میرا کیک کہاں ہے۔ 9 بجے پروگرام ختم کر کے میں باہر آئی تو وہ کالر استقبالیہ پر موجود تھا کیک کے ساتھ۔ میری یہ فنی مسٹیک تھی جو مجھے آج بھی یاد ہے۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا وہ شخص ایک گھنٹہ میں کیک لے کر موجود تھا کہ آپ نے کہا تھا۔

س: آپ بہت خوبصورت پنجابی بولتی ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: میرے پھپھا اختر حسین اختر پنجابی رسالے کے ایڈیٹر تھے اور یہ رسالہ میرے پاس آتا تھا اور میرے پھپھا جب بھی ہمارے ہاں آتے تو وہ مجھے یہ کہتے "پتر میرے نال پنجابی بول" شاید یہی وجہ ہے کہ میں اتنی اچھی پنجابی بولتی ہوں۔

س: ایک اچھے اور معیاری پروگرام میں پریزنٹر کا کتنا ہاتھ ہوتا ہے۔

ج: سارا ہاتھ ہی پریزنٹر کا ہوتا ہے۔

س: اگلے پانچ سالوں میں اپنے آپ کو کہاں دیکھتی ہیں؟

ج: میں اس فیلڈ میں ہی رہوں گی اور پروڈکشن کی طرف بھی آؤں گی جس کے لئے میں کورس اور ورکشاپ کر رہی ہوں۔

س: آپ کا اسٹار کون سا ہے' کیا آپ ستاروں کے علم پر یقین رکھتی ہیں؟

ج: میرا اسٹار ورگو ہے اور میں ستاروں کے علم پر بہت زیادہ یقین نہیں رکھتی۔

س: ایف ایم کے علاوہ آپ کی مصروفیات؟

ج: ایف ایم کے علاوہ میں ایم اے کر رہی ہوں پنجابی میں۔

س: ردا ڈائجسٹ کے بارے میں آپ کے تاثرات؟

ج: ردا ڈائجسٹ ایک معیاری ڈائجسٹ ہے جس میں کہانیاں' ناول' شاعری' بیوٹی ٹپس' کوکنگ اور لیٹر ہوتے ہیں۔ سب سلسلے اچھے ہیں لیکن اس میں ایف ایم سے منسلک آر جے کو متعارف کروانا یہ زبردست اور اچھا سلسلہ ہے۔

س: جو اس فیلڈ میں آنا چاہیں ان کے نام پیغام؟

ج: اگر آپ اچھے آر جے بننا چاہتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ شوز سنیں' آپ میں لوگوں کو سننے کی طاقت ہو' کسی اور کے انداز کو کاپی نہیں کرنا' اعتماد اور تجربہ بھی ہونا چاہیے۔

س: قارئین کے نام پیغام؟

ج: حوصلہ کبھی نہیں ہارنا' کسی بھی معاملے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے' اگر آپ کا کام نہیں ہو رہا تو اپنے آپ کو اتنا قابل کر لیں' ٹیلنٹ کا مقابلہ کریں' یقین اور خود اعتمادی بہت ضروری ہے۔

.....☆☆☆.....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

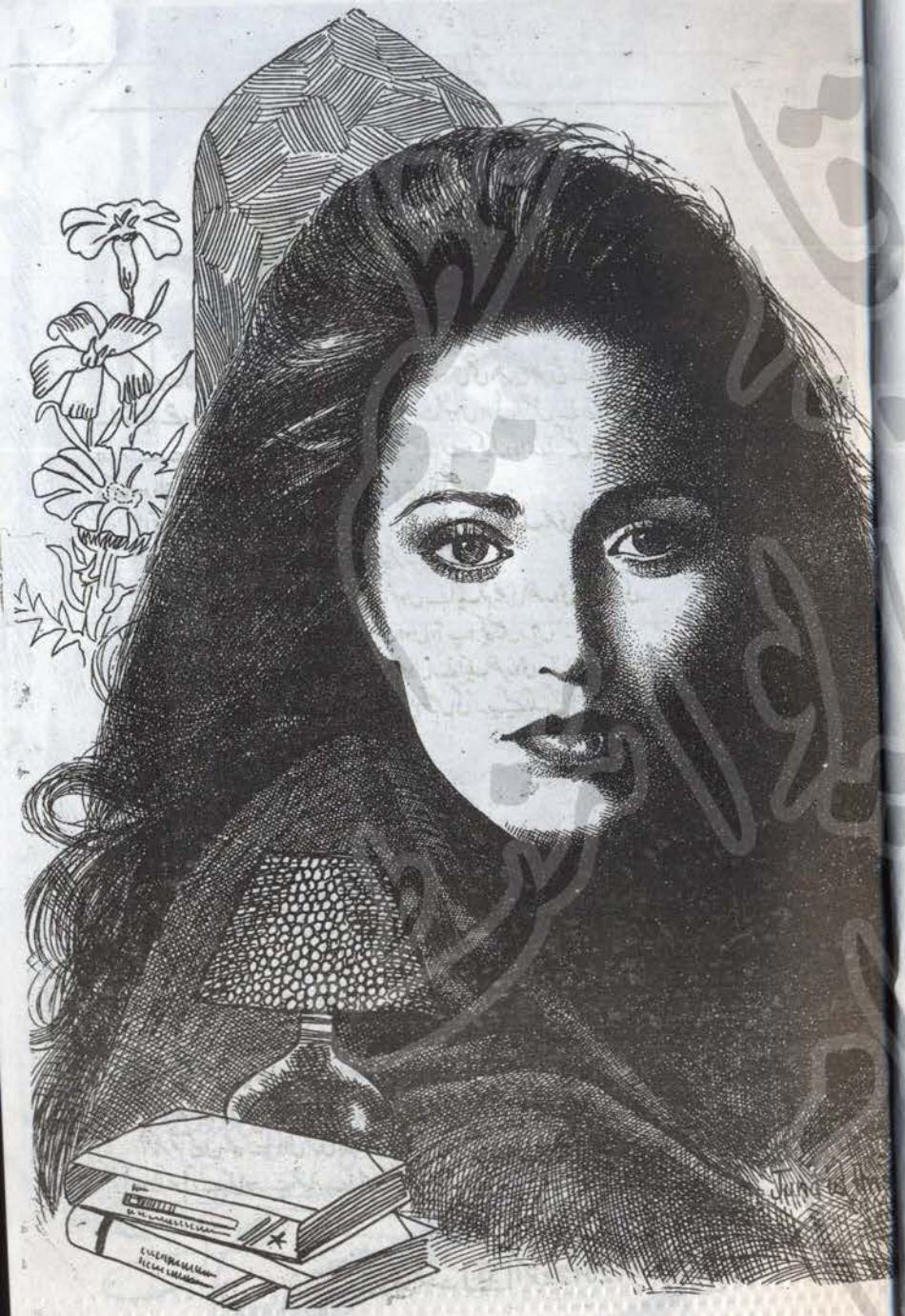

ریما نور رضوان

افسانہ

ذمہ دار کون......!

میری نگاہیں بھی منتظر ہیں
اسی سحر کی
کہ جس کی کرنیں پیام دیں گی
لو اَب سے دنیا میں امن ہوگا
کچھ ایسی خوشیوں کی منتظر ہوں
جو گولہ بارود دفن کر کے
محبتوں کو دوام دے گا

وہ چلچلاتی دھوپ میں ابھی کالج سے لوٹی تھی اور آتے ہی سلمان کا دماغ کھانے لگی تھی۔ یہ کام وہ پچھلے دو ہفتے سے کر رہی تھی۔

''سلو بھائی میری جان پلیز میرا یہ کام کر دے ناں''۔ نرما نے بہت محبت اور لاڈ سے کہتے ہوئے بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں تھیں۔

''نمی! یار تو دیکھ ناں کتنی زبردست گرمی ہے' اتنی سڑی گرمی میں تو مجھے پبلک ٹرانسپورٹ میں صدر جانے کا کہہ رہی ہے یار! گرمی سے ویسے ہی بندہ آدھا ہوجاتا ہے اوپر سے یہ بسیں جگہ جگہ رکتی ہیں''۔ سلمان بےزاری سے بولا تھا۔

''تو تو ایسے بول رہا ہے جیسے AC والی گاڑیوں میں سفر کرتا ہو' اپنی جاب کیلئے کیسے مارا مارا پھرتا ہے' ایک چکر میری خاطر بھی لگا لے میرا پیارا بھائی''۔

''چل چل زیادہ مکھن مت لگا' کل صبح چلا جاؤں گا اور دو تین بجے تک تیری ساری تصویریں پرنٹ آؤٹ اور تیرے تمام ویڈیو کلپ کو ایک CD میں Convert کروادوں گا' بس خوش''۔

نرما اپنے کالج کے سالانہ فنکشن کی تصویریں اور ویڈیو کلپ جو موبائل میں محفوظ تھے نکلوانے کی ضد کر رہی تھی۔

''آئی لو یو سو مچ میرا پیارا بھائی' میری جان!'' نرما خوشی سے کھلکھلا کر بولی تھی۔

☆

''کراچی' صدر ریمبو سینٹر میں خودکش بم دھماکا' 52 افراد ہلاک' 75 زخمی۔ مزید تفصیلات کیلئے دیکھتے رہئے جیو نیوز......'' نرما کالج سے نکلی تھی کہ آس پاس کی دکانوں پر یہی خبریں چل رہی تھیں' نرما بھی گزر رہی تھی کہ یکلخت چیخی۔

''نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا' میرا بھائی سلمان...... سلمان آج وہیں ریمبو سینٹر گیا ہے''۔ چلانے کے ساتھ ہی وہ بےہوش ہوگئی تھی۔

سلمان کا محلے کے لڑکوں نے بہت پتہ کروایا' لیکن کوئی سراغ نہ ملا اور نرما اپنے اکلوتے بھائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکی' اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی۔ ایک ہنستا بستا گھرانہ جو ایک بہن بھائی پر مشتمل تھا بالکل برباد ہوگیا۔

کون ہے اس سب کا ذمے دار۔

ہر نئے دن یہی کچھ ہو رہا ہوتا ہے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی اپنا عزیز کھو رہا ہوتا ہے۔ کیا زندگی کی کوئی اہمیت یا محبت نہ رہی کہ بےدرد لوگ یوں زندگیوں کو بےمول کر رہے ہیں۔ کس کو ذمے دار کہا جائے۔ کون ہے لوگوں کی خوشیوں کا قاتل۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صالحہ محمود

قسط نمبر 10۔

سلسلے وار ناول

رگِ جاں سے جو قریب تھے

صبا بہت دیر تک کروٹیں بدلتی رہیں، انہیں نیند نہیں آ رہی تھی، طرح طرح کے وسوسے اور خیالات ان کے ذہن میں جنم لے رہے تھے، وہ بہت بے قرار سی اُٹھیں، ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی، اشمل نے دروازہ کھولا تھا، وہ بہت بے قرار سی اُٹھ کر دروازے سے باہر نکل آئیں، اشمل کے کمرے کی جلتی لائٹ دیکھ کر وہ اندر آ گئیں، رومی نے جلدی سے گھبرا کر ان کی جانب دیکھا، دروازہ کھلا تھا، وہ ہینڈل تھامے اشمل سے پوچھ رہی تھیں۔

''اتنی دیر تک تم لوگ کہاں تھے؟ اور تمہارا فون بھی بزی تھا''۔ وہ شک بھری نظروں سے اُسے گھور رہی تھیں۔

''مام پلیز!'' وہ بیزار کن لہجے میں انہیں دیکھ کر سر جھکا گیا۔

''اشمل! تم اپنی لمٹ کراس کر رہے ہو''۔ انہوں نے ایک قہر بھری نظر رومی پر بھی ڈالی۔

''مام! آپ جائیں پلیز، میں بہت ڈسٹرب ہوں، آپ دیکھ نہیں رہیں''۔

''یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟'' انہوں نے ایک نظر رومی کے بینڈیج بندھے ہاتھ پر ڈالی۔

''مام پلیز! یہ چوٹ ہے اور کیا ہے؟ اب آپ پوچھیں گی کہ یہ کیسے لگ گئی؟ سی سائیڈ کے کنارے پر ایک بچے کے ساتھ حادثہ ہوا تھا، رومی نے بروقت اس کو بچا لیا''۔

''اچھا.....! تو یہ ہمدردیاں بٹورتی پھر رہی ہے؟''

''مام پلیز! اس وقت میں بہت اپ سیٹ ہوں، آپ جائیں''۔

''او کے، میں تمہارا بہت جلد بندوبست کرتی ہوں''۔ وہ یہ کہتی ہوئیں روم سے نکل گئی تھیں، رومی کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی اُتر آئی تھی، ہر روز اُسے تکلیف دہ ماحول سے گزرنا پڑتا تھا، جس کی وہ عادی نہیں تھی، وہ اُداس لہجے میں بولی۔

''اشمل! میں ہر روز اس کھیل سے تنگ آ گئی ہوں، پلیز! میں تمہارے اس کھیل کا ڈراپ سین چاہتی ہوں، جتنی جلدی ہو سکے تم مجھے.....'' وہ یہ جملہ کہتے کہتے کانپ رہی تھی، اشمل نے ایک نظر اس کے وجود پر ڈالی، رُخ پھیر کر کشن اُٹھا کر وہ صوفے پر جا بیٹھا تھا۔

''آپ سے میں کتنے سوالات کرتی ہوں، آپ میری کسی بات کا جواب نہیں دیتے''۔ وہ دونوں ہاتھوں میں کشن بھینچ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا جواب دوں؟'' وہ کھسک کر بیڈ کے کونے پر ہو گئی۔

''پھر تم کیوں مجھ سے سوال کرتی ہو؟ اور خود ہی ڈر کر پیچھے ہو جاتی ہو، اندر سے تم خوفزدہ ہو، اور خوفزدہ ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوتی ہے، کیا وجہ ہے، تمہارے ذہن میں یہ خوف کیسے آیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کچھ تو فیل کیا ہوگا؟"

"کیا فیل کیا تم نے بولو، ایسا کیا محسوس کیا جو تم سہم کر ہمیشہ دو فٹ مجھ سے دور ہو جاتی ہو؟"

"اس میں ہماری اور تمہاری بہتری ہے"۔

"رومی پلیز! میں اس وقت ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہوں"۔ اس نے اُٹھ کر لائٹ کا بٹن آف کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

انسان کے اختیار میں جو ہوتا ہے وہ سب کچھ کر لیتا ہے، مگر ہوتا وہی ہے جو ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا، کلثوم کی بنائی ہوئی دنیا میں زویا آ تو گئی تھی، لیکن پہلے ہی دن میں خود کلثوم کو لگا کہ تصویر فریم میں فٹ نہیں ہو رہی، فرسٹ نائٹ ہی زویا کی ماں ساتھ آئی تھی، جاتے جاتے وہ دروازے پر رُک کر بولی۔

"اب یہ رسم و رواج کا زمانہ نہیں ہے، یہ کھیر چٹوائی اور منہ دکھائی فی الحال بند کرو، میری بیٹی بہت تھک رہی ہے، اس کے آرام کا وقت ہو رہا ہے، اور ہاں ارسلان بیٹے! اس سوٹ کیس میں بلینکٹ ہے، زویا سو جاتی ہے تو اُسے ٹھنڈ لگتی ہے، اسپلٹ چل رہا ہو تو اس پر بلینکٹ ڈال دینا، ورنہ ٹھنڈ سے اس کی آنکھ کھل جاتی ہے، او کے میری جان زویا!" وہ پھر پلٹ کر بیٹی کے روم میں آئیں اور لپٹا لپٹا کر پیار کیا، ارسلان ماں کے حواس باختہ چہرے کو دیکھ رہا تھا، تو رومی جھپ سے سامنے پلٹ کر آئی تھی۔

"آنٹی! یہ رسم و رواج تو اچھے لگتے ہیں ولید ہاؤس کے گیٹ پر، مجھے اشمل کے ساتھ ایک گھنٹے روک دیا گیا تھا، ساری لڑکیاں نیگ مانگ رہی تھیں ولید ماموں صرف انجوائے کرنے کے لئے لڑکیوں سے بارگیننگ کر رہے تھے"۔ تو کلثوم نے ایک سکون کا سانس لیا تھا کہ چلو کوئی تو ہے جو بولا، ایشل جو شرمندگی کے مارے گڑسی گئی تھی، رومی کو ہنس کر دیکھنے لگی۔

"بیٹا! تمہاری بات کوئی اور تھی، وہ رحم اور ترس کھا کر تمہیں اس گھر سے لے گئے، مگر میری بیٹی ایسی تو نہیں"۔ تو ارسلان کو ایک کرنٹ سا لگا، تبھی کلثوم بولیں۔

"ہمارے گھر کی بیٹیاں صبر اور تحمل سے کام لیتی ہیں"۔

"لیکن میری بیٹی تو بہت نازک ہے"۔ انہوں نے سر سے آنچل ہٹا دیا تھا۔

"دیکھو تو پھول سا چہرہ ہے، ذرا سی دیر ہوتی ہے تو اس کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگتی ہیں، بالکل ادھ کھلی کلیوں کی طرح، کوئی بات نہیں بیٹا! تھوڑا سا صبر کرو، بیٹے ارسلان! جلدی لائٹ بند کر دینا، میں تو جا رہی ہوں"۔ کلثوم ساکت سی جہاں بیٹھی تھیں وہیں بیٹھی رہ گئیں، البتہ ارسلان پلٹ کر بولا تھا۔

"آنٹی! اب یہ ہمارا معاملہ ہے"۔ تو زویا نے نظریں اُٹھا کر ارسلان کی جانب دیکھا تھا، کلثوم منہ دکھائی میں ایشل کا لاکٹ لئے کھڑی تھیں، تذبذب کا عالم تھا، گہری خاموشی میں کسی کی سانس سنائی نہیں دے رہی تھی، تب سارے سکوت کو توڑتی ہوئی ایشل بولی۔

"امی جان! پہنا دیں ناں"۔ تو کلثوم کے ہاتھ زویا کی گردن تک پہنچے ہی تھے۔

"پلیز آنٹی! یہ تو استعمال شدہ ایشل کا لاکٹ ہے، جو وہ پہن کر میرے گھر آئی تھی، میں کبھی کسی کی استعمال شدہ چیز نہیں لیتی"۔ کلثوم کے دونوں ہاتھ میں لاکٹ جو موتیوں میں پرویا ہوا تھا، وہیں کا وہیں رُک گیا، کلثوم کی نظر امی جان کی طرف گئی، وہ بہت غور سے کلثوم کو دیکھ رہی تھیں، ارسلان نے نظر بچا کر شرمندگی سے رومی پر نظر ڈالی، تو بیڈ پر بیٹھی ہوئی زویا نے اس کی جانب دیکھا تھا، ہلکے نیلے رنگ کی جھلملاتے شلوار، گولڈن گرتا اور بڑا سا گولڈن دوپٹہ سچے موتیوں کا گرین جھلملاتا ہوا سیٹ اس کے کانوں میں پرانے زمانے کے بڑے بڑے بالے ہل رہے تھے، اس نے جھک کر جلدی سے اپنی بالیوں کو دیکھا، چھوٹی

دادی نے اُسے اپنی نشانی دی تھی بطور تحفہ، اور بہت پرانے زمانے کی بالیاں تھیں، جن کو بڑی دادی نے سیٹ میں تبدیل کروایا تھا، رومی نے ہاتھ لگا کر فخریہ انداز میں ارسلان کی جانب دیکھا تھا، زویا نے بہت تنقیدی نظروں سے رومی پر ایک نظر ڈالی اور بولی۔

"پلیز آنٹی! میں ریسٹ کرنا چاہتی ہوں"۔

"چلو سب کلین بولڈ ہو گئے"۔ رومی اور ایشل بہت کھلکھلا کر ہنسیں تھیں، باقی ساری لڑکیاں اور خواتین کمرے سے باہر آ گئی تھیں۔ سب کے جانے کے بعد ارسلان صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تھا، زویا نے خاموشی سے دیکھتے ہوئے ارسلان پر ایک نظر ڈالی۔

"کیا اب دروازہ بھی میں بند کروں گی؟" تو ارسلان بُری طرح چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا، اس کی آواز میں بڑا تکبر تھا، زویا کھٹاک سے اُٹھی، اس نے اپنے ڈریس کو سنبھالتے ہوئے دروازے کو لاک کیا، بیڈ پر دھڑ سے بیٹھی، اس کی باڈی لینگویج سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ شدید غصے میں ہے، ارسلان جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہ گیا، زویا نے سر سے دوپٹہ نوچ کر گھور کر دیکھا، بُندے، بالی، جھمکے، نیکلس سب اس نے اُتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ دیئے، آنکھوں اور ناک سے پانی بہنے لگا، رنگین چوڑیوں سے اُسے وحشت ہونے لگی تھی، آہستہ آہستہ وہ اپنی کانچ کی چوڑیوں کو اُتارتی جا رہی تھی اور ہر چوڑی اُتارنے پر وہ ایک نظر ارسلان پر ضرور ڈالتی، مگر ارسلان فُس سے مُس نہ ہوا، جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہ گیا، مرجنڈا کلر میں زویا اس وقت بے حد حسین لگ رہی تھی، پھر بھی وہ ارسلان کا دل نہ جیت سکی۔

"پلیز مجھے وحشت ہو رہی ہے اس خاموشی سے، آپ باہر جائیں، مجھے آرام کرنا ہے"۔ زویا روتے ہوئے بولی۔

"پلیز زویا! مجھے تماشہ مت بناؤ اور نہ خود کو تماشہ بناؤ"۔

"تم تھے ہی تماشے کے قابل، تبھی تو تمہارے سب گھر والے باتیں بنا بنا کر چلے گئے"۔

"تم لوگوں نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا"۔ ارسلان پھٹ پڑا۔

"اگر میں پسند نہیں تھی تو کیوں کی مجھ سے شادی؟ تمہارے دل و دماغ پر تو وہ رومی بسی ہوئی ہے، آنٹی نے مجھے سب بتایا ہوا ہے"۔ ارسلان نے بہت گہری نظروں سے زویا کو دیکھا تھا، ایک نیا چیپٹر رومی کے حوالے سے پھر کھل چکا تھا۔

"امی نے تم سے کیا کہا ہے؟"

"جو وہ جانتی ہیں"۔ وہ بھی اُسی انداز میں بولی۔

"کیا جانتی ہیں وہ زویا! میرے بارے میں یا رومی کے بارے میں، تم یہ کس قسم کی بات کر رہی ہو؟ تم بہتان لگا رہی ہو، تم جانتی ہو یہ کتنا بڑا گناہ ہے"۔

"تو یہ رات گناہ اور ثواب کی ہے"۔ وہ پلٹ کر بولی۔

"آہستہ بولو زویا! باہر برآمدے میں ابو سوئے ہوئے ہیں"۔ ارسلان کمزور پڑ گیا تھا۔

"کیا تمہارے گھر میں کن سوئیاں لیتے ہیں لوگ؟ میں نہیں رہوں گی چپ، تم نے میری ماں اور میرے باپ کی توہین کی ہے، میری ماں یہاں سے بہت اُداس گئی ہے، سب کچھ تو دیا ہے میرے باپ نے، اگر کچھ کمی رہ گئی ہے تو بول دیتے"۔

"زویا! پلیز آہستہ بولو"۔

"میں نہیں بول سکتی آہستہ، تمہیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیئے تھا"۔ اس کے چہرے پر اُداسی پھیل گئی۔

"زویا! پلیز، آہستہ بولو، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری آواز باہر جائے"۔

"اتنا ہی خوف تھا تو اپنا یہ محل کہیں اور تعمیر کروا لیتے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بس زویا! پلیز میں آج کی رات کوئی بحث نہیں چاہتا"۔

"آج کی رات جو میری زندگی کے فیصلے کی رات ہے، اور تم کہتے ہو کہ میں چپ ہو جاؤں، سب کچھ تو میرے باپ نے دے دیا تم لوگوں کو، پھر اکڑ کس بات کی ہے؟ ایک نیا لاکٹ تو دے نہ سکے، زویا کو ایشل کی اُترن پہنا رہے ہو، اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک چاندی کا سیٹ لے آتے، کتنی ذلت سہی ہے میرے ماں باپ نے، کہ کہاں بیٹی دے دی؟"

"سب کچھ تم لوگوں کے سامنے تھا، ہم نے کوئی زبردستی نہیں کی، سمجھیں زویا؟" وہ بہت اُداس لہجے میں بولا۔

"تو تم کیا سمجھتے ہو کہ میرے والدین نے زبردستی کی ہے؟ دن میں دس دس چکر لگاتی تھیں آپ کی ماں جی"۔

"زویا! تمیز سے بات کرو، وہ میری ماں ہیں"۔

"میرا نام لے کر مخاطب مت کرنا، تم ابھی مجھے نہیں جانتے"۔

"میں جانتا ہوں تمہیں اچھی طرح، میری ماں کو تم لوگوں نے ٹریپ کیا ہے"۔ تو وہ بہت زور سے چیخی تھی۔

"ارسلان! پلیز..... میرے ماں باپ کو کچھ مت کہنا"۔

"کیسا دکھ ہوا تمہیں، اور تمہارا لہجہ کیسا ہے میری ماں کے بارے میں، کبھی تم نے سوچا کیا مہذب گھرانوں کی بیٹیاں اسی لہجے میں بات کرتی ہیں اپنے شوہروں سے؟"

"جتنے مہذب گھرانے کے آپ ہیں ناں، میں سب جانتی ہوں، کھلے عام آپ کی ماں آ کر کہتی تھیں کہ رومی آپ پر ڈورے ڈال رہی ہے"۔

"اگر ایسا ہوتا تو آج تم یہاں نہ ہوتیں، رہا میری ماں کا تعلق، تو میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، انہیں یہ شان و شوکت، تمہارا رہن سہن بہت متاثر کرتا تھا، لیکن میں نے بھی تو یہ سنا تھا کہ تمہاری ایج زیادہ ہوگئی ہے، آپ کے والدین پریشان ہیں اور کوئی غریب لڑکا دیکھ رہے ہیں تاکہ تمہیں رخصت کر سکیں، بس یوں سمجھ لو کہ ہم ایک دوسرے کی ضرورت تھے"۔

"ہاں تو اس کی بھی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، میں تم سے صرف دو سال بڑی ہوں"۔

"میں کب کچھ کہہ رہا ہوں، تم جو بھی ہو، اب میری بیوی اور اس گھر کی عزت ہو، میں بس اتنا بول رہا ہوں کہ آہستہ بولو، اور عزت کرو میرے گھر والوں کی"۔ ارسلان نے بھی اُسے آئینہ دکھایا تھا، زویا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ارسلان نے بیڈ سے چادر اُٹھا کر چوڑیاں اس کے ہاتھوں میں ڈالی تھیں، وہ رُخ پھیر کر ابھی تک سسک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ہارن کی آواز پر رومی چونک گئی تھی، رات گئے اشمل اُسے لینے اچانک آ گیا تھا، وہ ملگجی سے شب خوابی کے سادہ سے لباس میں صوفے سے اُٹھ کر باہر کی جانب بڑھی، دروازہ کھولا تو اشمل سامنے کھڑا تھا۔

"کیا سو گئی تھیں تم؟" وہ تھوڑا چل کر قریب آیا۔

"کیوں خیریت؟" وہ ہڑبڑا کر دو قدم آگے بڑھی۔

"سوری رومی! تم پاپ کو تو جانتی ہو، دو گھنٹے سے تمہاری رٹ لگائی ہوئی ہے کہ رومی کو لے کر آؤ، اور تم نے اپنا سیل بھی آف کر رکھا ہے"۔

"نہیں تو....."

"بس تم گھر چلو"۔

"اتنی رات کو.....؟" اشمل نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"اتنی رات..... صبح کے پانچ بج رہے ہیں" ۔ وہ نیند سے بوجھل آنکھوں سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

"سب گھر والے تھکے ہوئے سو رہے ہیں، اتفاق سے تمہاری گاڑی کے ہارن سے میری آنکھ کھل گئی، ورنہ میں تو خود بہت گہری نیند میں تھی"۔ اس نے جلدی سے اپنا بڑا سا پنک دوپٹہ اُٹھا کر اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس پر لپیٹ لیا تھا۔

"پاپ کا تو وہاں دن نکلا ہوا ہے، چلیں آپ"۔

"چلو ٹھیک ہے، میں ایشل کو بتا دیتی ہوں یا شاید تایا ابو نماز کے لئے اُٹھے ہوں تو میں دیکھتی ہوں، تم اندر آؤ، میں چینج کر لوں، تھوڑی دیر لگے گی"۔ اشمل چلتا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا، رومی نے پلٹ کر دیکھا تو برآمدے میں جہاں وہ اشمل کو لے کر آئی تھی، تایا ابو چوکی پر بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے، نجانے کس پہر وہ تہجد کے لئے اُٹھ کر آئے تھے، کسی کو خبر نہ ہوئی، اس نے انگلی کے اشارے سے اشمل کو خاموش رہنے کو کہا، تو وہ وہیں پڑی ہوئی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گیا تھا، تایا ابا کے دونوں ہاتھ اللہ کے حضور پھیلے ہوئے تھے، آنسوؤں سے ان کا چہرہ بھیگ رہا تھا اور ہلکی ہلکی سرگوشیاں ان کے ہونٹوں سے بکھر رہی تھیں یا وہ دعا کے موتی تھے جو وہ سمیٹ رہے تھے۔

"اے اللہ! ایشل کا نصیب اچھا کرنا، رومی کا تُو نے نصیب اچھا کیا ہے، تُو آگے بھی اس کے لئے آسانیاں کر دے، پتھر کو بھی تُو موم کر دے، میری رومی بھی بجھی بجھی رہتی ہے، اس کو سائبان تو مل گیا ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کے سر پر دھوپ بھری ہے"۔ اتنی آہستہ سی سرگوشی بھی اشمل کے دل و دماغ پر چیخ رہی تھی، پاتال سے گہرے سمندر میں وہ اس لمحے اُتر گیا تھا۔

"کیا محبت اتنی گہری ہوتی ہے، بن کہے وہ سارے بھید جان لے، یا پھر چہروں کے عکس اتنے مکمل ہوتے ہیں وہ پرت در پرت کھلتے جاتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ جو ہاتھ پھیلائے ایک بوڑھا شخص اپنے رب سے خوشیاں مانگ رہا ہے، یہاں تو دولت کے انبار نے ہمارے اِردگرد اتنے سارے خوش گمانیوں کے خواب بکھیر دیئے ہیں، جس کو چاہوں میں ہاتھ بڑھا کر حاصل کر لوں، ہر چیز ہماری دسترس میں ہے اور یہ شخص صرف نصیب کی بھیک مانگ رہا ہے"۔ تبھی وہ بڑا سا بیگ اُٹھائے اندر آئی، نہ صرف اشمل بلکہ شکیل بھی رُخ پھیر کر حیرانی سے اُسے دیکھنے لگے تھے۔

"بیٹا! اتنی جلدی، اتنی صبح تمہاری تو آنکھ بھی نہیں کھلتی، تم جانے کی تیاری کر رہی ہو؟" تو خود بخود ان کا رُخ اشمل کی طرف ہو گیا۔

"سب خیریت تو ہے، بھابی تو ٹھیک ہیں، اور ولید.....؟"

"جی، جی سب ٹھیک ہیں"۔ اشمل سہم کر کھڑا ہو گیا تھا، اُسے یوں لگ رہا تھا کہ سامنے کھڑا ہوا شخص اچھی طرح سے اُسے پڑھ رہا ہے، رومی کیسی زندگی گزار رہی ہے، یہ شخص جانتا ہے اس نے پلٹ کر نظر اُٹھا کر رومی کی جانب دیکھا، پنک شیفون کی لمبی سی فراک اور بڑے سے دوپٹے کو سر سے لپیٹے بے حد قیمتی پرس تھامے، ہاتھوں میں پڑی ہوئی ڈائمنڈ کی رنگ بے حد نفیس جڑاؤ کنگن اور ہاتھوں میں بھری مہندی جو اس نے ارسلان کی شادی پر لگوائی تھی، رومی کی براؤن آنکھوں میں اس قدر ٹھہراؤ، پُرسکون شفاف چہرہ اور آنکھوں میں رات کی شب خوابی شبنم کی طرح اُتر گئی تھی، کہیں بھی تو ایسا کچھ نہیں تھا، کوئی مفلسی، کوئی ڈر خوف، نہ ہی چہرے سے اس کی اصلیت بیدار ہوئی تھی، چشم گریہ بھی اتنی جل تھل نہ تھی کہ کوئی اُسے پڑھ سکتا۔

"جی تایا ابو! ماموں نے مجھے بلوایا ہے"۔

"جی سب خیریت ہے"۔ اشمل اٹکی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

"آپ فون کر دیتے، ہم خود چلے آتے"۔

"اب تو صبح ہو رہی ہے انکل! پاپ بھی آپ کی طرح جاگ رہے ہیں"۔ سگار پیتے ہوئے ایزی چیئر پر بیٹھے ہوئے ولید حیدر کا خیال اُسے آیا۔

"سرد اور گرم دنوں میں بھی یہ اسی تخت پر نمازیں ادا کرتے ہوں گے"۔ شکیل کے ماتھے پر سیاہ داغ پر اس کی نظر پڑی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسے دور کہیں روشنی کا ایک ہالا نظر آیا، ولید حیدر کی طرف سے اس نے اپنا رُخ پھیر لیا تھا، مسلسل سگار پیتی ہوئی ایزی چیئر ہل رہی تھی۔

"کتنا مختلف ہے انسان ایک دوسرے سے اس دنیا میں"۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور رومی کے بیگ کو اس نے یوں اُٹھایا، جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر کسی منزل کی تلاش میں ہو، تبھی سامنے سے چائے کا کپ تھامے ہوئے کلثوم آتی نظر آئی تھیں۔

"میں نے سوچا آپ نماز پڑھ چکے ہوں گے، اماں کہہ رہی ہیں آپ کو چائے دے دوں"۔ ایک اور روپ نکھر کر سامنے آیا، تو اس نے آہستہ سے سر کو سلام کے لیے جھکایا تھا۔

"کیا ہوا رومی! تم اتنی صبح صبح جا رہی ہو؟" کلثوم کے لہجے میں ماؤں والی مٹھاس اُتر آئی تھی۔

"جی تائی اماں! آپ سو رہی تھیں تو میں نے سوچا آپ کو ڈسٹرب نہ کروں"۔

"کہاں بیٹا! رات بھر نہ سو سکی، میں زویا..." آگے ان کی آواز کو بریک لگ گئے تھے، وہ اشمل کی موجودگی کا احساس کر گئیں۔

"جی تائی اماں! زویا بہت خوبصورت لگ رہی تھی رات"۔ وہ بھی ان کے جملے پر بات بنا گئی۔

"بس اللہ رحم کرے گا"۔ تایا ابو نے آہستہ سے کہا تھا۔

"دادی سے مل کر جاؤ، وہ جاگ رہی ہیں"۔

"جی تائی اماں!" وہ جھپاک سے دادی سے مل کر پلٹ بھی آئی تھی، گیٹ تک وہ چھوڑنے آئیں، رومی نے دور بنی ہوئی کوٹھڑی کی طرف دیکھا، جس کے دروازے ابھی تک کھلے ہوئے تھے، اس رات کی طرح جب وہ اس گھر کو چھوڑ کر گئی تھی۔

"ارے ایسے کیسے؟ گلے تو لگ کر جا"۔ کلثوم نے اُسے اپنے سینے سے بھینچ لیا تھا۔ پہلی بار ان کے سینے سے لپٹ کر وہ ماں کی یاد میں روئی تھی، ماں کے وجود کی خوشبو اس کی سانسوں میں اُتر رہی تھی، اس نے بھیگی نظروں سے اس کوٹھڑی کی طرف دیکھا، وہ سہمی ہوئی رات میں جب تائی اماں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"دیکھو تم یہاں اگر رُکی ناں تو میں تمہارا بستر یہاں لگوا دوں گی"۔ لیکن جب اس نے خوف سے کوٹھڑی کے اندر پڑے ہوئے پلنگ کو دیکھا تو اس پر تائی اماں سر جھکائے بیٹھی ہوئی نظر آئیں تھیں، آج بھی ایسا ہوا تھا، اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ کر باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، گاڑی کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی چلی گئی، اشمل کے ذہن پر شکیل کی سسکتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اے اللہ! ایشل کا نصیب اچھا کرنا، رومی کا تُو نے نصیب اچھا کیا ہے، تو آگے کے لئے بھی آسانیاں پیدا کر دے، پتھر کو بھی تُو موم کر دے، میری رومی بجھی بجھی رہتی ہے، اس کو سائبان مل گیا ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کے سر پر دھوپ بھری ہے"۔ اس نے مڑ کر رومی کی طرف دیکھا تو وہ اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں کو پونچھ رہی تھی۔

"کیا ہوا.... ارسلان کی بیوی پسند نہیں آئی؟ یقیناً وہ تمہارے سامنے کچھ بھی نہیں ہوگی"۔

"بکواس مت کرو اشمل!" اس نے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں تھیں۔

"کیوں.... حقیقت سے آنکھیں چُرا رہی ہو یا اپنے نصیب پر رو رہی ہو؟"

"یہ تو پرانی بات ہے، کونسی نئی بات ہے"۔

"آئی شیور.... کہ میں جو سوچ رہا ہوں وہ سچ ہے، تمہارے ان آنسوؤں نے تمہارے تایا ابو پر تمہارے سارے بھید کھول دیئے ہیں"۔ وہ بہت غور سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"جی نہیں، امپوسبل"۔ وہ بہت اکڑ کر بولی۔

"کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں رومی! جو ایک دوسرے سے کہے بنا سب کچھ جان لیتے ہیں"۔ سگنل پر گاڑی رُک گئی تھی۔

"وہ اشمل ولید نہیں ہیں جو میرے دل کا حال جان لیں، ان کی زندگی میں اپنے مسائل ہیں، وہ تہجد گزار ہیں، ساری ساری راتیں وہ عبادت میں گزار دیتے ہیں، ان کے پاس اتنا فضول وقت نہیں ہے کہ وہ کسی کی ہسٹری جانتے پھریں"۔

"یعنی میں بہت فالتو ہوں؟" وہ بہت دکھی سے لہجے میں بولا۔

"اب تمہیں اتنا سیریس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ دیکھو"۔ اس نے اپنا بڑا سا بیگ اُٹھا کر لپ اسٹک کو اپنے ہونٹوں پر لگایا، ہلکا ہلکا بلش آن کا ٹچ کر کے اس نے آئینے میں دیکھا، کاجل بھری براؤن آنکھیں، پنک آنچل سے سر کو ڈھانپے ہوئے وہ مسکرا کر بولی۔

"دیکھو اشمل! میں تایا ابو کے سامنے ایسے جاتی ہوں"۔

"واؤ....! یہی روپ تو تمہارا چغلی کھاتا ہے، جب تم تیار ہو کر پاپ کے سامنے آتی ہو اور میں تمہیں دیکھتا ہوں، ہاہا ہا...!" اس نے زور کا قہقہہ لگا کر اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا تھا۔

"شٹ اپ اشمل! تم کوئی بات تو دل میں رکھ لیا کرو"۔ وہ روٹھے پن سے بولی۔

"اس کا مطلب ہے میں سچ بول رہا ہوں"۔ اس کا پھر ایک قہقہہ بلند ہوا۔

"اس وقت بہت دکھی دل ہو تم، جیسے کسی نے دل توڑ دیا ہو"۔ وہ بولی تو وہ بولا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو"۔

"کیا ہوا اشمل! تم ٹھیک تو ہو؟"

"شاید نہیں، بوجھ کر جانو"۔

"تمہیں تایا ابو پر بہت رحم آیا ہے ناں کہ وہ بے چارے اتنی صبح جائے نماز پر بیٹھے ہوئے نظر آئے، تم نے ایسا ماحول دیکھا نہیں ہے شاید اس لئے، غربت طعنہ نہیں ہے"۔

"شٹ اپ! تمہاری کیمسٹری فیل ہو گئی"۔

"تو پھر کیا کریں اس محبت کا، جس پر ان کا اختیار نہ ہو، آئی ایم رائٹ؟" رومی نے اُسے غور سے دیکھا۔

"کچھ تو ہے اشمل! تمہارے آنے والے موڈ اور جانے والے موڈ میں بہت فرق ہے"۔

"کچھ نہیں، مجھے نیند آ رہی ہے، میں گھر جا کر سو جانا چاہتا ہوں"۔ وہ منہ پھیر کر بولا۔

"اور یہاں دن نکل رہا ہے، یہی فرق نمایاں ہے ناں، تمہاری اور ان کی تہذیب میں؟"

"پلیز رومی! میں تم سے اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتا"۔

"ہمت ہار رہے ہیں ناں، مجھے معلوم ہے تایا ابو کی محبت تمہارے دل پر اثر کر گئی ہے، بھئی، بندہ اسی طرح سے اپنے رب سے محبت کرتا ہے"۔ وہ محبت و عقیدت سے بولی۔

"محبت کا عنصر تو ہمارے دل کے بھی کسی گوشے میں ہے، لیکن یوں آنکھیں نہیں بھیگتیں"۔ وہ حسرت سے بولا۔

"کوئی خاص ہوتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں"۔ وہ پُریقین ہو کر بولی۔

"یُو آر رائٹ"۔ اس نے رُخ پھیر کر اس کی جانب دیکھا۔

"رات میں بہت دیر سے سوئی تھی، اس لیے وہ اچانک دیکھ کر کچھ بول گئے ہوں گے"۔

"جی نہیں، ان کو تو خبر بھی نہیں تھی کہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہیں"۔

"تو چلو تمہیں خبر ہو گئی"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شاید....." وہ بہت گہری نظروں سے بولا۔
"کیا ہوا اشمل! تم کچھ زیادہ سیریس نہیں ہو گئے، تم اپنا موڈ ٹھیک کرو، مام دیکھ لیں گی"۔
"مام سو رہی ہوں گی"۔ وہ اطمینان سے بولا۔
"تو پاپ دیکھ لیں گے"۔ وہ شرارت سے بولی۔
"پاپ اس وقت..... وہ بریک فاسٹ لے کر آفس کی تیاری کر لیں گے اور فائزہ آنٹی آفس پہنچ چکی ہوں گی، یُو نو 7:30"
"تو پھر ہم کہیں بریک فاسٹ کر لیتے ہیں"۔
"میرا موڈ نہیں ہے"۔
"محبت کی جب ایک کاری ضرب لگ جائے تو دل بدل جاتا ہے اشمل! مجھے معلوم ہے کہ تم اس ماحول میں کبھی نہیں آئے، غریبوں کے قانون الگ ہوتے ہیں اور امیروں کے الگ"۔
"لیکن محبت الگ نہیں ہوتی"۔
"پتہ نہیں اب تم کس محبت کی بات کر رہے ہو"۔
"اب اتنی انجان بھی نہ بنو"۔ وہ دکھی دکھی سے لہجے میں بولا تو وہ ہنس پڑی۔
"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ماموں میرا انتظار کر رہے ہیں، آئی شیور"۔ اس نے اپنا موبائل آن کیا۔
"7:30 پر ان کی لاسٹ کال تھی"۔ وہ دھیمے سے مسکرائی۔
"اشمل! تمہارا موڈ اتنا دکھی کیوں ہو رہا ہے؟" وہ استفہامیہ انداز میں بولی۔
"کیوں کیا میرے چہرے پر لکھا ہے؟" وہ شرارت سے بولا۔
"ہاں ناں.....!" اس کے مسکرانے سے دانت نظر آ رہے تھے۔
"کچھ نہیں، مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہے"۔ وہ اپنا رُخ پھیر گیا۔
"چلو جو کچھ ہو گیا ہے ناں اس کو سنبھال کر رکھنا"۔
"دل و دماغ میں بہت فرق ہے، دماغ انکار کر رہا ہے، اور دل مجبور کر رہا ہے، دونوں میں جنگ ہے"۔
"چلو دیکھتے ہیں کون ہارتا ہے، میرا خیال ہے اشمل.....!" اس نے اپنے نام پر پلٹ کر دیکھا تو رومی کی ہمت جواب دے گئی کہ وہ آگے کچھ کہہ سکتی۔
"او کے بابا! او کے، تمہارے دل کی جیت پر میں دماغ کو فوقیت دے دوں گی، ڈونٹ وری"۔
"یہ حق میں تمہیں کبھی نہیں دوں گا، نہ دل کا نہ دماغ کا"۔
"ظاہر ہے یہ دونوں تمہارے اپنے ہیں، مگر نہ میرا دماغ تمہارے پاس ہے اور نہ ہی دل تمہارے پاس ہے اور اگر آ گئے ناں تو اشمل، اشمل نہ رہے گا"۔
"اوہو..... تمہیں اتنا بڑا گمان ہے"۔
"گمان نہیں، یہ حقیقت ہے، میں جس چیز کو چاہوں بھلا دوں، یہ میرا مقدر ہے، میں پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھتی، کچھ فیصلے اللہ پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں"۔ اس کے لہجے میں ایک یقین سا تھا۔
"جیسے تم نے آنکھیں بند کر لیں"۔ وہ طنزیہ بولا۔
"ہاں جیسے تم نے گویائی کھو دی تھی"۔ وہ بھی پلٹ کر بولی۔

"تو پھر کاٹو زندگی کا یہ سفر آنکھ بند کر کے"۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔
"میں اس سفر کی عادی ہوں آزما دیکھو"۔ وہ اطمینان سے بولی۔
"مجھے کسی کو آزمانے کی ضرورت نہیں، اور میں یہ سفر آنکھ کھول کر طے کرنا چاہتا ہوں، اندھیرے میں نہیں، کسی کی انگلی تھام کر نہیں، بے بسی سے نہیں"۔ وہ دکھی سا بولا۔
"ظاہر ہے تم مرد ہو، تمہیں یہ اختیار حاصل ہے، ہم سے یہ اختیار لے لیا گیا ہے، ایک عورت ہونے کے ناطے، خیر! تم چلو چھوڑو، گھر بھی آ گیا، میں ماموں کے ساتھ ناشتہ کروں گی، تم چاہو تو تم بھی آ جاؤ"۔
"نہیں، میں سیدھے روم میں جا رہا ہوں، ورنہ وہ مجھے پکڑ کر بیٹھ جائیں گے، میں نے کہاں پر لاسٹ کیا، کہاں گئے، کتنا خرچ کیا، روی 3 دن سے گھر پر کیوں نہیں ہے"۔ وہ تیوری پر بل ڈال گیا۔
"تو تم انہیں اونٹلی جواب دو"۔ وہ اُسے زچ کر رہی تھی۔
"تو میں پرسنل لائف کا جواب دوں، کبھی انہوں نے سوچا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟" ارج کا دھیان آتے ہی وہ ایک پل میں پٹڑی سے اُتر گیا تھا۔
"اشمل، اشمل! پلیز ایک بار..... صرف ایک بار اپنی بات تو کلیئر کر کے دیکھو، وہ باپ ہیں تمہارے، وہ خود تمہاری زندگی میں آسانیاں کر دیں گے"۔
"روی پلیز! جتنا میں انہیں جانتا ہوں، اتنا تم انہیں نہیں جانتیں"۔
"جاننے کے لیے صدیوں کی ضرورت تو نہیں پڑتی، یہ تم بھی جانتے ہو"۔ وہ گاڑی سے اُترتے ہوئے بولی تو وہ اپنا بڑا سا بیگ چھوڑ کر گاڑی سے باہر آ گئی تھی۔
"اور یہ بیگ....." اشمل نے پوچھا۔
"تم اُٹھا کر پیچھے پیچھے چلو تا کہ ماموں پر میں رعب دکھا سکوں کہ دیکھیں ہم نے کیسے کنٹرول کر لیا ہے ان کے کروڑ پتی بیٹے کو، اشمل! کسی کو دو پل کی خوشی دینے میں کیا جاتا ہے؟"
"میں جھوٹ نہیں بول سکتا"۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"اچھا اچھا، پھر بھی زحمت کر کے اسے اُٹھائیے اور چلیئے، گاڑی ڈرائیور پارک کر لے گا اور بیگ آپ اُٹھا کر چلیئے اشمل صاحب!" وہ ہنستے جا رہی تھی۔
"دیکھو اشمل! میری آنکھوں میں کوئی دکھ، کوئی ملال ہے، تم نہیں جانتے کل تایا ابو کے گھر میں قیامت کی رات تھی، شادی کی نہیں، نہ میں سوئی نہ تایا ابو، نہ تائی اماں اور ایشل سو سکے۔ دادی کو ہم نے نیند کی ٹیبلٹ دے کر سُلا دیا تھا"۔ اشمل نے غور سے رومی کو دیکھا، تو وہ ولید ہاؤس کے گیٹ پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

حماد کب آئے کب گئے یہ پل کوئی نہ جان سکا، صرف جلوہ بی بی کے دل سے کوئی پوچھتا کہ بالش اور انگلیوں کی پوروں پر حماد کے کُرتے کی ناپ لکھی تھی، لمحوں کا حساب انہوں نے اپنے ماہ و سال کو دل پر اُتار رکھا تھا، کیلنڈر کی انہیں ضرورت بھی نہ تھی۔
پھر اچانک ایک اور تبدیلی آئی، انعم ماسٹرز کرنے کے لیے حماد کے پاس چلی گئی۔ اماں کیسے بلک بلک کر روئیں تھیں، آخری اولاد کے بچھڑ جانے کا دکھ، وہ کمرے کی تنہائی، سناٹا، چھوٹی شنو جو خالہ زاد تھیں، شاید وہ اماں کا دکھ بانٹنے کے لئے ان کے نصیب کا حصہ بن گئیں، انعم کے جانے کے بعد ماہم اماں سے ملنے جلدی جلدی جانے لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچ گئی تھی۔
''ارے ماہم! تم اور اس وقت....'' وہ بھری دوپہر میں اچانک
''ہاں اماں! میرا دل گھبرا رہا تھا کہ آپ اکیلی ہوں گی اس لیے میں آ گئی''۔ نورانی بہشتی چہرے پر جو پانی سے بھیگ رہا
تھا وہ سفید ڈھگ ساڑھی سے اپنا چہرہ رگڑ رگڑ کر پونچھ رہی تھیں، شفاف چہرے پر وہ اپنی آنکھوں کا رنگ نہ چھپا سکیں، گلابی
آنکھوں کے رنگ کو ماہم بھی نظرانداز کر گئی۔
''آؤ بیٹھو''۔ وہ بیڈ پر اُٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔
''پردے کھولو، اندھیرا ہو رہا ہے، جاؤ دیکھو ہم نے بہت عمدہ آلو بینگن سویا ڈلوا کر بنوائے ہیں، تھوڑا سا چکھ کے تو دیکھو''۔
''اماں! میں کھانا کھا کر آئی ہوں''۔
''ارے ایسے ہی.... چمچے سے تھوڑا سا کھا کر دیکھ لو''۔ اماں کی محبت کا انداز ہی الگ تھا، ماہم کو یوں لگا جیسے دل کے اندر
کہیں ایک برسات سسک رہی ہے، وہ بہت تیزی سے یوں پلٹ کر کچن میں آئی جیسے برسوں کی بھوکی ہو، جونہی اس نے ہنڈیا
کا ڈھکن کھولا تو زوبیہ بھابی فوراً کچن میں آ گئی تھیں اور انہوں نے جلدی سے دیگچی کو تھام لیا تھا۔
''ابھی عذیر نے کھانا نہیں کھایا''۔
''اچھا....'' ماہم بھی بڑی پکی چیز تھی، اس نے چمچہ اُٹھا کر جلدی سے سبزی پلیٹ میں ڈالی اور چمچہ رکھ کر بولی۔
''چلو.... لو اب تم دے دینا عذیر بھائی کو''۔ وہ ہنستی ہوئی پلیٹ تھامے اماں کے کمرے میں پلٹ آئی تھی۔
''کیا کہہ رہی تھی تم سے یہ؟''
''یہی کہ عذیر بھائی نے ابھی کھانا نہیں کھایا''۔
''اُف توبہ.... میں نے ہی تو سبزی خریدی اور کاٹ کر دی، پتہ نہیں یہ کیسی ہے''۔ وہ خفگی سے بولیں۔
''چھوڑیں اماں! مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں جانتی ہوں اس گھر کی حقیقت کو۔ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں؟ ان کے
اندر اور بھی تو اتنی اچھائیاں ہیں، آپ وہ بھی تو دیکھیں''۔ ماہم نہیں چاہتی تھی کہ وہ پل دو پل کے لیے آئے اور بھابی کے
خلاف ان کو بھڑکا کر چلی جائے۔

☆..........☆..........☆

وہ بے حد اُداس اُداس اور تھکے تھکے انداز میں بول کر اپنا بیگ چیک کر رہی تھی، اماں کی جانب دیکھا کمرے میں گہرا سناٹا
تھا، انعم کے جانے سے اماں تنہا رہ گئی تھیں، وہ دکھ، وہ احساس جو اماں کے چہرے پر تھا ہر کوئی مجھے چھوڑ کر جا رہا ہے، مجبوریاں
ایسے موقعوں پر قدم نہیں تھامتیں، ماہم نے جب بڑا سا بیگ اُٹھا کر کندھے پر ڈالا، پھر پلٹ کر دیکھا تو اماں کی آنکھوں میں
نجانے کتنی صدیوں کی مسافت تھی کہ اس کے قدم تھم رہے تھے، باہر سے ہارن کی آوازیں آ رہی تھیں، اماں اپنی ساڑھی کی
فال ٹھیک کرتی ہوئیں جلدی سے کمرے سے نکل آئی تھیں۔
''تم کہیں سے پتہ تو کرو حماد، کہ گھر میں انعم کیسے رہ رہی ہے؟ تم خود بھی تو ایک چکر لگا سکتی ہو، تمہارے لیے کیا مشکل
ہے''۔ اماں نے بڑی گہری نظروں سے ماہم کی طرف دیکھا تھا، دل میں نجانے کتنی ٹیسیں اُٹھی تھیں، پر وہ ہنس کر کہہ رہی
تھی۔
''ابھی تھوڑے ہی دن تو ہوئے ہیں انعم کو گئے ہوئے، وہ اپنے ایڈمیشن کے چکر میں مصروف ہوگی''۔
''پھر بھی کیا کرتی ہوگی، کیسے رہتی ہوگی؟ اُسے تو کچھ کرنا ہی نہیں آتا، میں یہ بات جانتی ہوں عصمت اُسے کبھی رہنے
نہیں دے گی''۔
''ارے بیٹا! تمہیں کیا بتائیں، چھوڑو تم''۔ ساڑھی کے پلو سے انہوں نے اپنا چہرہ پونچھ لیا تھا، لیکن وہ آنکھوں کی نمی کو نہ

چھپا سکیں، دل کا بھید دل رکھنے والے جانتے ہیں، آنکھوں کی نمی سمندر کی گہرائی ہوتی ہے، جس میں ماہم پور پور اُتر چکی تھی، ہر
ایک لمحہ مرنا، ایک ایک قطرہ جب گرتا ہے تو دکھوں کے گہرے سمندر بنتے ہیں، آج بھی اسے اس سمندر کے بھنور میں کئی چہرے
نظر آئے تھے۔ سب سے گہرا چہرہ شانزے کا تھا، پتہ نہیں کہاں سے سنہرے بالوں والی شانزے کے روپ میں شفو آ کھڑی
ہوئی تھی۔
''تم جا رہی ہو، اماں کو چھوڑ کر؟''
''تو تم نے کون سا وفا نبھائی ہے اماں کے ساتھ؟ پہلے ساتھ تم نے چھوڑا، میں بہت بزدل تھی، شانزے! دنیا چھوڑنے کی
بات تو میں نے کی تھی، وہ تمہارے دماغ میں سما گئی''۔
''اچھا اماں! اللہ حافظ!'' اماں گیٹ تھامے کھڑی تھیں اور آنکھوں کے پٹ میں جھانکتی ہوئی شانزے کی آنکھیں تھیں،
ان گلیوں میں اس کے قدموں کی چاپ تھی، ایک عہد تھا، بچپن کا ساتھ تھا، جو دور تک بکھرا پڑا تھا، جس کو سمیٹتے سمیٹتے ماہم کی
انگلیاں ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں، آنکھوں میں بھی گہرا اندھیرا تھا، اماں گیٹ کے باہر آ گئی تھیں، بظاہر وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں،
لیکن ان کی نظروں میں ماہم کا چہرہ سما رہا تھا، یہی محبتوں کی بشارتیں ہیں، یہی اُلوہی محبت تھی جو دلوں سے دور نہیں ہوتی۔

☆..........☆..........☆

''اور تمہارا نیا پروجیکٹ اب کیا ہے؟'' اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ بولی۔
''کون سا پروجیکٹ؟'' اس نے موبائل میں گیم کھیلتے ہوئے نظریں اُٹھا کر رومی کو دیکھا۔
''وہی جو تمہارا ہاٹ ایشو ہے''۔ اس کے لہجے میں کچھ تو تھا۔
''کون سا ہاٹ ایشو؟'' وہ واقعی کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔
''جس پروجیکٹ پر مامی کام کر رہی ہیں''۔ وہ چونک گیا۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ حیرانی سے بولا۔
''رومی والے پروجیکٹ پر...... میں ایک نیا پروجیکٹ ہوں، ولید ہاؤس میں، میں ایک ہاٹ ایشو ہوں''۔
''فضول کی باتیں مت کرو''۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔
''اچھا میں فضول کی باتیں کر رہی ہوں؟'' رومی نے غصے سے کہا۔
''آف کورس''۔ وہ اطمینان سے بولا۔
''یہ فضول کی بات نہیں ہے، کل رات میں نے تمہاری مام کے میسجز پڑھے تھے''۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔
''سو واٹ..... تمہیں اس سے کیا؟''
''میں جاننا چاہتی ہوں کہ ہم کس فلائٹ سے باہر جا رہے ہیں؟'' وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔
''اوہ نو..... رومی! فار گاڈ سیک، مت کرو ایسی باتیں، میں نے خود مام سے بات کی ہے کہ رومی راضی نہیں ہے''۔
''ٹھیک ہے میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ جو بھی فیصلہ ہو تم مجھے انوالو کرو، اور جلد از جلد فیصلہ کرو، میں بھی اذیت سے گزر
رہی ہوں''۔ وہ دکھ سے بولی۔
''فی الحال میڈم! دادی نے مجھ سے کہا ہے کہ شام میں آپ ارسلان کے ولیمے میں جا رہی ہیں، موصوف! آپ کا بے
چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے''۔
''جسٹ شٹ اپ، تم ارسلان سے جیلس ہوتے ہو''۔ وہ غصے سے بولی۔
''میں ارسلان سے جیلس ہوتا ہوں؟'' وہ طنزیہ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آف کورس، تمہاری باتوں سے مجھے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تم اُسے پسند نہیں کرتے، کیوں؟'' وہ اُسے چڑا رہی تھی۔

''جی نہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہے''۔ وہ آہستگی سے بولا۔

''یقیناً میری ذات کے حوالے سے تم نے اُسے مجھ سے اٹیچ کر دیا ہے، وہ بہت سیدھے سادھے اور شریف انسان ہیں''۔ وہ دھیرے سے بولی۔

''جبھی وہ تمہاری تائی اماں کا ہاتھ نہیں روک سکا، بزدل کہیں کا، چوہا ہے وہ، میں تو اُسے بچپن سے جانتا ہوں''۔

''آپ تو جیسے شیر ہیں ناں، آپ نے تو روک لیا مامی کو، آپ خود کتنے بڑے بزنس مین ہیں، گولڈ کی طرح مجھے خرید کر مارکیٹ میں گیش کروا رہے ہیں آپ لوگ، کتنے ڈالر آپ لیں گے ولید ماموں سے؟'' اشمل یہ بات سن کر کھول اُٹھا تھا۔

''دیکھو رومی! تم لمٹ کراس کر رہی ہو''۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔

''اشمل! میں تمہیں اور تمہاری مام کو جانتی ہوں، سو کالٹ، ارج اور رومی کے درمیان بارگیننگ کر رہے ہو تم لوگ''۔ اس کے لہجے میں ایک سچائی تھی۔

''آئی سیڈ شٹ اپ، میں کہیں نہیں جا رہا، میں نے مام کو انکار کر دیا ہے''۔ وہ غصے سے بولا۔

''جی اس لیے کہ آپ کا پاسپورٹ ولید ماموں کے بریف کیس میں ہے اور اس کا نمبر تم نہیں جانتے، بائی داوے، میں بتا دوں وہ نمبر؟ میں جانتی ہوں اور تمہاری مام کو بھی یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ وہ ناکام ہو چکی ہیں''۔ وہ طنزیہ بولی۔

''بٹ بائی داوے، میں ایمبیسی سے رابطہ کر سکتا ہوں، میں نیشنل ہوں، میں امریکن سٹی زن ہوں، لیکن میں ایسا نہیں چاہتا، مام نے مجھ سے کئی بار کہا ہے، مگر اس سے پاپ زیادہ ہرٹ ہوں گے، میں پاکٹ مار نہیں ہوں''۔ اس نے اُسے تنبیہہ کی۔

''اچھا تم یہ کہہ رہے ہو، تم نے کبھی سوچا کہ ایک لڑکی کو داؤ پر لگا کر تم اپنی محبت ارج کو حاصل کرنا چاہتے ہو، ویٹ از ناٹ فیئر، اپنی مجبوری کو میری بیس بنا رہے ہو''۔ اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔

''رومی! ون منٹ، تم جو چاہ رہی ہو، بولے چلی جا رہی ہو''۔ اس نے وارن کیا۔

''تکلیف ہو رہی ہے سن کر کہ تم ناکام ہو چکے ہو؟'' وہ اس بار کچھ غصے سے بولی۔

''جی نہیں، مام نے جو کچھ کہا ہے وہ سن کر تم برداشت بھی نہیں کر سکو گی، فینٹی پرسنٹ مجھے لگتا ہے کہ وہ سب سچ ہے''۔ اس بار اس کا لہجہ پُرسوچ تھا۔

''لیکن وہ کیا بات ہے، مجھے بھی تو پتہ چلے؟'' اس نے پُرزور لہجے میں پوچھا۔

''اس کی حقیقت جس دن سامنے آئے گی اس دن میں خود تمہیں دور کر دوں گا، ولید ہاؤس میں، میں تمہیں تماشہ بننے نہیں دوں گا، تم جہاں سے آئی ہو، وہاں واپس جاؤ گی، میں نے مام سے وعدہ کیا ہے''۔ وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

''کیسا وعدہ، کون سا وعدہ؟'' وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

''یہ تم کبھی نہیں جان سکو گی، میں اتنا گرا ہوا بھی نہیں ہوں کہ تم اپنی لمٹ کراس کر لو اور میں سب کچھ دیکھتا رہوں''۔ وہ غصے سے اُٹھا تو وہ اس کے پیچھے لپکی تھی کہ۔

''میری بات سنو، میری بات سنو''۔ مگر وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہا تھا اور اس سے تیز اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قمروش شہک

آخری قسط۔

مکمل ناول

دلوں کے ملن

''نہیں، نہیں، مجھے انابیہ بہت پسند آئی ہے، میں اُسے اب کہیں نہیں جانے دوں گی، بڑی مشکل سے چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہوئی ہو، تیری شادی تو ہوئی، انابیہ اب میرے پاس ہی رہے گی، فاروق سے میں خود بات

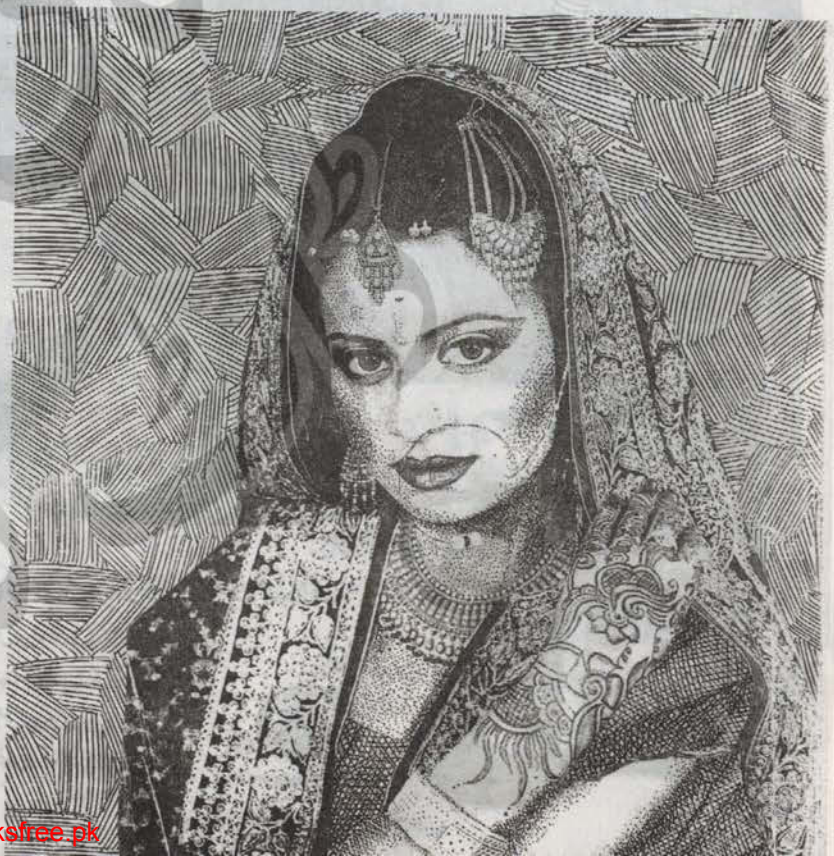

کرلوں گی، تُو مجھے ان کے پاس لے کر چل، بلکہ ابھی لے کر چل''۔

''ارے، ارے بی جان! آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جما رہی ہیں، اس لیے تو میں آپ سے چھپا رہا تھا''۔

''مگر میں بھی تیری ماں ہوں، تیرے ایک ایک رنگ سے واقف ہوں، نو ماہ تجھے اپنی کوکھ میں رکھا ہے، اور چلا ہے مجھ سے ہر بات چھپانے''۔ وہ اُسے گھور کر رہ گئیں۔

''بی جان! آپ سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر آپ مجھے جانتی تو ہیں، میری عادت واطوار سنجیدہ مزاج ہے میرا، اور انابیہ ایک امیچور سی لڑکی ہے''۔

''ہیں.... وہ کیا ہوتا ہے بھلا؟''

''ناسمجھ''۔ انابیہ کی بچوں والی ضدیں یاد آ گئیں اُسے۔

''ارے، تو کیا ہوا؟ مانا وہ تم سے بہت چھوٹی ہے، مگر دیکھ لینا دو، تین بچے ہوں گے تو بالکل ٹھیک ہو جائے گی، ساری سمجھ آ جائے گی اُسے''۔

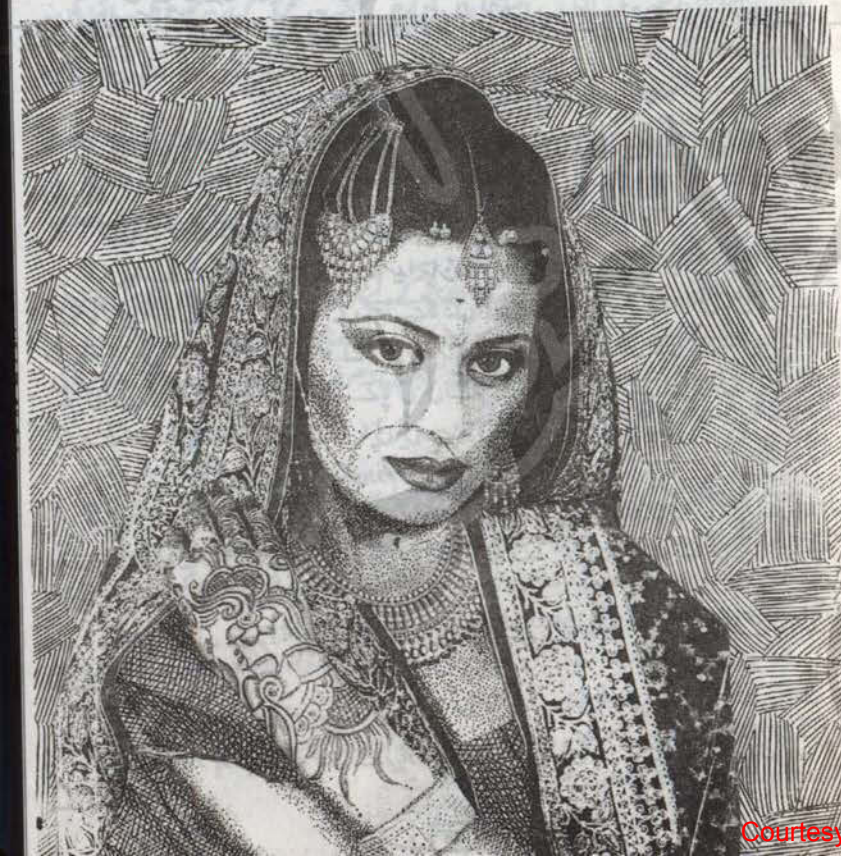

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بی جان! آپ بھی ناں"۔ وہ بُری طرح جھینپ کر رہ گیا۔

"بس اب میں کچھ نہیں سنوں گی، بلکہ آج ہی پورے گاؤں میں مٹھائی کے ٹوکرے بٹواؤں گی، ابھی رحیم یار کو گاؤں بھیجتی ہوں"۔ وہ تو خوشی سے پاگل ہی ہوئی جارہی تھیں، تو سید ابتہاج عالم نے جلدی سے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"بی جان! کیا کررہی ہیں آپ، اگر اس طرح کریں گی تو سرمد اصفہانی کو سب خبر ہو جائے گی"۔

"ارے ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا ابتہاج پتر! اس سرمد شیطان سے کب جان چھٹے گی؟" ان کی رنگت بدل گئی تھی، سرمد اصفہانی کے لیے نفرت سی بھرنے لگی ان کے لب و لہجے میں۔

"بہت جلد، اس کو تو ایسے جہنم رسید کروں گا کہ ہزار بار بھی سوچے گا تو کسی کو دھوکا دینے کی جرأت نہیں کرے گا"۔ ان بڑی بڑی آنکھوں میں غصے کے، نفرت کے سرخ ڈورے نمایاں ہونے لگے تھے۔

"خیر! آپ یہ سب چھوڑیں، یہ سب میرے سوچنے اور کرنے کے کام ہیں، آپ انابیہ کو دیکھ لیں، اُسے بہت تیز بخار ہے، اور اوپر سے وہ کچھ کھا پی بھی نہیں رہی ہے"۔

"تو اس میں بھی تیری غلطی ہے، اگر پہلے دن ہی بتا دیتا، تو بچی اتنی بیمار نہ ہوتی، اب دیکھنا میں اُسے ایک دن میں کیسے ٹھیک کرتی ہوں؟" انابیہ کا خیال آتے ہی وہ کھڑی ہوئیں۔ ان کے جانے کے بعد سید ابتہاج عالم نے اسپتال فون کیا تھا، فاروق خان کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی۔

☆.....☆.....☆

"کچھ پتا چلا؟" سرمد اصفہانی آفس میں بیٹھا تھا، اس نے ہر جگہ پتا کروالیا تھا، مگر کچھ پتا نہیں چل رہا تھا دونوں کا۔

"نہیں سر! مگر مجھے لگتا ہے اس میں سید ابتہاج عالم انوالو ہیں"۔

"ہاں، اب تو مجھے بھی شک ہوتا جارہا ہے، سید ابتہاج عالم پر، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس کو معمولی سا بھی شک ہوا کہ ہم اس پر نظر رکھے ہوئے ہیں تو وہ ہمیں چھوڑے گا نہیں، وہ تو اُڑتی چڑیا کے پر گننے والوں میں سے ہے، اگر انابیہ اور فاروق اس کے قبضے میں بھی ہوئے تو ہم چاہ کر بھی دونوں کو وہاں سے نہیں نکال سکتے، لیکن سرمد اصفہانی نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں، میرے پاس بھی اتنے پکے کاغذات ہیں کہ کوئی مائی کا لال بھی انہیں پہچان نہیں سکے گا، فاروق کو 200 کروڑ کے عوض اپنی بیٹی سے میری شادی کرنی پڑے گی"۔

"مگر سر! یہ تو تبھی ممکن ہو سکے گا جب ان دونوں کا کچھ پتہ چلے"۔

"ہاں، تم ایک بار پھر پورے کراچی کی تلاشی کراؤ، وہ کہاں جاسکتے ہیں؟ ان دونوں کی اس کراچی شہر میں کوئی تو جائے پناہ ہوگی، کیونکہ کراچی سے باہر تو وہ گئے نہیں ہیں، ریلوے اسٹیشن، ایئرپورٹ سے بھی پتا کرالیا ہے؟ وہ یہیں کراچی میں ہیں، ایک بار پھر ڈھونڈو"۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے سر! ہم پورا کراچی ایک بار پھر دیکھ لیں گے، سوائے سید ابتہاج عالم کے "وائٹ محل" کے"۔

"تو پھر کیا کریں، اپنا بندہ بھیجیں کوئی؟"

"وہاں کے ملازم تو وہاں کے کتوں سے زیادہ وفادار ہیں، اپنی جان تو دے سکتے ہیں، مگر زبان نہیں کھولیں گے"۔

"تو پھر ہمیں اندھیرے میں تیر چلانا پڑے گا"۔

"مطلب سر؟"

"ٹرن.....ٹرن"۔ فون کی گھنٹی بجی تو سرمد اصفہانی نے ریسیو کیا۔

"سر! سید ابتہاج عالم آئے ہیں"۔ سرمد اصفہانی چند پل کے لیے چُپ ہو کر رہ گیا، صرف چند پل کے لیے رنگت بدل گئی تھی، جانے کیوں دل میں ڈر و خوف نے سر اُٹھایا تھا، شاید دل میں چور تھا، سامنے بیٹھا منیجر بھی سرمد اصفہانی کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"سر! آر یو آل رائٹ؟" منیجر فکرمندی سے بولا۔ سرمد اصفہانی نے چونک کر پہلے منیجر کو دیکھا، پھر سیکریٹری سے کہا۔

"تم انہیں اندر بھیج دو"۔

"سید ابتہاج عالم آیا ہے، چلو اندھیرے میں تیر چلانے کا وقت آ گیا ہے"۔ اس نے جلدی سے خود پر کنٹرول کرلیا تھا، آج آمنا سامنا ہو گیا تھا۔ دروازہ کھولے سید ابتہاج عالم مضبوط قدموں سے چلتا ہوا چیئر پر بالکل سرمد اصفہانی کے سامنے بیٹھا تھا، گرے کلف لگے کاٹن کے شلوار قمیض پر براؤن بھاری شال چوڑے کندھے پر ڈالے وہ سرمد اصفہانی کو بغور دیکھ رہا تھا، سرمد اصفہانی اس کی بارعب شخصیت کے آگے بہت چھوٹا لگ رہا تھا، مگر وہ پھر بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"اور سناؤ، سرمد اصفہانی! کیا حال ہیں؟ سنا ہے اب کی بار بہت اونچا اُڑ رہے ہو؟"

"میری چھوڑو، میں تو جو کر رہا ہوں سب کے سامنے کر رہا ہوں، مگر تم نے تو بازی ہی مار لی، لیکن اگر تم سوچ رہے ہو کہ تم جیت جاؤ گے تو میں ایسا ہونے نہیں دوں گا، بہتری اسی میں ہے کہ ان دونوں کو میرے حوالے کردو"۔ اس نے سوچا کہ سید ابتہاج عالم کے چہرے کی رنگت بدل جائے گی، مگر وہ تو اسی اعتماد سے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا، جیسے اس کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"اگر تم نے اندھیرے میں تیر چلایا ہے تو تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ تمہارا تیر رائیگاں نہیں گیا، فاروق خان اور انابیہ میرے ہی پاس ہیں اور یہ جو تم نے دو سو کروڑ کا فراڈ کیا ہے ناں، بہتری اسی میں ہے کہ شرافت کے دائرے میں آ کر سب کلیئر کردو، ورنہ تمہیں دھوکا دہی کے الزام میں نہ صرف سلاخوں کے پیچھے رہنا پڑے گا ساری زندگی، بلکہ ڈبل قیمت بھی ادا کرنا ہوگی فاروق خان کو"۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میں دھمکیوں جیسی چھوٹی حرکتیں نہیں کرتا ہوں، سیدھا عمل پر یقین کرتا ہوں اور ابھی تمہیں صرف سمجھانے آیا ہوں، آرام سے سمجھ جاؤ تو ٹھیک، ورنہ پھر تم نہیں چاہو گے کہ میں کسی قسم کی کوئی زحمت کروں"۔ چند لمحے کے لیے سرمد اصفہانی نے سید ابتہاج عالم کو بغور دیکھا تھا، دل میں ایک ڈر نے سر اُٹھایا تھا، جس کا سرمد اصفہانی نے بڑی بے دردی سے سر کچل دیا تھا۔

"دیکھو سید ابتہاج عالم! یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے، تم اس معاملے سے دور رہو، اور میرے پاس ثبوت ہیں، وہ سارے کاغذات بھی ہیں جن پر فاروق خان کے دستخط ہیں"۔

"تمہارے ثبوتوں کو مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے؟ تم جیسے کرپٹ شخص کے لیے کوئی مشکل بات نہیں کہ وہ کہاں سے ثبوت اکٹھے کر سکتا ہے، اور کس طرح دستخط کروا سکتا ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر میں نے فاروق کے سامنے چوائس رکھی تھی"۔

"تمہاری چوائس تمہاری سوچ کی طرح گھٹیا ہے سرمد اصفہانی!"

"چلو میں نے صرف گھٹیا سوچ سوچی ہے، مگر تم نے تو اس پر عمل بھی کرلیا"۔ سرمد اصفہانی طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے انابیہ کی طرف اشارہ کرنے لگا، اور اس کا اشارہ تو وہ بہت اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"ہاں، سید ابتہاج عالم! اگر تم چاہو تو ہمارے بیچ ڈیل ہو سکتی ہے، اتنے دن انابیہ کو تم نے اپنے پاس رکھا ہے، اندازہ تو ہو گیا ہوگا وہ کس قدر حسین ہے، اس کا نوخیز حسن کسی بھی عابد و زاہد کے ہوش و حواس گم کر سکتا ہے، تم اور میں تو ایک عام سے انسان ہیں"۔ بہت کمینگی تھی اس کے چہرے پر۔

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے اپنے جیسے گھٹیا شخص کے ساتھ ملا کر گالی مت دو، میں تمہاری طرح نفس کا غلام نہیں ہوں، اپنے نفس کے گھوڑوں پر قابو کرنا آتا ہے، اور دوسری بات جس لڑکی کے بارے میں تم نے ابھی فضول گفتگو کی ہے، تو یہ آخری بار ہے، آئندہ اس کے بارے میں بولنا تو دُور، سوچنے کی غلطی بھی مت کرنا، کیونکہ انابیہ اب میرے نکاح میں ہے، میری عزت و آبرو ہے، اور یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے خاندان کی طرف میلی آنکھ اُٹھانے والوں کا ہم کیا حشر کرتے ہیں؟" یہ بازی تو سرمد اصفہانی ہار گیا تھا، انابیہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی، یہ سوچ کر ہی سرمد اصفہانی کو اپنی بے وقوفی، اپنے دیر ہو جانے پر جی بھر کے افسوس ہوا تھا، کاش! کہ وہ اُسی دن انابیہ کو اُٹھوا لیتا جس دن پہلی بار اُسے دیکھا تھا، سرمد اصفہانی کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں کا سید ابتہاج عالم نے بغور جائزہ لیا تھا، سرمد اصفہانی نے سید ابتہاج عالم کو دیکھا تھا، اس کی باتوں پر ایک لمحے کے لیے سہم بھی گیا تھا، مگر اپنی شیطانی سوچوں پر بند نہیں باندھ سکتا تھا۔

"پھر بھی بولتے ہو کہ تم نفس کے غلام نہیں ہو؟"

"میں نے کہا ناں کہ آئندہ اس ٹاپک پر بات مت کرنا، اینی ویز، یہاں میں تمہیں صرف سمجھانے کے مقصد سے آیا ہوں، تمہارے لیے بہتری اسی میں ہے کہ فاروق خان کے وہ دو سو کروڑ کے شیئرز انہیں واپس کر دو، ورنہ جن ثبوتوں کی تم بات کر رہے ہو اور کس طرح تم نے ہیر پھیر کی ہے، اور ان سب لوگوں کو بھی آدھے گھنٹے میں تمہارے ہی آفس میں، تمہارے سامنے، تمہارے خلاف کھڑا کر سکتا ہوں، مگر تھوڑی سی رعایت دے رہا ہوں"۔

"تم مجھے ڈرا رہے ہو سید ابتہاج عالم؟"

"تم جو بھی سمجھ لو"۔

"تو ٹھیک ہے، میں بھی دیکھتا ہوں انابیہ تو مجھ سے بچ گئی، مگر دو سو کروڑ ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا، فاروق خان کو وہ پیسے مجھے واپس کرنے ہوں گے"۔ سرمد اصفہانی غم و غصے کی شدت سے پاگل ہو رہا تھا، اس سے انابیہ کا ہاتھ سے نکل جانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"او کے سرمد اصفہانی! اب مجھے چلنا چاہیئے، مگر میں تمہیں دو دن کا ٹائم دے رہا ہوں، پھر اس کے بعد جو کارروائی کروں گا اس کا قصوروار یا ذمہ دار مجھے مت ٹھہرانا"۔ سید ابتہاج عالم اپنی چیئر سے کھڑا ہو گیا، سرمد اصفہانی اس کو صرف گھور کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

سید ابتہاج عالم کی بلیک پجارو "وائٹ محل" کے بڑے پورچ میں آ کر رُکی تھی، جہاں پہلے ہی سے ہر ماڈل کی سات، آٹھ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اللہ بخش فوراً آگے بڑھا تھا، گاڑی کا دروازہ کھولنے، رات کے دس بج رہے تھے،

وہ جیسے ہی اندر انٹر ہوا، نوری کسی چراغ کے جن کی طرح حاضر ہوئی۔

"سائیں! کھانا گرم کر کے ٹیبل پر لگا دوں؟"

"بی جان نے کھا لیا؟"

"جی سائیں! انابیہ بی بی کے ساتھ کھا لیا تھا"۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ"۔ وہ آگے بڑھا۔

"سائیں! کھانا.....؟"

"نہیں رہنے دو، مجھے بھوک نہیں ہے"۔ وہ بی جان کے بیڈ روم میں داخل ہوا، بی جان یقیناً سائیڈ روم میں ہوں گی، کیونکہ یہ وقت ان کی عشاء کی نماز و وظائف کا تھا، اس کی نظر سیدھی بی جان کے فُل سائز بیڈ پر پڑی جہاں وہ ہوشربا بے پناہ حسن کی مالک، نازک سی لڑکی سینے پر کمبل ڈالے بے خبر سو رہی تھی، جانے کیا سوچ کر وہ آگے بڑھا اور اس کے سائیڈ میں بیٹھ گیا، اور بغور اس کے چہرے کو تکتا چلا گیا تھا۔

"ابتہاج پُتر! تیری وہٹی (بیوی) بہت خوبصورت ہے، ایسا لگتا ہے جنت کے میوے کھا کے جوان ہوئی ہے"۔ بی جان کا جملہ اس کے کانوں میں گونجتا ہوا دل کے آر پار ہوا تھا۔

"وہ اس قدر حسین ہے، اس کا نوخیز حسن کسی بھی عابد و زاہد کے ہوش و حواس گم کر سکتا ہے، اور میں تو ایک عام سا معمولی انسان ہوں"۔ سرمد اصفہانی کا یہ جملہ اس کے اطراف زور و شور سے گونجا تھا۔

یہ وہ چہرہ تھا جسے نا چاہتے ہوئے بھی سید ابتہاج عالم سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا، جو بڑے دھڑلے سے پورے طمطراق کے ساتھ اس کے دل کی مسند پر براجمان ہو گیا تھا، بڑی بڑی آنکھیں جن میں اس نے ہمہ وقت ایک ڈرو خوف ہلکورے لیتے دیکھا تھا، یا پھر ایک سمندر موجزن ہوتے دیکھا تھا، وہ قدرت کا کوئی کرشمہ ہی تو تھی، جسے دیکھ کر خدا کی قدرت کی بیساختہ تعریف دل سے ادا ہو، یقیناً جب وہ بہت فرصت میں ہو گا تب یہ حسین شاہکار تیار کیا ہو گا، مگر بعض اوقات حسن بھی کتنا مہنگا پڑ جاتا ہے، انابیہ اپنے بے پناہ حسن سے انجان ہی تو تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا کیا قیامتیں ٹوٹی ہیں اس کے بابا پر، خود اس کے اس بے پناہ حسن کی وجہ سے، اور اس کے حسن کی یہ خامی تھی یا خوبی کہ وہ حد درجہ سادہ اور معصوم تھی، جس نے سرمد اصفہانی جیسے رنگین مزاج انسان کو اٹریکٹ کیا، اُسے پانے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔

"مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، انابیہ اور فاروق خان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔ سید ابتہاج عالم کو ایسا لگا جیسے وہ سانس نہیں لے رہی ہو، اس کا وجود بالکل ساکت و جامد ہو گیا ہو، شاید یہ اس کا گمان تھا، وہ اس کو محسوس کرنے کے لیے تھوڑا سا اس کے چہرے کے قریب جھکا تھا، اس کی سانسیں محسوس کرنے کے لیے اپنا گال اس کے چہرے کے نزدیک کر لیا، کیا احساس تھا، کیسی گرمی سی تھی جو پوری شدت سے محسوس ہوئی تھی کہ اسی پل وہ ہرنی آنکھیں وا ہوئی تھیں، اس کی سمجھ سے بالاتر تھا یہ سب کچھ، وہ ایک جھٹکے سے جو اُٹھی تو اس کے شنگرفی لب جھکے ہوئے سید ابتہاج عالم کے گال سے مس ہوئے تھے، اس افتاد کے لیے وہ دونوں قطعی طور پر تیار نہیں تھے۔

لمحوں میں ہی یہ کیا ہوا، کچھ سمجھ نہیں آیا، سید ابتہاج عالم نے نہایت سکون و اطمینان سے اُسے دیکھا تھا، جبکہ اس کی نسبت انابیہ کے دل کی دھڑکنیں اتنی زور سے شور کر رہی تھیں، جیسے پسلیوں سے نکل کر ابھی باہر آ جائیں گی، چہرے کی رنگت میں گلال سا گھلنے لگا تھا، پلکیں لرز کر رخسار پر ہی گری ہوئی تھیں، گھبراہٹ نے بھی جیسے اس کے سُندر مکھڑے کا احاطہ کیا ہوا تھا، سید ابتہاج عالم اس کے چہرے کی رنگت کو بغور دیکھتا ہوا کھڑا ہوا، بہت مضبوط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعصاب کا مالک تھا وہ، خود پر کنٹرول کرنا وہ اچھی طرح جانتا تھا، ورنہ انابیہ جیسی حسن کی مالکہ جس سے شرعی و قانونی رشتہ ہو، کیسے اس سے رات کے اس پہر نظر پھیر سکتا تھا؟

"کیسی ہو اب؟" گھمبیر و بھاری لب و لہجے میں کیے گئے سوال پر انابیہ نے گھنیری پلکیں بمشکل اوپر اُٹھائیں، اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی ہو، بولنے و سننے کی صلاحیتیں مفلوج سی ہوگئی ہوں۔ سید ابتہاج عالم کو تو سوچ پڑھنے میں کمال حاصل تھا، لفافہ دیکھ کر ہی اس کے اندر کا مضمون جان لیتا تھا وہ تو، عنابی گداز لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ رینگی تھی اور پھر بغیر کچھ اور کہے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد انابیہ نے اپنا رُکا ہوا سانس بڑی مشکل سے بحال کیا تھا، آرام سے وہ اُٹھ کر بیٹھی تھی اور اس کے کمرے سے جانے کی تصدیق کرنے کو اپنے اطراف دیکھا، جب یقین ہوگیا تو وہ بیڈ سے نیچے اُتری اور جلدی سے جا کر دروازے کو لاکڈ کر کے اس سے ٹیک لگا کر دل پر ہاتھ رکھے بےچل کرتی دھڑکنوں کو قابو کرنے کی سعی کرنے لگی۔ سید ابتہاج عالم اپنی خواب گاہ میں انٹر ہوا تو دل میں ایک عجیب سا احساس تھا، آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک تھی، عنابی لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا، آج کی رات ہر رات سے مختلف رات تھی۔

وہ مضبوط قدم دھرتا ہوا قد آدم آئینے کے آگے کھڑا ہوگیا، سرمئی کلف لگے کاٹن کا کُرتا شلوار جس پر چوڑے شانے پر بھاری گرے شال رکھی تھی، اس نے آئینے میں بغور خود کو دیکھا تھا، سرخ و سفید چہرے پر الگ ہی چمک تھی، سیاہ گھنی مونچھوں کے نیچے عنابی گداز لبوں پر کھیلتی دلفریب مسکراہٹ کیا کہانیاں سُنا رہی تھی، بڑی بڑی سیاہ روشن آنکھوں میں کسی کا عکس پورے حق سے جھلملا رہا تھا، نظر پورے چہرے پر سے ہوتی اس گال پر جا ٹھہری جہاں کچھ دیر پہلے کسی کانا دانستگی میں ایک لمس ٹھہر گیا تھا۔ ایک چھناکے سے وہ گھبرایا، شرمایا، جھجکتا خود میں سمٹتا چہرہ آئینہ پر اُبھرنے لگا تھا۔ سید ابتہاج عالم کے دل و دماغ نے بیساختہ اس اُبھرتے چہرے پر اپنی چوڑی ہتھیلی پھیری تھی، مگر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ عکس مزید گھبرا کے چھپ گیا ہو، سید ابتہاج عالم کو آئینے میں اپنا عکس دکھائی دیا، اس نے اپنے گال پر اپنی انگلیاں پھیریں۔

"تو سید ابتہاج عالم! تم پر اب یہ وقت آ گیا ہے کہ کوئی پری وش اپنے پورے وجود سمیت بنا تمہاری اجازت کے بڑے دھڑلے سے تمہارے دل و دماغ پر قابو پا چکی ہے، وہ تمہارے دل کی مسند پر قبضہ کر چکی ہے اور تم کو ہاتھ پاؤں چلانے کا موقع بھی نہیں ملا"۔ خود سے بولتا وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"پھر کیا سوچا سر! آپ نے؟ ہمیں یہ تو پتا ہے کہ فاروق خان کس کے پاس ہیں، مگر یہ پتا نہیں چل رہا کہ سید ابتہاج عالم نے انہیں کہاں چھپا کے رکھا ہے؟" سرمد اصفہانی کا منیجر اس کے آفس میں بیٹھا رپورٹ دے رہا تھا۔

"اتنا پتا کروایا، مگر دونوں کا کہیں کچھ پتا نہیں چل رہا ہے"۔ صرف سید ابتہاج عالم کا محل نما گھر رہ گیا تھا، جس کے بارے میں سوچنا شیر کی کچھاڑ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔

"میرا شک ہی نہیں یقین بھی ہے کہ سید ابتہاج عالم نے ان دونوں کو اپنے محل میں ہی رکھا ہے"۔ سرمد اصفہانی کے لب و لہجے میں نفرت کی چنگاری تھی۔

"سر! یقین تو مجھے بھی ہے، مگر ان کے محل میں جائے گا کون؟ اور پھر سر! ایک تشویش کی بات تو اور بھی ہے کہ انہوں نے عدالت سے نوٹس بھجوا دیا ہے"۔

"ہوں..... یہی تو سوچ رہا ہوں کہ آگے کا کیا لائحہ عمل طے کرنا ہوگا، مگر میں بھی ہار نہیں مانوں گا، سید ابتہاج عالم

کو پیچھے ہٹنا ہوگا"۔ اس دوران سرمد اصفہانی کا پرسنل ڈیجٹ ان کی باتوں میں مداخلت کر گیا، اس نے اپنا سیل فون دیکھا، جہاں اسکرین پر "سید ابتہاج عالم" کالنگ جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو!" سرمد اصفہانی نے موبائل کان سے لگایا۔

"نوٹس تو تمہیں مل ہی گیا ہوگا سرمد اصفہانی!"

"ہاں، مل گیا ہے، دیکھو سید ابتہاج عالم! یہ تمہارا میٹر نہیں ہے، تم پیچھے ہٹ جاؤ"۔ اس کے لہجے کی بےبسی پر سید ابتہاج عالم نے ایک جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

"آج تمہارے لہجے میں اتنی بےبسی و عاجزی کیوں سرمد اصفہانی؟" سرمد اصفہانی کو اس کی بات پر غصہ تو بہت آیا، مگر اس کی خاموشی میں ہی بھلائی تھی۔

"دیکھو! میں بات کو مزید آگے بڑھانا نہیں چاہتا، بہتری اسی میں ہے کہ فاروق خان اور میرے معاملات میں تم دخل اندازی مت کرو"۔

"وہ کیا ہے ناں سرمد اصفہانی! تم اسے اپنی بدقسمتی کہہ لو یا میری خوش قسمتی کہ فاروق خان رشتے میں میرے سُسر ہوتے ہیں"۔

"ہوں..... سُسر..... تمہیں شرم تو نہیں آئی، اپنی عمر سے اتنی چھوٹی سی لڑکی سے شادی کرتے ہوئے"۔ وہ طنز کر کے سید ابتہاج عالم کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں نے تو جائز راستہ اپنایا ہے سرمد اصفہانی! مگر تم اپنی گھٹیا سوچ کے بارے میں کیا کہو گے؟ لیکن خیر! یہاں میں تمہارا بہت مشکور ہوں کہ یہ تمہاری ہی مہربانی منت ہے کہ انابیہ جیسی خوبصورت لڑکی میری شریک حیات بنی ہے، وہ اب میری بیوی، میری عزت و آبرو ہے، میرے خاندان اور میری نسل بڑھانے کی علمبردار، اگر آج کے بعد اُسے ڈسکس کیا تم نے تو اچھی طرح سوچ لو سرمد اصفہانی! تمہارے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ گنتے گنتے ایک عمر بھی کم پڑے گی، ہم سندھی وڈیرے ہیں، اپنی عزت پر آنکھ اُٹھانے والوں کی آنکھیں نوچ لیا کرتے ہیں، اس لیے تمہیں وارن کرتا ہوں، میرے اندر کے سندھی وڈیرے کو جگانے کی کوشش مت کرنا، ورنہ تمہارا خاندان ہی نہیں، تمہاری آنے والی سات پشتیں بھی تمہارے عبرت ناک انجام سے پناہ مانگیں گی، اس لیے میں نے تمہیں جو نوٹس بھجوایا ہے اس پر عمل کرو اور دو سو کروڑ فاروق خان کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرو، ورنہ یہ تو صرف قانونی کارروائی ہے، اگر میں نے کارروائی کی تو اس دنیا کے کسی بھی حصے میں تمہیں چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی اور آج کل ویسے بھی میرے پالتو کتوں کو انسانی گوشت کا بڑا چسکا لگا ہوا ہے"۔ سرمد اصفہانی تو صحیح معنوں میں اندر تک کانپ کر رہ گیا تھا، سید ابتہاج عالم نے اس کا سارا کھیل بگاڑ دیا تھا اور سید ابتہاج عالم جو کہہ رہا تھا وہ اس پر عمل بھی کرے گا، یہ بھی وہ جانتا تھا، سب کچھ بالکل ٹھیک جا رہا تھا، فاروق خان کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ سرمد اصفہانی کے دو سو کروڑ کا اس سے نقصان ہوا ہے، جسے اُسے ہر صورت ادا کرنا ہے اور اگر نہ کر سکا تو اس کی حسین ترین بیٹی دو سو کروڑ کے عوض دینی پڑے گی، اور انابیہ اس کے پاس آ بھی جاتی، مگر سید ابتہاج عالم نے آ کر سارا معاملہ تہس نہس کر دیا تھا، اور اس کی راہ میں آنا موت کو دعوت دینا تھا، کیونکہ اس کا مقابلہ وہ نہیں کر پائے گا، لیکن وہ ہار بھی نہیں ماننا چاہتا تھا۔

"کیا بات ہے سر! کیا کہہ رہے تھے سید ابتہاج عالم؟" منیجر تشویش زدہ نظروں سے سرمد اصفہانی کو دیکھ رہا تھا۔

"دھمکی دے رہا تھا"۔

"سر! اگر آپ کہیں تو یاسر ابراہیمی کو فون کروں؟" منیجر نے بہت آہستگی سے کچھ جھک کر کہا تھا، سرمد اصفہانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے منیجر کو بغور دیکھا تو اس کا مطلب سمجھا، اس کے دماغ کے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے، ہونٹوں پر ایک کمینی مسکراہٹ رینگی تھی۔

"تمہیں یقین ہے وہ ہمارا یہ کام کردے گا؟"

"سر! پیسہ پھینکنا پڑے گا"۔

"تو پھر خیال رہے، کام پورا ہونا چاہیئے اور میرا نام بیچ میں نہیں آئے"۔

"ایسا ہی ہوگا سر! آج رات آپ سکون اور اطمینان کی نیند سو جائیں، کیونکہ کل صبح کا سورج دیکھنے کے لیے سید ابتہاج عالم زندہ نہیں رہیں گے"۔

"گڈ، مگر ایک بات اور بول دینا یار ابراہیمی کو کہ یہ کام بہت چالاکی اور ہوشیاری سے کرنے والا ہے"۔

"اس کی تو آپ فکر ہی نہیں کریں سر! ہر کام آپ کی سوچ کے مطابق ہی ہوگا"۔

"ہوں.... ایسا ہی ہونا چاہیئے"۔ سرمد اصفہانی اپنے خاص الخاص منیجر کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات کے دو بجے اس کی آنکھ کھلی، اپنے برابر میں دیکھا بی جان دوائیوں کے زیر اثر بے خبر نیند سو رہی تھیں، اس نے بہت احتیاط سے خود پر سے کمبل ہٹایا اور آہستگی سے بیڈ سے نیچے اُتری، دبے پاؤں دروازے کی سمت بڑھی، زمین پر اتنا مہنگا دبیز قالین بچھا تھا کہ آدھا پنجہ دھنس جاتا تو پھر چلنے کی آواز ہی پیدا نہیں ہو سکتی تھی، دھیرے سے دروازہ کھولا اور نکل کر اسی طرح دھیرے سے دروازہ بند کر دیا تھا، سمجھ نہیں آیا کہ اتنے بڑے محل میں باہر جانے کا راستہ کہاں سے ہے؟ وہ بغیر تعین کیے کچھ بھی سوچے سمجھے سیدھا چل پڑی تھی، یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ جلد ہی لان کی طرف کھلنے والا دروازہ مل گیا تھا، وہ اتفاقاً آدھا کھلا ہوا بھی تھا، جلدی سے وہ باہر نکلی۔

"اُف اللہ! یہ تو اس قدر بڑا لان ہے، اب میں کہاں جاؤں؟" بے بسی ہی بے بسی تھی اندر و باہر، مگر اب تو باہر نکل ہی گئی، تو کچھ تو کرنا ہی تھا، وہ سیدھا چلنے لگی، مگر یہ کیا....؟ وہ سامنے کے منظر کو دیکھ کر بالکل ساکت و جامد ہو کر رہ گئی تھی، سانسیں رُک سی گئیں، دھڑکنیں تھم تھم کر چلنے لگیں، ہرنی آنکھوں میں خوف اُمڈنے لگا تھا، نازک سا دل حلق میں آ گیا تھا، سامنے ہی لمبے چوڑے سے بڑے بڑے دانتوں والے چار بلیک ڈوگز (dogs) جن کی سُرخ زبانیں نیچے تک لٹک رہی تھیں اور جن سے سب سے زیادہ خوف محسوس ہو رہا تھا، وہ تھی ان کی خوفناک غراہٹ اور بڑی بڑی کالی آنکھوں میں بے تحاشہ غصہ، جیسے ہی وہ چاروں بھونکتے ہوئے اس کی سمت بڑھے، وہ ایک دل سوز چیخ مارتے ہوئے اُلٹے قدموں بھاگی تھی کہ کسی کے مضبوط چوڑے سینے سے بُری طرح ٹکرا کے گرنے کو تھی، مگر سید ابتہاج عالم نے اپنی مضبوط بانہوں کا حصار اس کے گرد کھینچ دیا تھا، وہ کسی خوفزدہ سہمی ہوئی چڑیا کی طرح اس کے سینے میں منہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی، وہ چاروں بلیک ڈوگز اپنے مالک کو دیکھتے ہی رُک گئے تھے۔ چیخ کی آواز سن کر اللہ بخش اپنی بھاری گن لیے وہاں آ گیا اور ہوائی فائرنگ کر کے ان چاروں بلیک ڈوگز کو جانے کا حکم دیا، وہ چاروں ڈوگز پھرتی سے دوسری طرف بھاگے تھے، سید ابتہاج عالم نے ایک گہری سانس کھینچی اور اس نازک سی لڑکی کو اپنے ہمراہ لیے اندر آیا تھا۔

"تم وہاں کیا کر رہی تھیں؟" سید ابتہاج عالم کو غصہ تو بہت آیا مگر اس کا ڈر و خوف کے مارے بلک بلک کر رونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے خود پر قابو کیا تھا، اگر بروقت وہ وہاں نہیں آ جاتا تو کچھ بھی ہو سکتا تھا، وہ انابیہ کو نقصان بھی پہنچا سکتے تھے۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں اور تم باہر کیسے نکلی ہو؟ دماغ تو ٹھکانے پر ہے تمہارا؟ اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچا دیتے تو؟" سید ابتہاج عالم کے لب و لہجے میں نرمی بالکل مفقود تھی، وہ سخت نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے بابا کے پاس جانا ہے"۔

"واٹ..... رات کے اس پہر؟" اس کی ذہنی حالت پر سید ابتہاج عالم کو معمولی سا شبہ ہوا تھا۔

"کیونکہ دن میں آپ لوگ مجھے جانے نہیں دیتے ہیں"۔ سید ابتہاج عالم نے بغور اس کے خوبصورت و دلکش چہرے کو تکا تھا، جو رونے کی وجہ سے مزید حسین لگنے لگا تھا۔

"تم جانتی ہو تمہارے بابا کہاں ہیں؟"

"نہیں"۔ روتے ہوئے گردن نفی میں اِدھر اُدھر گھمائی۔

"جب جانتی نہیں ہو تو پھر کیوں جا رہی تھیں باہر؟"

"میں سرمد انکل کے پاس جا رہی تھی، وہ جانتے ہوں گے میرے بابا کہاں ہیں؟"

"سرمد انکل!" کس قدر حیرت زدہ نظروں سے اس نے انابیہ کو دیکھا تھا۔

"تم جانتی ہو سرمد انکل کو، کبھی ملی ہو ان سے؟"

"نہیں، مگر مجھے اتنا پتا ہے وہ بابا کے بزنس پارٹنر ہیں"۔ کتنی معصومیت تھی اس کے انداز میں۔

"فاروق خان ٹھیک بولتے ہیں، ان کی بیٹی بہت معصوم اور سادہ سی ہے، اور شاید بہت بے وقوف بھی، اگر اس کو پتا ہوتا کہ آج اس کے بابا جس مصیبت کا شکار ہوئے ہیں، وہ سب سرمد اصفہانی کی وجہ سے ہی ہے تو کبھی اس طرح نہ کرتی"۔

"مجھے جانے دیں ناں"۔ بہت عاجزی سے اُس نے کہا تھا۔

"نہیں، تم اب یہاں سے کہیں نہیں جا سکتی ہو، تم سید ابتہاج عالم کی عزت و آبرو ہو، اور سید ابتہاج عالم اپنی عزت کی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتا ہے، آج تو یہ غلطی کر لی ہے، اب کبھی اس کے بارے میں سوچنا بھی مت"۔ بہت نرم و ملائم انداز میں اس کو سمجھایا تھا۔

"آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ؟"

"لیکن میں نے تو تمہارے ساتھ ابھی کچھ نہیں کیا"۔ اس کی خوفزدہ ہرنی آنکھوں میں جھانکا، جہاں ایک سمندر موجزن تھا، اس کی یہ ذو معنی بات انابیہ کو نگاہیں جھکانے پر مجبور کر گئی تھی، سید ابتہاج عالم نے اس کے چہرے کے بدلتے موسم کو بغور دیکھا تھا، اس کے عنابی گداز لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی، وہ دو قدم اور آگے بڑھا اور اس کے نازک شانوں پر اپنی مضبوط ہتھیلیاں رکھ دیں، بہت چاہت سے اُسے دیکھتے ہوئے اس کی ٹھوڑی اپنی انگشتِ شہادت سے اوپر اٹھائی، بڑی مشکل سے انابیہ نے اپنی بھاری بوجھل گھنیری پلکوں کی باڑ اوپر اٹھائی تھی۔

"اپنے اس چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور مت ڈالا کرو، اپنی ساری سوچوں کو ایک طرف اُٹھا کے رکھو، یہ کام مجھ پر ہی چھوڑ دو، اگر اپنے بابا کے لیے پریشان ہو تو بے فکر رہو، وہ بالکل ٹھیک ہیں، کچھ ٹریٹمنٹ چل رہا ہے، جیسے ہی وہ پورا ہوتا ہے تو وہ تم سے خود آ کر ملیں گے"۔

"مگر.....؟"

"شش"۔ سید ابتہاج عالم نے اس کے شنگرفی گلابی ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ دی۔

"اب کوئی سوال نہیں، ساری فکریں مجھ پر چھوڑ دو، یہ اتنا بڑا محل ہے، یہاں گھومو، کھاؤ پیو اور سب سے بڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات خوش رہو"۔

"آپ کا محل بہت بڑا ہے، میں کھو جاؤں گی"۔ سید ابتہاج عالم اس کی بات پر دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

"میں تمہیں کھونے نہیں دوں گا، اپنی جان سے لگا کر رکھوں گا"۔ اس کے کان میں ہولے سے سرگوشی کی۔

رات کے اس پہر اگر بروقت بی جان نہیں آ جاتیں تو اس سے کوئی حرکت، کسی گستاخی کا سبب بن جاتی، اپنی اس بے ساختہ سوچ پر وہ خفیف سا ہو گیا۔

"ابتہاج!" بی جان نے دونوں کو دیکھا نہیں تھا، بس سید ابتہاج عالم کو پکارنا شروع کر دیا تھا، وجہ وہاں لاؤنج میں زیرو پوائنٹ کا بلب جل رہا تھا، وہ دھیرے سے انابیہ سے پیچھے ہٹا تھا۔

"جی بی جان!" وہ ان کے پاس آیا تھا۔

"پتر! کمرے میں انابیہ دھی نہیں ہے"۔ وہ پریشان ہو گئی تھیں۔

"بی جان! پریشان مت ہوں، انابیہ یہاں ہے"۔ بی جان نے سامنے دیکھا جہاں وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی، وہ تیزی سے اُس کی جانب بڑھیں کہ اس دوران سید ابتہاج عالم کا موبائل چیخ اُٹھا تھا، اسکرین کی طرف دیکھا جہاں اس کے خاص وفادار آدمی کا فون تھا۔

"ہیلو!"

"سائیں! آپ کو ایک خبر دینی تھی"۔

"ایک منٹ"۔ سید ابتہاج عالم نے سامنے دیکھا بی جان، انابیہ کو خود سے لگائے اپنے بیڈ روم میں لے جا رہی تھیں، بند دروازے پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ اپنے وسیع و عریض بیڈ روم کی سمت بڑھا تھا۔

"ہاں، بولو"۔

"سائیں! یاسر ابراہیمی.....!" اور پھر وہ سب کچھ بتاتا چلا گیا تھا۔

"اوں...." وہ پُرسوچ انداز میں کھلے فل سائز T.V کو دیکھنے لگا تھا۔

"سرمد اصفہانی سے مجھے ہر کمینگی کی توقع ہے، اب تک ہم اُسے آرام سے اور پیار سے سمجھا رہے تھے، مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، تم ایک کام کرو، یاسر ابراہیمی کو ڈیرے پر لے کر پہنچو، میں وہیں آتا ہوں"۔

"حکم سائیں!" موبائل آف ہو چکا تھا۔

"تو سرمد اصفہانی! اب تمہیں اپنے طریقے سے ہی سمجھانا پڑے گا"۔ کچھ فیصلے کر کے وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس وقت گہری سوچوں میں غلطاں، بہت انہماک سے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں ٹکائے ہوئے تھی، صبح ناشتے کی ٹیبل پر سید ابتہاج عالم خاص طور پر بی جان سے کہہ گئے تھے، اس کا خیال رکھنے کا، بی جان کب سے اُسے یونہی سوچتا ہوا دیکھ رہی تھیں، وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئیں اور اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں، وہ اپنی سوچوں میں اس قدر منہمک تھی کہ اپنے برابر میں بیٹھی بی جان کا احساس بھی نہ ہوا اسے۔ بی جان کے چہرے پر اتنی نرماہٹ تھی کہ انابیہ کو ان کے اندر اپنی ماں کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہے میری دھی رانی؟" نہایت شفقت سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا، وہ بُری طرح چونک کر رہ گئی تھی اور ان کو دیکھنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے پریشان ہو؟ دیکھو اگر کوئی بھی بات ہے تو تُو مجھے بتا، تُو مجھے اپنی ماں سمجھتی ہے؟"

"جی بی جان! میں آپ کو اپنی ماں سمجھتی ہی نہیں مانتی بھی ہوں، وہ بھی دل سے"۔ اس نے مسکرا کے ان کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔

"تو پھر بتا، کیا بات ہے، ابتہاج نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں تو، انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہے"۔ سید ابتہاج عالم کا مضبوط سراپا اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر گھوم گیا تھا۔

"تو پھر کس بات کی فکر میں گھل رہی ہے؟" بی جان نے اس کے سر کو سہلایا۔

"بابا کی بہت یاد آ رہی ہے"۔ اس کے لب و لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

"تُو فکر مت کر، وہ جیسے ہی ٹھیک ہو جائیں گے، تجھ سے ملنے خود یہاں آئیں گے"۔

"بی جان! میرے بابا کو کیا ہوا ہے؟ وہ یہ بھی تو نہیں بتاتے ہیں"۔ اس کا اشارہ سید ابتہاج عالم کی طرف تھا۔

"وہ بیمار ہیں، ان کو دل کا دورہ پڑا ہے، جبھی ابتہاج نے ان کو اسپتال میں داخل کرا دیا ہے"۔

"دل کا دورہ....!" وہ ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہوئی تھی۔

"بی جان! پھر تو میں ہر حال میں اپنے بابا کے پاس جاؤں گی"۔ بہت بے صبری سے بولتے ہوئے انابیہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"پتر! کوئی وجہ ہے ناں، جبھی ابتہاج تجھے یہاں سے لے کر نہیں جا سکتا"۔

"بی جان! میں کچھ نہیں جانتی، آپ اُن سے بولیئے مجھے اپنے بابا کے پاس جانا ہے"۔ وہ روتے ہوئے ضد کرنے لگی تھی۔ بی جان نے اُسے بہت سمجھایا، مگر وہ ایک نہیں سُن رہی تھی، روئے جا رہی تھی اور اپنے بابا سے ملنے کی ضد کرنے لگی تھی۔

"اب کیا کروں؟" وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو گئی تھیں۔

"اللہ بخش!" انہوں نے اپنے سب سے وفادار ملازم کو پکارا تھا۔

"جی مالکن! حکم"۔

"مجھے ذرا ابتہاج کو تو فون ملا کر دے"۔

"جی بہتر مالکن!" اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور سید ابتہاج عالم کا نمبر ڈائل کیا، ایک دو بیل پر ہی فون اوکے کر دیا تھا، اس نے موبائل بی جان کو تھما دیا تھا اور خود دور جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں اللہ بخش! کیا بات ہے؟"

"پتر! میں بات کر رہی ہوں، تیری بی جان"۔

"جی بی جان! بولیئے سب خیریت ہے ناں؟"

"نہیں، خیریت نہیں ہے، دھی رانی بہت رو رہی ہے، وہ اپنے بابا سے ملنا چاہتی ہے، تُو اس کی فون پر بات ہی کروا دے، مجھ سے اس کا رونا دیکھا نہیں جا رہا"۔ ان کے لب و لہجے میں جس قدر تکلیف بول رہی تھی انابیہ کے لیے، وہ وہاں بھی محسوس کر سکتا تھا۔

"اوکے، آپ انابیہ کو فون دیں، میری بات کروائیں"۔ بی جان نے فون انابیہ کی سمت بڑھایا۔

"لے بات کر، ابتہاج بات کرے گا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں وہ ڈانٹیں گے مجھے''۔ وہ روتے ہوئے گردن نفی میں اِدھر اُدھر ہلانے لگی، اس کی آواز موبائل کے اس پار سید ابتہاج عالم کی سماعت تک پہنچ گئی تھی، اس کے عنابی گداز لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رینگی تھی۔

''نہیں ڈانٹے گا، میں ہوں ناں تیرے پاس، اگر ڈانٹا تو دیکھنا کیسے اس کے کان کھینچوں گی تیرے سامنے''۔ انابیہ کو بی جان کی کچھ ڈھارس ملی تو موبائل کانوں سے لگالیا۔

''ہیلو...!'' سسٹر سسٹر کرتی آواز نکلی تھی۔

''اگر میری ڈانٹ کی اتنی ہی فکر ہے تو کیوں پریشان کرتی ہو بی جان کو؟''

''مجھے بابا کے پاس بھیج دیں ناں''۔ سید ابتہاج عالم کچھ دیر خاموش رہا تھا۔

''تمہیں اپنے بابا کے پاس جانا ہے؟''

''جی....''

''ٹھیک ہے، میں رات میں آتا ہوں تو تمہاری بات کرادوں گا، تمہارے بابا سے، خوش...؟''

''آپ سچ بول رہے ہیں ناں؟'' وہ یقین بے یقینی کی کیفیت میں بولی تھی۔

''بالکل سچ، مگر پہلے وعدہ کرو کہ اب بی جان کو پریشان نہیں کروگی''۔

''جی نہیں کروں گی''۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوگئی تھی کہ اس کے چہرے اور لہجے سے دل کی خوشی عیاں تھی، بی جان نے جاں نثار ہوتی نظروں سے دیکھا تھا اُسے۔

''تو پھر ٹھیک ہے، میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا، تم بی جان کو فون دو''۔ اس نے موبائل بی جان کو دیا، انہوں نے کچھ اور اُسے تنبیہہ کرکے موبائل آف کرکے واپس اللہ بخش کو دے دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

مجھے معاف کردیں سائیں! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی، سرمد اصفہانی نے مجھے پانچ لاکھ روپے دیئے تھے، آپ کو مارنے کے لیے، اگر مجھے پتا ہوتا کہ وہ آپ کے لیے دے رہے ہیں تو یقین کریں میں اپنے بچوں کی قسم کھاتا ہوں میں یہ پیسے اس کے منہ پر مارتا''۔ یاسر ابراہیمی اس وقت گھٹنے ٹیکے گڑگڑا رہا تھا، اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

''ٹھیک بولتے ہو، پانچ لاکھ کے لیے تو کوئی بھی کسی کی جان لے سکتا ہے''۔

''سائیں! مجھے معاف کردیں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں''۔

''سائیں! اگر آپ حکم کریں تو اس کا سر تن سے جُدا کردوں؟'' سید ابتہاج عالم کا وفادار ملازم کرم داد غصے میں آگے بڑھا تھا، یاسر ابراہیمی پر اُسے اتنا غصہ آرہا تھا کہ بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کتوں کے آگے ڈال دے۔

''ارے نہیں بابا، یہ تو صرف ایک مہرہ ہے، اصل کھلاڑی تو کوئی اور ہے جو خود کو بہت زیادہ شاطر اور چالاک سمجھ رہا ہے''۔

''تو پھر حکم کریں سائیں! کیا کرنا ہے؟''

''کرنا کیا ہے، بلالو ہوم منسٹر اور ڈی ایس پی کو، اب ذرا انہیں ہماری خدمت کا موقع تو دو''۔

''اور سائیں! اس کا کیا کرنا ہے؟'' کرم داد نے ایک زوردار ہاتھ یاسر ابراہیمی کے سر پر مارا تھا، جو سید ابتہاج عالم کے قدموں میں ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔

''اس کو فی الحال کوٹھڑی میں ڈال دو، اس کا اسٹیٹمنٹ اب ڈی ایس پی ہی لیں گے، پھر تم یوں کرنا سرمد اصفہانی کے شیئرز اور فاروق خان صاحب کے کیس میں جتنے بھی لوگ انوالو ہیں، ان سب کو باعزت طریقے سے یہاں لے آؤ، اس معاملے کو میں اب اپنے طریقے سے ہینڈل کروں گا، بہت وقت دے دیا سرمد اصفہانی کو، اب اور نہیں''۔

''جیسا آپ کا حکم سائیں!'' وہ مؤدب ہوکر بولا تھا۔ سید ابتہاج عالم پھر رُکا نہیں، چلتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ محل میں آیا تو بی جان کو ہراساں دیکھ کر فوراً ان کی سمت بڑھا تھا۔

''بی جان! کیا بات ہے، سب خیریت ہے ناں؟'' بی جان کی بھی جب اس پر نظر پڑی تو وہ بھی تیزی سے اس کی جانب بڑھیں۔

''پُتر! تُو آ گیا، میں کب سے تیرا انتظار کررہی تھی''۔

''ہوا کیا ہے، آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟'' اس نے ان کو خود سے لگایا تھا۔

''ہاں، وہ انابیہ پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے''۔

''چلی گئی؟ کہاں چلی گئی ہے، گارڈز کہاں تھے؟'' اس کے چہرے پر غصہ در آیا۔

''ارے وہ مجھے بول رہی تھی کہ بی جان آپ کا محل بہت بڑا ہے، تو میں نے کہا تُو دیکھ لے، یہ سب تیرا ہی تو ہے، وہ مسکرا کے بولی کہ میں ابھی گھوم کر آتی ہوں، آدھا گھنٹہ ہوگیا ہے، ابھی تک نہیں آئی ہے، سب ڈھونڈ رہے ہیں''۔ بالآخر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے، جن سے سید ابتہاج عالم کو بہت تکلیف پہنچی تھی، اس نے اپنے ہاتھ سے ان کے آنسو صاف کیے اور آرام سے صوفے پر بٹھادیا۔

''آپ پریشان مت ہوں، میں خود آپ کی بہو کو پانچ منٹ میں آپ کے پاس لے آتا ہوں''۔ وہ وہاں سے نکل کر محل کے دوسرے حصے کی طرف گیا تھا، اور جس بات کا اُسے شک تھا وہی ہوا، انابیہ محل کے دوسرے حصے کی طرف انڈر گراؤنڈ میں بنے چھوٹے سے روم میں ایک کونے پر ڈری سہمی دبکی سر کو گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی، اس کا جسم ہچکیوں کی زد میں تھا، وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔ سید ابتہاج عالم تڑپ کے آگے بڑھا اور بڑی بے قراری سے اس کو دونوں نازک شانوں سے پکڑ کر کھڑا کیا تھا۔

''انابیہ!'' وہ صحیح معنوں میں بھونچکا کر رہ گیا تھا، دل اس کا چہرہ دیکھ کر جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا ہو، اس کا چہرہ زردخوف کی وجہ سے بالکل سپید پڑ چکا تھا، انابیہ، سید ابتہاج عالم کو سامنے پاکر اس کے چوڑے سینے سے لگی تھی، اس کا خوف ختم ہی نہیں ہو رہا تھا، بالآخر وہ عقل وخرد سے بیگانہ ہوتی چلی گئی، جس کا احساس سید ابتہاج عالم کو شدت سے ہوا تھا، اس نے اس نازک اندام پیکر کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں میں اُٹھالیا تھا۔

وہ اُسے اپنے بازوؤں میں اُٹھائے اندر داخل ہوا سامنے بی جان جو بے صبری سے اس کا انتظار کررہی تھیں، انابیہ کو یوں اس حالت میں دیکھ کر تڑپ کر تیزی سے آئیں۔

''کیا ہوا اسے ابتہاج! یہ کہاں تھی، اور یہ بے ہوش کیوں ہے؟'' بی جان حواس باختہ سی ہوگئی تھیں، وہ سید ابتہاج عالم سے زیادہ پیار کرنے لگی تھیں اُسے۔

''بی جان! پریشان مت ہوئیے، کچھ نہیں ہوا ہے اسے، بس ڈر گئی ہے، ٹھیک ہوجائے گی''۔

''ارے ایسے کیسے پریشان نہ ہوں، تُو اسے یہاں لیٹا اور ڈاکٹر کو فون ملا۔ بول جلدی سے آئے وہ، میری تسلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہورہی ہے''۔ سید ابتہاج عالم اُسے بی جان کے بیڈروم میں لے آیا اور آہستگی سے ان کے جہازی سائز بیڈ پر لیٹا دیا، بی جان جلدی سے اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''اب جاناں، بلاؤ ڈاکٹر کو''۔ یہ ان کی محبت ہی تو تھی جس کے لیے وہ اتنا بے چین ہورہی تھیں، سید ابتہاج عالم نے اپنا موبائل نکالا اور ڈاکٹر کو فون ملایا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد اُسے ہوش آ گیا تھا۔ اس دوران ڈاکٹر بھی اُسے دیکھ کر جا چکے تھے، اور یہی کہا تھا کہ وہ کسی خوف کے زیر اثر ہے، انجکشن دے دیا تھا، ٹھیک ہوجائے گی، بی جان تو اس سے لگ کر ہی بیٹھی تھیں اور اُس پر کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں، اس نے آنکھیں کھولیں تو بی جان کا شفقت و محبت بھرا چہرہ نظر آیا، اس کا دل ان کی آغوش میں چھپ جانے کو ہمکنے لگا تھا۔

''بی جان!'' وہ بلک کر ان سے لگی تھی۔

''میری بچی! میری دھی رانی! کہاں چلی گئی تھی اپنی بی جان کو چھوڑ کر؟'' انہوں نے بھی اس کے لیے اپنی نرم وگرم بانہیں وا کردیں۔ سامنے کھڑا سید ابتہاج عالم اس جذباتی منظر کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا، یہ تو کوئی اس کے دل سے پوچھتا کہ اس کے دل کو کس قدر سکون ملا تھا، قرار آیا تھا، انابیہ کے ہوش آنے پر، مگر وہ یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ وہ وہاں اس انڈر گراؤنڈ روم میں کیسے پہنچی؟

''تم وہاں کرنے کیا گئی تھیں؟'' سید ابتہاج عالم کی گھمبیر آواز پر اس نے اپنا روتا چہرہ بی جان کی آغوش سے اوپر اُٹھایا تھا، اس نے بی جان کو خوفزدہ نظروں سے دیکھا تھا، اور ان ہرنی آنکھوں میں ایک بات تھی ''بی جان مجھے ان سے بچالیں'' اور بی جان اس کی نظروں کی بات کو اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔

''اب چھوڑ دے، یہ میرے پاس آ گئی ہے، مجھے اب کچھ نہیں چاہیئے''۔

''بی جان! آپ خود سوچیئے، اگر خدانخواستہ وہاں پر دروازے کو لاکڈ کردیا جاتا، تو کیا ہوتا؟ اس کو وہاں جانا ہی نہیں چاہیئے تھا''۔ وہ حد درجہ غصے میں آ گیا تھا، انابیہ کو اگر کوئی نقصان پہنچ جاتا یہ سوچنا ہی کس قدر سوہانِ روح لگ رہا تھا۔

''بی جان! انہوں نے ہی کہا تھا کہ محل میں گھومو، میں نے تو منع کردیا تھا''۔ سارا الزام سید ابتہاج عالم پر رکھ دیا تھا۔

''محل گھومنے کا کہا تھا، گم ہوجانے کا نہیں، پتا نہیں کیوں میری جان کو مشکل میں ڈال دیتی ہے''۔ یہ آخری جملہ اس نے خود سے کہا تھا، جو بی جان کی سماعتوں سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا، انہوں نے نہایت چونک کر اپنے لمبے چوڑے بیٹے کو دیکھا تھا، براؤن کلر کے کلف لگے کاٹن کے شلوار کرتے میں وہ خاصا اُلجھا اُلجھا سا لگ رہا تھا، اور اس کی اُلجھن کی وجہ وہ جان گئی تھیں، اس لیے کچھ بھی کہے بنا منہ نیچے کیے ہولے سے مسکرا دیں۔

''میری عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا ہے، مجھے نماز پڑھنی ہے''۔ وہ جان کر ان دونوں کو اکیلا چھوڑ کر جانا چاہ رہی تھیں، اصل مقصد سید ابتہاج عالم کو انابیہ سے بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھیں، ورنہ انابیہ کو تو وہ جان ہی گئی تھیں کہ وہ ایک سیدھی سی معصوم بھولی بھالی سی لڑکی تھی، سونے پر سہاگہ وہ ایک حسین ترین کم عمر دوشیزہ تھی۔

''بی جان! آپ کہاں جارہی ہیں؟'' اس نے گھبرا کر بی جان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''میرا بچہ! نماز کا وقت نکلا جارہا ہے، تجھے تو معلوم ہے میں وقت پر نماز ادا کرنے کی عادی ہوں، تُو جب تک یہاں بیٹھ، ابتہاج ہے یہاں، تُو ڈر مت''۔ انہوں نے نرمی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا تھا اور کھڑی ہوگئیں، سید ابتہاج عالم بھی ایک زیرک بندہ تھا، وہ اپنی ماں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ بی جان کھڑی ہوگئیں اور باہر

جانے لگیں، انابیہ بھی ڈر و خوف اور سب سے بڑھ کر سید ابتہاج عالم کی موجودگی سے گھبرا کر اُٹھی، تیزی سے ان کے پیچھے جانے لگی کہ سید ابتہاج عالم اس کی راہ میں حائل ہوگیا، اس کا تیزی سے اُٹھ کر جانا اور سید ابتہاج عالم کا یوں جلدی سے رکاوٹ بننا کچھ تو رنگ لانا ہی تھا، وہ بُری طرح اس کے چوڑے و مضبوط سینے سے ٹکرائی تھی، وہ مزید خوفزدہ ہوگئی، اب کیا کرتی نہ کرتی کے مصداق وہ پلکوں کی گھنیری جھالر گرائے کھڑی ہی رہی، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے بڑی بے دردی سے مروڑ رہی تھی، سید ابتہاج عالم نے نہایت پُرشوق نظروں سے اس کے خوبصورت و دلکش چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''جانتی ہو کس قدر مشکل میں ڈال دیتی ہو میری جان کو، اس طرح کی حرکتیں کر کے؟'' ذومعنی میں مدھم سرگوشی تھی جو انابیہ کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

''میں گھوم رہی تھی کہ اچانک وہاں آپ کا ایک بلیک ڈوگ آ گیا تھا، میں ڈر کر اس روم میں بھاگی تھی۔

''اُف اللہ.....!'' سید ابتہاج عالم نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''کیا ہوا، میں نے کچھ غلط کہا؟'' ہرنی آنکھوں میں بے پناہ معصومیت تھی۔

''نہیں میری جان! آپ بھلا کچھ غلط کہہ سکتی ہیں؟''

''میری جان'' پر وہ بُری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی، سرخ و سفید گالوں پر لالی سی بکھرنے لگی تھی، سید ابتہاج عالم نے کتنے ہی لمحے تک اس کے بکھرتے رنگوں کو اپنی آنکھوں میں جذب کیا تھا، بے خودی میں ہی اس کا ہاتھ اُٹھا تھا اور اس کے سرخ ہوتے رخسار پر پھیلتا چلا گیا تھا، اس دہکتے لمس پر انابیہ کی جان جیسے نکلنے لگی، دل میں اس قدر اُدھم پیل ہونے لگی جسے وہ خود سمجھ نہیں پارہی تھی، ایک نیا جذبہ سر اُٹھانے لگا، جسے وہ کوئی نام نہیں دے پارہی تھی۔

''تم نے کبھی آئینہ دیکھا ہے؟'' سرگوشی نہایت مدھم تھی، ان ہرنی آنکھوں میں حیرانگی کے لاکھوں سوالات جنم لے رہے تھے، جن کی تحریر پڑھنا سید ابتہاج عالم کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔

''تم بہت خوبصورت ہو، چودھویں کے چاند کی روشنی جیسے تمہارے اندر سے پھوٹتی ہو، ان ہرنی آنکھوں میں اس قدر چمک ہے کہ اگر کوئی ان میں ڈوب جائے تو پَر مارنے کی بھی ہمت نہ ملے، تمہارے شنگرفی ہونٹ جیسے کوئی داستان رقم کررہے ہوں، کوئی حسین کتھا سنا رہے ہوں جسے پڑھنے کا دل کرتا ہے''۔ سید ابتہاج عالم دھیرے دھیرے بولتا اس کے خوبصورت چہرے کے ایک ایک نقوش پر ہاتھ پھیر رہا تھا، اور انابیہ! اس کی تو جان ہی نکلی جارہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹتی، سید ابتہاج عالم نے اس کی نازک مرمریں کمر پر اپنی گرفت کا حصار کھینچ دیا تھا، وہ مکمل طور پر اس کی مضبوط بانہوں میں مقید ہوکر رہ گئی تھی۔

''سید ابتہاج عالم جو ایک جہاں فتح کرنا جانتا ہے وہ ایک نازک سی معصوم سی لڑکی کی معصومیت اس کی سادگی کے آگے بالکل زیر ہوکر رہ گیا تھا، اور سید ابتہاج عالم اپنی بات پر مہر ثبت کرتا ہے کہ اُسے تم سے، انابیہ ابتہاج سے محبت نہیں عشق ہوگیا ہے، اس کا دل تمہاری سانسوں کے ساتھ دھڑکنے لگا ہے، اس کی سانسیں تمہاری خوشبو کے احساس سے مہکنے لگی ہیں، نس نس میں تم جان بن کر دوڑنے لگی ہو''۔ اس کی سانسوں کے گرم تھپیڑے انابیہ کے چہرے کو جھلسا رہے تھے، جیسے کوئی دہکتا انگارہ اس کے اوپر رکھ دیا ہو، آنکھوں میں بے بسی کا ایک سمندر موجزن ہونے لگا تھا، بلکہ چند موتی ٹوٹ کر اس کے رخسار پر بکھرنے بھی لگے تھے، جنہیں سید ابتہاج عالم نے بغور دیکھا تھا ور ایک ٹوٹتا موتی جھک کر اپنے لبوں سے چُن بھی لیا تھا۔

سید ابتہاج عالم کی ان بے ساختگیوں پر وہ کیسے بندھ باندھے سمجھ نہیں آرہا تھا، بس ان ہرنی آنکھوں میں مزید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوف سمٹنے لگا تھا، اس کے شنگرفی گلابی ہونٹ کپکپانے لگے تھے، سید ابتہاج عالم کو اس کی غیر ہوتی حالت پر رحم آ گیا، وہ مزید اس کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، اس لیے ہولے سے مسکرا کر بغیر کچھ اور کہے نہایت آہستگی سے اُسے خود سے الگ کیا اور پھر مڑ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔ کتنی ہی دیر تک اس نے سید ابتہاج عالم کی غیر موجودگی کو محسوس کیا تھا، بڑی مشکل سے اپنے بکھرتے دل کو سنبھالا اور غیر ہوتی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھے وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سید ابتہاج عالم نے جو کہا سچ کر دکھایا وہ اپنی بات کا، اپنے دعوے کا پکا تھا، دشمن کو صرف ایک بار موقع دیتا تھا، اس کے بعد اس طرح اس کے گرد دائرہ کھینچتا تھا کہ زندگی بھی کم پڑنے لگتی، مگر کہیں بھاگ نہیں سکتا، یہی سب سرمد اصفہانی کے ساتھ ہوا تھا، سید ابتہاج عالم نے اس کے گرد اتنی مضبوط گرفت کس دی تھی کہ وہ ہاتھ پیر تو چلانا بھی دور، ہل بھی نہیں سکتا تھا''۔ اس کے خود کے شیئرز بھی کوئی کوڑیوں کے دام بھی خریدنے کو راضی نہیں تھا، اس کے آفس کو سیل کر دیا گیا تھا، گھر کی ایک ایک شے نیلام کر دی گئی تھی اور آج وہ اس وقت جیل کی سلاخوں کے پیچھے اپنی زندگی کے دن گن رہا تھا، اس کا وہ حشر کر دیا تھا سید ابتہاج عالم نے کہ فراڈ کرنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بن کر رہ گیا تھا۔

''مجھے معاف کر دو، سید ابتہاج عالم! مجھ سے بہت بڑی بھول ہو گئی تھی''۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑے سید ابتہاج عالم کے آگے گڑگڑا رہا تھا۔

''بھول.....؟'' اس نے غصے سے سرمد اصفہانی کو دیکھا تھا۔

''نہیں سرمد اصفہانی! تم سے بھول نہیں، غلطی ہوئی ہے، گناہ کیا ہے، غداری کی ہے تم نے فاروق خان سے''۔

''ہاں..... ہاں میں مانتا ہوں، میں تسلیم کرتا ہوں، میں فاروق سے بھی معافی مانگنے کو تیار ہوں، مجھے بس یہاں سے نکال لو''۔ کس قدر عاجزی تھی اس کے انداز میں۔

''نہیں سرمد اصفہانی! اب بہت دیر ہو چکی ہے، موقع دیا تھا نا ہم نے تمہیں؟ مگر افسوس تم اپنی ہوس و ناجائز خواہشات کے آگے اس قدر اندھے ہو چکے تھے کہ تمہیں حلال و حرام کی ساری پہچان بھول چکی تھی، اس لیے اب جو کیا ہے اس کی سزا تو تمہیں ملے گی، لہٰذا اب اپنی زندگی کے باقی دن ان جیل کی سلاخوں کے پیچھے کاٹو''۔ وہ پھر رُکا نہیں تھا، وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا، مگر اپنے پیچھے سرمد اصفہانی کی آہ و بکا، اس کی بے بسی و گڑگڑاہٹ ضرور سنی تھی، وہ چیختا چلاتا رہا، معافیاں مانگتا رہا، مگر اس کی پکار سننے والا کوئی ذی روح وہاں موجود نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

''جا میری دھی رانی! یہ چائے تُو خود اپنے ہاتھ سے ابتہاج کو اندر دے کر آ جا اور اس نے تجھے بولا تھا نا تیرے بابا سے بات کرانے کو، وہ بھی کر لینا''۔ بی جان نے زبردستی چائے کی ٹرے انابیہ کے ہاتھ میں تھمادی تھی۔ ایک جھجک مانع تھی اس کی شرم و حیا آڑے آ رہی تھی، جو اس کو سید ابتہاج عالم کے سامنے جانے سے روک رہی تھی، وہ اس وقت اس کے بیڈ روم کے دروازے پر کھڑی تھی، اس دن کے بعد سے تو وہ جان بوجھ کر ہی سید ابتہاج عالم کا سامنا نہیں کر رہی تھی، وہ گھر میں آتا تو وہ یا تو کہیں چھپ جاتی یا پھر سوتی بن جاتی، زیادہ تر بی جان کے ساتھ ہی لگی رہتی، مگر ہاں اس نے اپنے اندر ایک تبدیلی ضرور محسوس کی تھی کہ وہ سید ابتہاج عالم کو دیکھے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی، لازمی ایک جھلک اس دشمنِ جاں کی چھپ کر دیکھ لیتی تھی اور جس دن وہ نظر نہ آتا دل میں ایک بے چینی، ایک بے

قراری سی ہونے لگتی تھی، اس نے ٹرے کو دیکھا، چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی اور سید ابتہاج عالم کو ٹھنڈی چائے سخت ناپسند تھی پھر یاد آیا کہ اس نے بابا سے بات کرانے کا وعدہ بھی تو کیا تھا، یہی سوچ کر اس نے دروازے پر دھیمے سے دستک دی تھی۔

''یس.....'' اندر سے جواب ملا تھا، اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا، مگر یہ کیا وہ اندر آئی تو دروازہ پیچھے سے خود ہی بند ہو گیا تھا، اس نے چونک کر پیچھے پلٹ کر دیکھا تو دروازے کے کٹ میں کچھ ایسے فینسی اسپرنگ لگے تھے جس کی وجہ سے دروازہ بند کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی، وہ اب اندر تو آ ہی چکی تھی، سامنے دیکھا وہ کمرہ تھا، اتنا حسین اتنا بڑا اور شاندار اور اتنی مہارت سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا، محل کی خوبصورتی ایک طرف، اس بیڈ روم کی خوبصورتی ایک طرف، سامنے ہی وسیع و عریض خوبصورت سے بیڈ پر سید ابتہاج عالم نیم دراز کسی فائل کو ہاتھ میں لیے دیکھ رہا تھا، سید ابتہاج عالم کی نگاہیں اوپر اُٹھیں، وہاں انابیہ کو ٹرے میں چائے لیے پایا۔

''وہاں کیوں کھڑی ہو؟ یہاں آؤ''۔ مصروف سے انداز میں کہتا وہ دوبارہ فائل کی ورق گردانی کرنے لگا تھا جو شاید بہت ضروری کام تھا۔ انابیہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی آئی اور ٹرے وہیں بیڈ کی سائیڈ میں کانچ کی ٹیبل پر رکھ دی، ایک نظر مصروف سید ابتہاج عالم کو دیکھا تھا، اپنی بات بھی تو پوری کرنی تھی۔

''آپ نے کہا تھا کہ بابا سے میری بات کرائیں گے''۔ نگاہیں جھکائے انگلیوں کو آپس میں مروڑے وہ کہہ ہی گئی تھی، مگر یہ کیا، جب ہرنی جھکتی نگاہیں اوپر سامنے اُٹھی تھیں تو جیسے شرم و حیا سے پانی پانی ہو کر رہ گئی تھی، سامنے فل سائز اسکرین ٹی وی پر جو سونگ چل رہا تھا، اے سی کی کولنگ میں بھی وہ پوری طرح شرابور ہو گئی تھی۔

''بھیگے ہونٹ تیرے، پیاسا من میرا''۔

''اُف اللہ!'' وہ یہاں نہیں ٹھہر سکتی تھی، پھر سوچا۔

''یہ باہر آئیں گے تو بی جان کے سامنے ہی بات کروں گی''۔ یہی سوچ کر وہ بغیر سید ابتہاج عالم کو دیکھے وہاں سے جانے لگی، مگر یہ ناکام ثابت ہوا، کیونکہ اس کی نازک سی مخروطی کلائی سید ابتہاج عالم کی مضبوط ہتھیلی میں قید ہو کر رہ گئی تھی، اس نے رُخ موڑ کے دیکھا، وہ اسی کو بغور دیکھ رہا تھا، انابیہ اس سے پہلے کہ اپنی کلائی اس کی گرفت سے آزاد کراتی کہ سید ابتہاج عالم نے جھٹکا دیا وہ اپنا توازن سنبھال نہ سکی اور پورے وجود سمیت اسی پر آ رہی۔

''جو کہنا ہے قریب آ کر کہو، ویسے بھی اتنے دن ہو گئے تمہیں دیکھے، خود تو روز چھپ چھپ کر مجھے دیکھ لیتی ہو اور اپنے دیدار کا شرف بھی نہیں دیتی ہو''۔ چہرے پر آئی چند لٹوں کو وہ چھیڑ رہا تھا۔

''تو وہ سب جانتا ہے، اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے، میں کتنی بے وقوف ہوں''۔

''جی ہاں آپ اوّل درجے کی بے وقوف اور کم عقل ہیں''۔ سید ابتہاج عالم کو تو سوچ پڑھنے میں کمال حاصل تھا، وہ حیران ہو کر رہ گئی تھی، وہ اس کی بانہوں میں کسمسانے لگی تھی، خود کو چھڑانے کی مزاحمت کرنے لگی مگر ناکامی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آیا، کس قدر بے بسی سے اس نے دیکھا تھا وہ کیا کہنے آئی تھی اور کیا سے کیا ہو گیا تھا۔

''آپ مجھے چھوڑ دیں نا پلیز!''۔ کپکپاتے شنگرفی لبوں سے بڑی مشکل سے یہ چند الفاظ ادا ہوئے تھے۔

''کیوں.....؟'' وہ اس لمحے کوئی خواب اُن ہرنی آنکھوں میں پیرونا چاہتا تھا، جس کی تعبیر نہایت خوبصورت تھی۔ اب اس سے آگے وہ کیا بولتی؟ لفظ تو جیسے کھو ہی گئے تھے، اوپر سے اس بیڈ روم کی خاموشی کو چیرتا وہ گانا جس سے اس کی روح فنا ہونے کو تھی، اس گانے کے بول ہی کچھ ایسے تھے کہ وہ پلکوں کی گھنیری باڑ رُخسار سے اُٹھا ہی نہیں پا رہی تھی ''تجھے صبح تک میں کروں پیار..... ہو ہو ہو.....'' سید ابتہاج عالم نے اس کے خوبصورت چہرے پر اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انگلیوں کی پوروں سے چھوا، پھر کالی گھٹا جیسی لرزتی پلکیں چھوئیں، وہ مزید خود میں سمٹنے لگی تھی، سید ابتہاج عالم بھی بندہ بشر تھا، کوئی فرشتہ نہیں جو بانہوں میں حسن و جمال کا پیکر موجود ہو، اور وہ اس کے بے پناہ حسن سے نگاہ چرا لے، اور پھر وہ کوئی غیر تو نہیں، حالات جو بھی رہے ہوں وہ اس کی منکوحہ تھی اور اب تو اس کی محبت، اس کا عشق و جنون بن چکی تھی، مگر یہ کیا؟ اس کے چہرے پر یہ اتنا کرب کیا تھا، یہ تکلیف کیوں تھی، یہ تو سید ابتہاج عالم نے نہیں چاہا تھا کہ انابیہ کو معمولی سی بھی زک پہنچے، نہیں وہ انابیہ کو اس طرح حاصل نہیں کرے گا، اس کی مرضی کے خلاف تو بالکل نہیں، اس نے نہایت احتیاط سے انابیہ کو خود میں سمو کر اس کی چمکتی پیشانی پر اپنے پیار و چاہت کی مہر ثبت کی اور بیڈ سے نیچے اُتار دیا تھا۔

''جاؤ.....!'' گھمبیر لہجے میں حکم صادر ہوا تھا۔ وہ تو تھی ہی موقع کی تلاش میں، تیزی سے بھاگی تھی، سید ابتہاج عالم نے خاموشی سے اس کو جاتے ہوئے دیکھا اور پھر ایک سرد سانس کھینچ کر موبائل نکالا۔

☆.....☆.....☆

دن یونہی بے کیف سے گزر رہے تھے، معلوم نہیں اُسے محل میں آئے کتنا عرصہ گزر گیا تھا، رمضان شروع ہو گئے تھے، آج بیسواں روزہ بھی ہو گیا تھا، وہ پورے خشوع و خضوع سے عبادت میں مشغول تھی، پابندی و خوش اسلوبی سے سحری و افطاری کی تیاریاں بھی خود ہی کرتی تھی، بی جان کو ذرا بھی پریشان نہیں کرتی تھی۔ روزہ کھلنے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا، وہ اُداس اُداس سی، افسردہ حال میں لاؤنج میں بیٹھی تھی، آج اس کو بابا کی یاد بہت شدت سے آ رہی تھی، کتنے دن ہو گئے تھے بابا کی آواز تک سنے، اس دن کے بعد سے تو وہ سید ابتہاج عالم کے بیڈ روم میں گئی ہی نہیں تھی، ان کی چاہت و محبت روشن آنکھوں میں جلتے پیار کے دیپ سے وہ چھپنے لگی تھی، حالانکہ سحری و افطاری میں وہ تینوں ساتھ ہی ہوتے تھے، مگر سید ابتہاج عالم نے کوئی ایسی حرکت، کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے وہ وہاں سے بھاگنے کے لیے پر تولے، اور اس لیے شاید سید ابتہاج عالم کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔

''انابیہ.....!'' اس شفقت پُرنور آواز پر اس نے چونک کر اس سمت دیکھا تھا، کتنے ہی لمحے لگے تھے، اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کہ سامنے جو ہستی کھڑی ہے وہ کوئی اور نہیں اس کے چہیتے عزیز از جان بابا ہیں۔

''بابا.....!'' وہ سسکتی ہوئی وہاں سے تیزی سے اُٹھی اور بھاگتی ہوئی فاروق خان کے سینے سے لگی تھی، کتنا ہی وقت گزر گیا تھا اس کو ان کے سینے سے لگے، پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے۔

''بس میری جان! اتنا نہیں روتے''۔ وہ اس کا سر مسلسل سہلا رہے تھے۔

''بابا! میں نے آپ کو بہت یاد کیا ہے''۔

''آئی نو، مائی چائلڈ! مگر بہت بڑی مجبوری تھی جو ہمارے درمیان یہ فاصلے پیدا کر گئی تھی''۔

''ایسی بھی کیا مجبوری تھی بابا! کہ آپ مجھ سے مل بھی نہیں سکتے تھے اور نہ ہی فون پر بات کرتے تھے؟'' وہ بہت روٹھی ہوئی تھی۔

''اب تو میں آ گیا ہوں ناں، سب ٹھیک ہو گیا ہے، تم ساری فکریں چھوڑ دو''۔ انہوں نے انابیہ کو خود سے الگ کیا اور اس کے بہتے آنسو صاف کر کے شفقت کا اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

''بابا! آپ نے سرمد انکل کے پیسے واپس کر دیئے تھے؟'' اس کو اچانک یاد آیا تھا، تو بے اختیار سوال کر بیٹھی تھی، فاروق خان حیران ہو کر اس کو دیکھنے لگے تھے، پھر سید ابتہاج عالم کو دیکھا جو قریب ہی کھڑا تھا، خود سید ابتہاج عالم کو بھی انابیہ کے ایسے بے وقوفانہ سوال کی توقع نہیں تھی، اس نے فاروق خان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ

اشارہ کیا، پھر انابیہ کو دیکھا تھا۔

''اب کیا سارے سوالات یہیں کھڑے کھڑے ہی کر لو گی؟ روزہ کھلنے والا ہے، جاؤ جا کر افطاری لگاؤ''۔

''ارے ہاں، میں تو بھول ہی گئی، بابا! آپ کا بھی روزہ ہو گا ناں، میں ابھی ٹیبل لگواتی ہوں''۔ وہ چہرہ صاف کرتی کچن کی سمت بھاگی تھی، بی جان کو بھی تو بتانا تھا کہ اس کے بابا آ گئے ہیں، وہ بہت زیادہ خوش تھی ان کی آمد پر، مسکراہٹ تو جیسے لبوں سے جا ہی نہیں رہی تھی۔

''انابیہ! سرمد اصفہانی کے کرتوت کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ وہ کچھ جانے، انابیہ بہت معصوم اور سادہ ہے، اس کا دل و دماغ بالکل صاف ہے آئینے کی طرح شفاف، میں نہیں چاہتا اس کا صاف و شفاف ذہن پراگندہ ہو''۔ سید ابتہاج عالم نے انہیں تفصیل سے سمجھا دیا تھا۔

''تھینکس ابتہاج عالم! اگر آپ نہ ہوتے تو جانے کیا ہوتا، میری تو یہ سوچ کر ہی روح کانپ اُٹھتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو بروقت وسیلہ بنا کر نہ بھیجتا ہماری مدد کے لیے تو سرمد اصفہانی کیا کچھ نہ کر جاتا؟ میری پھولوں سی بیٹی کا کیا بنتا؟'' فاروق خان نے یہ سوچ کر ہی جھرجھری لی تھی۔

''اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں فاروق صاحب!'' سید ابتہاج عالم شرمندہ ہو کر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ابتہاج! جو سچ ہے وہ سچ ہے، آپ میرے لیے فرشتہ بن کر آئے ہیں، ایک مسیحا ہیں میرے لیے، میری بیٹی کے لیے، میرے دل سے آپ کے لیے بہت دعائیں نکل رہی ہیں، اس کا اجر اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں دے گا''۔ فرط جذبات سے مجروح ہو کر فاروق خان نے سید ابتہاج عالم کا ہاتھ تھام لیا تھا، ان کی آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں۔

''ارے.....رے فاروق صاحب پلیز! آپ مجھے انسان ہی رہنے دیجیے''۔ سید ابتہاج عالم نے فاروق خان کا اپنے ہاتھ پر رکھا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''السلام علیکم!'' بی جان وہیں آ گئیں، انہیں انابیہ نے بتایا تو وہ سب کچھ چھوڑے ان کے استقبال کے لیے آئی تھیں۔ پھر ان لوگوں نے مل کر افطاری ایک ساتھ کی، فاروق خان بی جان کو بہت اچھے، سوبر انسان لگے، اچھی شخصیت کے مالک فاروق خان انہیں بہت پسند آئے تھے۔

''اب آگے کیا سوچا ہے آپ نے، انابیہ کو لے کر جائیں گے؟'' یہ چند جملے اس نے کس دل سے ادا کیے وہی جانتا تھا، وہ دشمنِ جاں اب اس کی رگِ جاں بن چکی تھی، خود سے جدا کرنے کے بارے میں سوچنا ہی کس قدر سوہانِ روح لگ رہا تھا، اگر وہ چلی گئی تو زندگی کتنی خالی خالی ہو جائے گی، وہ بالکل جیسے ادھورا سا ہو جائے گا، کیسے جی پائے گا وہ انابیہ کے بغیر، مگر فاروق خان سے کیا گیا وعدہ اس کی زندگی سے بڑھ کر تھا، وہ امانت میں خیانت کا متحمل نہیں تھا۔

''ابتہاج! میں اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا''۔ فاروق خان کے لیے اس وقت بات کرنا مشکل تو تھا، مگر بات کرنا بھی ضروری تھا، کیونکہ یہ ان کی چہیتی جان سے بھی عزیز بیٹی انابیہ کے مستقبل کا سوال تھا۔

''جی کہیئے''۔ اس کا ایک ایک عضو سماعت بن گیا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ آپ سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ اور آپ سے زیادہ بہترین جیون ساتھی مجھے انابیہ کے لیے کوئی نہیں ملے گا، میری زندگی سہل ہو جائے گی، میں ساری زندگی آپ لوگوں کا مشکور رہوں گا، اگر انابیہ کے نام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ ہمیشہ آپ کا نام جڑا رہے، اس کے سر پر آپ کے نام کی چادر ڈلی رہے"۔ اپنی خواہش، اپنے دل کی بات انہوں نے بی جان اور سید ابتہاج عالم کے گوش گزار کردی تھی۔ سید ابتہاج عالم پر تو جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ وہ کچھ بول ہی نہیں پا رہا تھا، دل کی خوشی کے مارے تھمتی دھڑکنیں معمول پر آ گئی تھیں، جبکہ بی جان نے بھی سکھ کا سانس لیا تھا، وہ تو خود یہ بات فاروق خان سے کرنا چاہ رہی تھیں، مگر پہلے انہوں نے کر کے ان کی ساری فکریں دور کردی تھیں۔

"فاروق پُتر! میں آپ سے یہی بات کرنا چاہتی تھی کہ انابیہ دھی کے بغیر میں نہیں رہ سکتی ہوں"۔ بی جان کی بات پر فاروق خان کو سکون ہوا تھا، انہوں نے سید ابتہاج عالم کو دیکھا، وہ خاموش تھا، کہیں وہ اس کے ساتھ ناانصافی تو نہیں کر رہے ہیں؟ وہ اپنی جلد بازی پر جی بھر کے شرمندہ ہوئے تھے۔

"ابتہاج! آئی ایم سوری، مجھے اتنی جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے تھا، پہلے آپ کی مرضی معلوم کرنی چاہیئے تھی، اگر آپ کی مرضی نہیں ہے تو میں انابیہ کو آپ پر زبردستی مسلط نہیں کروں گا، آپ کی اولیت کو فوقیت دی جائے گی، لیکن اس بات سے بھی بے فکر رہیں، ہماری دوستی میں کوئی فرق نہیں آئے گا"۔

"ارے، یہ آپ کیا بول رہے ہیں فاروق! ابتہاج تُو کچھ بول، خاموش کیوں ہے؟" بی جان بھی پریشان ہوگئی تھیں، اس کی خاموشی سے، جبکہ وہ خود بھی الگ گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

"فاروق صاحب! میں تو بس یہی کہوں گا کہ انابیہ جس طرح آپ کے پاس رہی ہے اس سے کہیں زیادہ خوش رکھوں گا میں اُسے، اس بڑے سے محل کی ملکہ بنا کر رکھوں گا، انشاء اللہ کوئی کمی نہیں ہوگی"۔ کس قدر پُرسکون و سرشار ہوئے تھے وہ، خوشی کی مسکراہٹ ان کے لبوں سے پھوٹی تھی، بہت عزت و احترام سے دیکھا تھا انہوں نے سید ابتہاج عالم کو۔

"تو پھر ٹھیک ہے، اس عید پر ابتہاج اور انابیہ کی دھوم دھام سے ولیمے کی تقریب ہے، میں ساری کسر، سارے ارمان نکالوں گی، اپنے بچے کی شادی پر"۔ بی جان نے محبت سے، جان نثار نظروں سے اپنے جگر گوشے کو دیکھا تھا۔ سید ابتہاج عالم کی روشن آنکھوں کی پتلیوں پر اس کا شرماتا، جھجکتا چہرہ روشن ہوگیا تھا، عنابی گداز لبوں پر خود بخود مسکراہٹ در آئی، دل میں ایک میٹھی سی گدگدی سی ہونے لگی تھی۔

"بالکل بی جان! ہم یہ خوشی دھوم دھام سے منائیں گے، پھر میں نے سوچا ہے حج پر چلا جاؤں گا"۔ پردے کے پیچھے چھپی انابیہ اس فیصلے پر اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگی، مگر سید ابتہاج عالم کا تصور میں سامنا ہونے پر ہی اس کی جان جانے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

سید ابتہاج عالم کے فیورٹ کلر بلیو اینڈ سی گرین امتزاج کے راجستھانی شرارے میں وہ کوئی آسمان سے اُتری ہوئی حسین ترین حور لگ رہی تھی، شرارہ اس قدر بھاری تھا کہ وہ تھکنے لگی تھی، شرارے پر اتنا بھاری کام ہوا تھا، سونے کے تاروں سے نہایت باریک بھرا بھرا کام کروایا گیا تھا، مہنگی میچنگ جیولری ایک ہاتھ میں گولڈ اینڈ ڈائمنڈ کی چوڑیاں، دوسرے میں میچنگ کانچ کی چوڑیاں اس کی مخروطی کلائی پر بہت سج دھج رہی تھیں، دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک جاتی سُرخ مہندی جس کا رنگ بہت گہرا آیا تھا، جسے سید ابتہاج عالم کی محبت سے مشروط کیا گیا تھا، ہاں میک اپ اس نے گھر میں ہی کروایا تھا، وہ بھی لائٹ میک اپ، بقول اس کے انابیہ کے حسن و خوبصورتی کو ظاہری میک اپ سے چھپا دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ قدآور آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی، وہ اس قدر حسین ہے اس کا اندازہ تو اسے اس وقت ہوا تھا، مگر آج اس دلکش چہرے پر کسی کے عکس کی چمک تھی، جسے وہ آج پہچان گئی تھی، وہ کون سا جذبہ سر اُٹھا رہا تھا، سب جان گئی تھی، یہی کہ اس کا دل صرف اور صرف سید ابتہاج عالم کی ہی مالا جپتا تھا، سید ابتہاج عالم بیڈ روم میں داخل ہو چکا تھا، اس کی نظر پھولوں کی سیج سے جاتی اس جگہ ٹھہر گئی جہاں وہ دشمنِ جاں، وہ اپسرا کھڑی تھی، سید ابتہاج عالم کتنی ہی دیر تک اس کا حسن اپنی نگاہوں سے دل میں اُتارتا رہا تھا، وہ ابھی تک اس کی موجودگی سے بے خبر تھی، سید ابتہاج عالم ہولے ہولے سے چلتا ہوا اس کے بالکل پیچھے جا کر کھڑا ہوگیا اور اس کے دونوں نازک شانوں پر اپنی مضبوط ہتھیلیاں رکھ کر اس کا رخ اپنی سمت موڑا تھا۔

انابیہ کا سانس جیسے رُک سا گیا، دل کی دھڑکن مدھم مدھم سی ہونے لگی، ہرنی بڑی بڑی آنکھیں سختی سے میچ لیں، شنگرفی لبوں کو آپس میں اس طرح بھینچ لیا جیسے کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی ہو، جھومر، ٹیکے، نتھ اور بڑے بڑے آویزوں میں اس کا ہوشربا دہکتا حسن مزید دو آتشہ لگ رہا تھا، آج وہ مکمل اس کی دسترس میں تھی۔ سید ابتہاج عالم کو کتنے ہی پل اُسے بغور دیکھتے بیت گئے تھے، پھر رگِ ظرافت پھڑکی، تو اس کے سندر چاند سے شرماتے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں کے پیالے میں بھرے اس پر جھکتا چلا گیا تھا۔ سید ابتہاج عالم کی اس بے ساختہ حرکت پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"عید مبارک!" مگر وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی تھی، بس ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

"کچھ بولو گی نہیں؟" ایک سوال تھا جس پر اس نے نفی میں اِدھر اُدھر گردن ہلا دی تھی، وہ حیران ہوا۔

"کیوں؟"

"بی جان نے منع کیا ہے"۔ معصوم لب و لہجے میں کہتے ہوئے پلکوں کی باڑ گر گئی تھی۔

"اور بی جان نے کیوں منع کیا ہے؟"

"وہ..... بی جان بول رہی تھیں، اگر میں نے کچھ کہا تو آپ ناراض ہو جائیں گے، غصہ کریں گے"۔ کس قدر معصومیت تھی اس میں، یہ تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بی جان کی ذومعنی بات تک کو سمجھ نہ سکی تھی۔ اس کی بات پر سید ابتہاج عالم کا زندگی سے بھرپور قہقہہ گونجا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے؟"

"میں بھلا اپنی جان سے ناراض ہو سکتا ہوں؟" سید ابتہاج عالم نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور آہستگی سے اس کی نتھ اُتار کر وہیں ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

"تم نے تو ویسے ہی اپنی سادگی سے میرا سارا چین و سکون، دل کا قرار لوٹ لیا ہے، اب یوں سج دھج کر، بن سنور کر میرے سامنے آؤ گی تو میں مزید خود کو کیسے بچا سکتا ہوں؟" اس نے آرام آرام سے اس کا ٹیکہ و جھومر، بڑے بڑے آویزے اُتار دیئے، بھاری دوپٹہ پنوں سے آزاد کر دیا تھا۔

"ارے تم خود اتنی سی جان ہو، بی جان نے بھی تمہیں تمہارے وزن سے زیادہ شرارہ پہنا دیا ہے، ایک کام کرو، وہاں ڈریسنگ روم ہے، وہاں چینج کرو، میں تمہارا یہیں ویٹ کرتا ہوں"۔ انابیہ نے بڑی مشکل سے اپنا سانس بحال کیا اور اس کا حکم مانتے ہوئے بھاری وزنی شرارہ سنبھالتی وہ جانے لگی، مگر صوفے پر سے وہ دوپٹہ ضرور اُٹھا لیا جو سید ابتہاج عالم نے رکھا تھا، وہ اس کی اس حرکت پر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ وہ واش روم میں آئی، صاف چمکتا وائٹ ٹائلز سے مزین واش روم تک کو بہت خوبصورت بنایا ہوا تھا، سامنے ہی ہینگر کی ہوئی پنک نائٹی نظر آ گئی، اس نے وہ ہینگر اُتار لیا تھا، مگر یہ کیا، بغیر سلوز کی اور ڈیپ گلا جس پر دیدہ زیب ہلکی سی کڑھائی ہوئی تھی اس نے وہیں خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو بڑے سے مرر میں دیکھا تو شرم سے کٹ کر رہ گئی۔

''اُف اللہ.... اس حلیے میں ان کا سامنا کیسے کروں گی میں؟'' وہ سوچ کر ہی ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی کہ نظر اپنے شرارے کے دوپٹے پر پڑی، سکھ کا سانس لیتے ہوئے اس نے اپنا بھاری دوپٹہ اُٹھایا اور اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا تھا، انابیہ باہر آئی تو ڈھونڈتی نگاہوں نے اس کو تلاش کر لیا، وہ وہیں سنگل صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے صوفے سے ٹیک لگائے ہاتھ میں کوئی بک لیے دیکھ رہا تھا، بلیک تھری پیس سوٹ میں اس کی شخصیت کسی ریاست کے شہزادے سے کم نہیں لگ رہی تھی، جاذب نظر پرسنیلٹی، کھلتا ہوا سنہری رنگ، مضبوط قد و قامت، وہ یقیناً عمر میں اس سے دوگنا زیادہ تھا، مگر خود کو اس نے جس طرح مینٹین کر کے رکھا ہوا تھا، اپنی عمر سے دوگنا کم ہی لگتا تھا۔

''اگر وہ مجھے حسن کی ملکہ کہتا ہے تو وہ بھی تو کسی ریاست کا شہزادہ ہے، حسن و خوبصورتی میں یکتا''۔ آج پہلی بار اس نے سید ابتہاج عالم کو بغور دیکھا تھا، وہی اب اس کا سب کچھ تھا، اس کی زندگی، اس کی محبت..... ہاں وہ اس کی محبت تھا، بے پناہ چاہنے لگی تھی وہ سید ابتہاج عالم کو، مگر ایک جھجک پھر بھی مانع تھی، وہ اس سے بات کرنے کی، اس کے سامنے کھڑے رہنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔

سید ابتہاج عالم کی روشن آنکھیں سامنے اُٹھیں تو انابیہ کو اپنی طرف ہی بغور دیکھتے پایا، پنک نائٹی جس پر اس نے اپنے ولیمے کے دوپٹے سے خود کو چھپا لیا تھا، سید ابتہاج عالم اس کی شرم و حیا پر فریفتہ ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا، اور مضبوط قدم اس کی سمت بڑھاتا جا کر اس کے بالکل سامنے کھڑا ہوا تھا۔

''یہ کیا، تم نے پھر اتنا بھاری دوپٹہ اوڑھ لیا؟'' اس نے اس پر سے وہ دوپٹہ کھینچ لیا، بغیر اُسے کوئی بھی مہلت دیئے انابیہ کی تو جیسے جان پر ہی بن آئی، شرم و حیا سے وہ دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ سید ابتہاج عالم مبہوت ہو کر رہ گیا تھا، وہ دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

''پلیز! آپ مجھے اس طرح مت دیکھیں، میں مر جاؤں گی''۔ بے بسی سے بولتی ان ہرنی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی، سید ابتہاج عالم اس کی بات پر ایک بار پھر سے جاندار قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔ آج تو وہ بات بات پر ہنس رہا تھا اور اس کی جان نکال رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ! مائی سوئیٹ انوسینٹ وائف!'' اس نے انابیہ کا سرخ و سفید بازو پکڑ کر اپنی سمت کھینچا اور خود میں سمو لیا تھا۔

''یہ عید میرے لیے بہت حسین ہے، ہمیشہ یادگار رہے گی، مجھے میری عبادتوں و ریاضتوں کا پھل اس قدر حسین ملے گا، میں سوچ بھی نہیں سکتا، اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے''۔ اس کے سینے میں چہرہ چھپائے انابیہ کو سید ابتہاج عالم نے بغور دیکھتے ہوئے اس کی پیشانی پر اپنا دہکتا لمس چھوڑ دیا تھا۔

''اب خدا کے لیے اتنی دیر ہو گئی، مگر ابھی تک مجھے میرا جواب نہیں ملا ہے''۔ انابیہ نے سوالیہ لرزتی پلکیں اوپر اُٹھائیں۔

''عید مبارک!'' پھر سے دھیرے سے سرگوشی ہوئی تھی۔

''آپ کو بھی خیر مبارک!'' شرمگیں مسکراہٹ شنگرفی لبوں پر تھی۔ پھر سے وہ خود کو اس کی مضبوط پناہوں میں چھپا گئی تھی، سید ابتہاج عالم نے اس کے گرد اپنی گرفت مزید تنگ کر دی، وہ جتنا سمٹتی جا رہی تھی، سید ابتہاج عالم اس کو اتنا ہی سمیٹتا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لبنیٰ عبید

ناولٹ

طلسمی چاندنی راتیں

سرد ہوا کے یک بستہ جھونکے لٹوں کو چھو کر گزرتے
تو اندر تک ٹھنڈک کی اک لہر دوڑ جاتی' سنسان رات
میں وہ اکیلی بیٹھی اداس نظریں لئے' کسی کو تلاشتی ہوئی
آنکھیں کسی کے دیدار کی تمنائی' کسی کی آمد کی منتظر' نظر

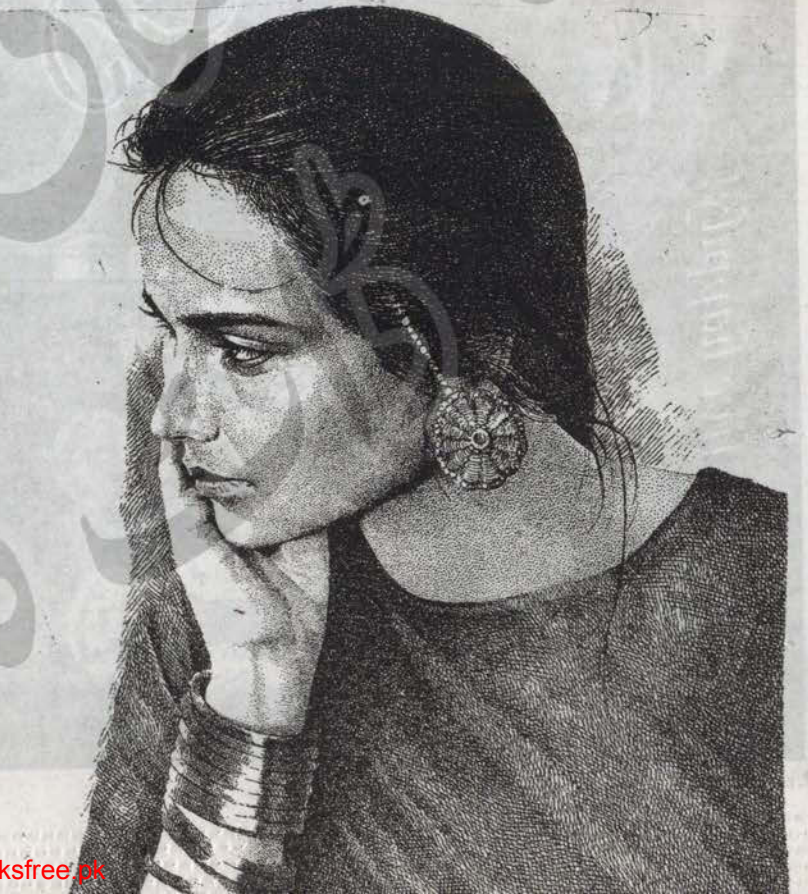

دور تک جاتی پھر ناامید واپس لوٹ آتی' دسمبر کی یہ رات اپنے اندر بہت سے راز چھپائے اسے ہی تک رہی تھی' اس کی تنہائی پر چوٹ کر رہی تھی' جیسے پوچھ رہی ہو کہاں گئی وہ تیری خوشی' شوخی' شرارت' کھنکتی ہوئی ہنسی' جلترنگ سے بج اٹھتے تھے' صبا میں' ایک ارتعاش سا برپا ہوا تھا' سرد ہوا کے جھونکے کو اپنے اندر تک اتارنا اور ایک ہی سانس میں ان کا لطف لینا' وہ سر جھکائے اپنی ہی کسی یاد میں اردگرد سے بے نیاز اس اداسی' تنہائی کے خول میں سمٹ آتی' یہ سرد ہوا اور یہ مناظر اس کے تنہائی کے ساتھی ٹھہرے۔

''کیا ہو گیا حوریہ.....؟ میں تم سے مخاطب ہوں''۔ مزمل نے اسے کندھے سے ہلا کر کہا۔

''نہیں کچھ نہیں بس ایسے ہی''۔ حوریہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر جواب دیا۔

''اچھا یہ بتاؤ ارتضیٰ بھائی کب لینے آ رہے ہیں تمہیں.....؟'' مزمل نے کھڑکی بند کرتے ہوئے پوچھا۔ ارتضیٰ کے نام پر حوریہ کے زخم پھر سے تازہ ہو گئے' ارتضیٰ کی طرف سے ملنے والے دکھ' تکلیف سب ہی یکدم یاد آ گئے۔

لیکن یہ زخم تو خود اس نے اپنے لئے چن لئے تھے'

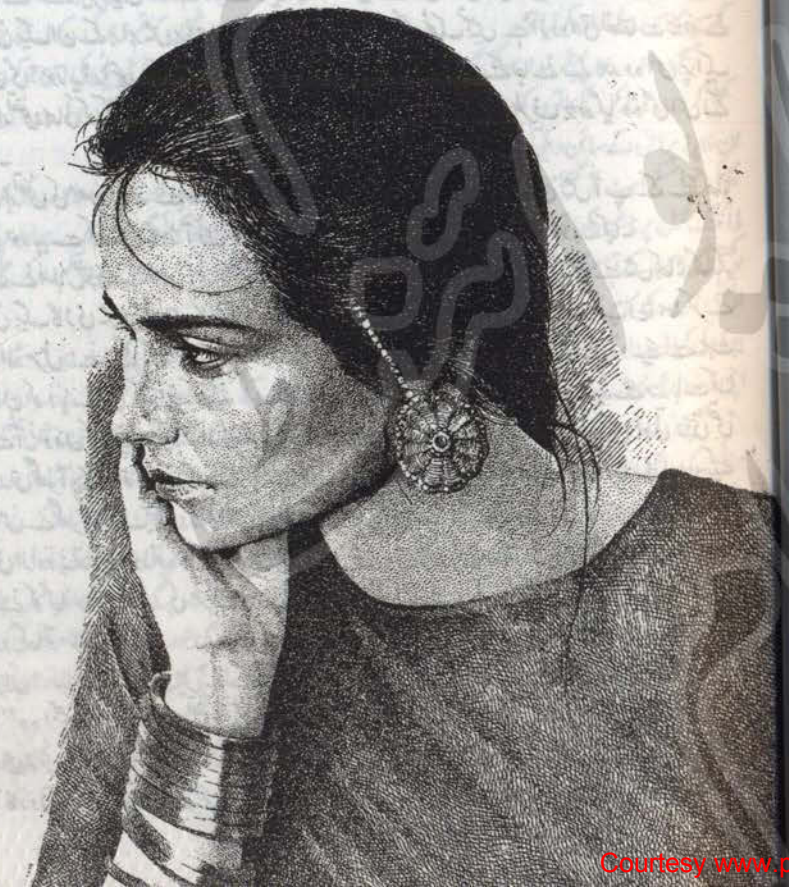

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی ہی غلط حرکتوں کی وجہ سے اور مجبور کیا ارتضیٰ کو کہ وہ اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک روا رکھے۔

"ہاں وہ آفس کے کام میں بزی رہتے ہیں' میں خود ہی چلی جاؤں گی ڈرائیور چھوڑ دے گا"۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ ارتضیٰ اسے قطعی لینے نہیں آئے گا' پر سب کے سامنے اسے اپنے رشتے کا بھرم تو رکھنا تھا' وہ گھر جانا نہیں چاہتی تھی' لیکن مجبور تھی کہ کب تک وہ یہاں اپنے میکے میں رہتی' ممی' پاپا' مزمل سے تو اس نے کچھ بھی شیئر نہیں کیا تھا' خود ہی اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھی۔

"کیا ہوا مزمل! ارتضیٰ آئے گا حوریہ کو لینے.....؟" شائستہ بیگم نے اسے سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھ کر پوچھا' فاروق بیگ ان کے برابر میں براجمان تھے۔

"نہیں ممی! حوریہ ڈرائیور کے ساتھ جائے گی کہہ رہی ہے کہ ارتضیٰ بھائی کو کچھ مصروفیات ہیں"۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں ارتضیٰ کی مصروفیات سے واقف ہوں میں' تم ایسا کرو حوریہ سے کہو میں چھوڑ آؤں گا اسے"۔ فاروق بیگ نے صلاح دی۔

فاروق بیگ گاڑی میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے' وہ ممی اور مزمل سے گلے لگ کر اپنے اندر اٹھنے والے طوفان کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔ بڑی مشکلوں سے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا' گاڑی میں چپ چاپ بیٹھی رہی گھر آچکا تھا' فاروق بیگ نے اترنے کا اشارہ کیا' اس نے گھر کی طرف نظر دوڑائی اس کا یہاں آنے کا قطعی ارادہ نہ تھا' سو مجبوراً وہ اتری فاروق بیگ کو اندر آنے کو کہا' دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے' ملازمہ نے دیکھا تو سلام کیا۔

"شیراں! صاحب کہاں ہیں' آگئے آفس سے.....؟" وہ ابھی ملازمہ سے ارتضیٰ کے بارے میں پوچھ ہی رہی تھی' جب ہی وہ سامنے سے آتا دکھائی دیا' فاروق بیگ کے گلے لگ کر بڑے تپاک سے ملا' وہ شاید آفس سے ہی آرہا تھا' حوریہ کو اس شخص کے دوغلے پن پر بڑی حیرت ہوئی' وہ اندر تک تپ کر رہ گئی' کچھ لوگ کیسے ہوتے ہیں جو اپنے چہروں پر طرح طرح کے نقاب لگائے پھرتے ہیں کہ دوسرا بندہ تو بے وقوف ہی بن جائے' پاپا کو کیا معلوم کہ سامنے بیٹھا شخص کتنا بڑا اداکار ہے' کچھ دیر فاروق بیگ اور ارتضیٰ بیٹھ کر باتیں کرتے رہے' وہ اپنے کمرے میں آگئی جب فاروق بیگ جانے لگے' تو وہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی' ساتھ میں ارتضیٰ بھی کھڑا تھا ان کے سامنے تو ایسا رویہ رکھے ہوا تھا کہ جیسے ان دونوں کے مابین بہت اچھے تعلقات ہوں' اس لئے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان دونوں کے بیچ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے' ازدواجی تعلقات نہ ہونے کے برابر تھے' ان کے جانے کے بعد وہ اس پر ایک نگاہ غلط ڈال کر اندر کی طرف بڑھ گیا' وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"آپ فریش ہو جائیں' میں آپ کے لئے کھانا لگواتی ہوں"۔ ساتھ ہی چلتے ہوئے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں کھانا کھا کر آیا ہوں"۔ وہ اسے درشتگی سے جواب دیتا ہوا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ حوریہ ارتضیٰ کے رویئے سے بہت دلبرداشتہ رہنے لگی تھی' وہ اس سے سیدھے منہ بات کرنا گوارہ نہیں کرتا تھا' وہ گھر میں بور ہی ہوتی رہتی تھی' ارتضیٰ کو اس کی کوئی فکر نہ تھی کہ وہ اپنا سارا دن کیسے گزارتی ہے کیا کرتی ہے؟ بور تو نہیں ہوتی' وہ ان شوہروں کی طرح نہ تھا جو بیویوں کا خیال رکھتے ہیں' قدر کرتے ہیں وہ تو حوریہ کی بے قدری کیا کرتا تھا' اس سے بے خبر رہتا تھا' انجان بنا رہتا تھا کہ اس کے ساتھ اس گھر میں ایک وجود اور موجود ہے' وہ ایسا کیوں کرتا تھا' خود سے کرتا تھا یا جان بوجھ کر۔

"ان کاغذات پر تم سائن کر دو' ویسے مجھے دوسری شادی کرنے کے لئے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں

ہے' پر ابھی تک تم میری بیوی ہو تو اتنا حق تو بنتا ہے تمہارا"۔ ارتضیٰ اس سنگ دلی سے بول رہا تھا کہ حوریہ چکرا کر رہ گئی۔

"آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں پلیز ایسا نہ کریں مجھے اتنی بڑی سزا مت دیں"۔ وہ التجائی لہجے میں گڑگڑانے لگی۔

"میں جو کر رہا ہوں' مجھے پتہ ہے میں ٹھیک کر رہا ہوں اور تم سے کیا امید رکھوں حوریہ بیگم! جو آپ نے کیا ہے نا اس کے لئے یہ سزا بہت کم ہے"۔ وہ تو اس پر طنز کے تیر ہی برسانے لگا۔ اتنا کہہ کر اس نے لائٹ آف کی اور لیٹ گیا' حوریہ بے آواز اپنے آنسو بہاتی رہی' پر حوریہ کو اب تنہائی میں رہنے کی عادت ہو گئی تھی' سب کچھ سہنے کا اس نے ارادہ کر لیا تھا۔

صبح وہ اس سے پہلے بیدار ہو گئی تھی' ارتضیٰ کی آنکھ کھلی کروٹ لے کر دیکھا تو وہ کمرے میں موجود نہ تھی' پر ان پیپرز پر اس کے سائن دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آگئی' وہ فریش ہو کر نیچے آیا تو ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ رکھا تھا' حوریہ اس کی ہر چیز کا خیال رکھتی تھی' اس کے تمام کام بخوبی انجام دے رہی تھی' پر ارتضیٰ اس کے کام میں صرف نقص ہی نکالتا تھا' ایک بیوی کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے وہ نبھا رہی تھی' جبکہ ارتضیٰ اپنی ذمہ داری نبھانے سے قاصر تھا۔

"پتہ ہے حوریہ! ممی پاپا نے تمہاری شادی ارتضیٰ بھائی کے ساتھ طے کر دی ہے' مجھے تو ارتضیٰ بھائی بہت اچھے لگتے ہیں اور وہ تمہارے ساتھ کتنے اچھے لگیں گے"۔ مزمل اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی' حوریہ یکدم سناٹے میں آگئی۔

"کیا کہا تم نے مجھ سے پوچھے بغیر ممی پاپا نے میرا رشتہ طے کر دیا' اس ارتضیٰ سے جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا ہے' وہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا ہے"۔ اس کا غصے سے برا حال تھا۔

"پر حوریہ! ممی پاپا نے کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے' وہ عرفان انکل کے بیٹے ہیں اور پاپا اور عرفان انکل کتنے اچھے دوست ہیں' عرفان انکل بھی چاہتے ہیں"۔ مزمل کو حوریہ کا منع کرنا کچھ اچھا نہ لگا۔

"نہیں میں ممی پاپا سے خود بات کروں گی' مجھے اس سے شادی نہیں کرنی ہے"۔ وہ ایک حتمی فیصلہ کر کے اٹھی' شائستہ بیگم کو حوریہ کے انکار کا پتہ چلا تو وہ تو آگ بگولا ہو گئیں۔

"تم ہوش میں ہو کیا کہے جا رہی ہو' اگر تمہارے پاپا نے سن لیا تو جانتی ہو کیا ہو گا"۔

"ممما! مجھے اپنی مرضی سے زندگی جینے کا حق ہے"۔ وہ ان سے زبان چلانے لگی۔

"حوریہ! ہم نے تمہیں اتنی آزادی دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم زندگی کے اتنے بڑے فیصلے بھی خود کرتی پھرو"۔ وہ اپنی بیٹی کی اس حرکت و جرات پر حیران تھیں حوریہ نے کبھی ان سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

"ہم نے بھابی اور بھائی صاحب کو ہاں کہہ دی ہے' اب انکار کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ فضول کی ضد چھوڑو سمجھیں تم"۔ وہ اسے اپنا حکم سنا کر چلی گئیں وہ سر تھام کر رہ گئی۔

"شارق! میرے پاپا نے میری شادی اپنے دوست کے بیٹے سے طے کر دی ہے"۔ وہ اپنے کالج کے فرینڈ شارق کے ساتھ ریسٹورنٹ میں بیٹھی تھی' اور تمام روداد جھکی نظروں سے سنا رہی تھی' شارق سے اس کی دوستی تھی اور وہ کلاس فیلو بھی تھے' شارق نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے حوریہ کو اپنا اسیر کر لیا تھا' اس کی نظر تو صرف اس کی دولت پر تھی' وہ تو کئی اور افیئر چلا چکا تھا' جس سے بے خبر تھی حوریہ' اس جیسی معصوم لڑکی کو وہ اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور وہ اس کی محبت کو سچ سمجھ بیٹھی تھی۔

"تو یار! کچھ کرو میں تمہارے بغیر نہیں رہ پاؤں گا"۔ شارق بے تابی سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کیا کروں شارق! میں مجبور ہوں''۔ حوریہ نے اداسی سے کہا۔

''اچھا تم ایک کام کرو' تمہارے پیرنٹس جہاں کہتے ہیں وہیں شادی کرلو تھوڑے دن تک تو تم اپنے شوہر سے لڑنا جھگڑنا' حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ تمہیں طلاق دینے پر راضی ہوجائے' پھر تم میرے پاس چلی آنا' تمہارے لئے تو میرے تمام دروازے کھلے ہیں''۔ وہ اسے انتہائی گھٹیا مشورہ دینے لگا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے' کیا کہہ رہے ہو یہ.....؟'' حوریہ کو اس کی بات سن کر اندر تک جھرجھری آ گئی۔

ارتضیٰ آج بہت دنوں بعد ریسٹورنٹ میں آیا تھا' پر جب وہ اندر داخل ہوا تو اس کی نظر حوریہ پر پڑی' وہ دنیا جہاں سے بے خبر شارق سے باتوں میں مگن تھی' ارتضیٰ اسے کسی غیر لڑکے کے ساتھ دیکھ کر اپنی مٹھیاں بھینچ گیا' بہرکیف وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھا' سخت طیش کے عالم میں اس نے حوریہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے کھڑا کردیا' حوریہ تو اسے وہاں دیکھ کر ایکدم بھونچکا سی رہ گئی' شارق بھی یکدم گھبرا اٹھا۔

''اے مسٹر! یہ میری بیوی ہے' آئندہ اب میں تمہیں اس کے ساتھ نہ دیکھوں''۔ شارق تو ارتضیٰ کی اتنی دم دار شخصیت دیکھ کر ڈر ہی گیا' وہ سمجھ گیا کہ یہی ارتضیٰ ہے۔ ارتضیٰ' حوریہ کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے گاڑی تک لایا فرنٹ ڈور کھولا اور اسے دھکا دے کر دروازہ بند کردیا پھر ڈرائیورنگ سیٹ سنبھال لی' وہ گاڑی بہت ہی تیز ڈرائیو کررہا تھا' حوریہ پہلے تو اس سے ڈرتی رہی پر پھر ہمت کرکے اس نے بات شروع کی۔

''شارق میرا کلاس فیلو ہے' وہ مجھے پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے مجھ سے' اور میں بھی اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں آپ سے نہیں''۔

''جسٹ شٹ اپ حوریہ!'' وہ دھاڑا' حوریہ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا' وہ اندر تک لرز کر رہ گئی۔

''تمہیں تو کوئی پرواہ نہیں ہے اپنے والدین کی عزت کی' پر مجھے ہے اور جیسا میرے والدین کہیں گے' میں ویسا ہی کروں گا' ان کی عزت کو تمہاری طرح مٹی میں نہیں ملا سکتا ہوں''۔ وہ یہ بول کر خاموشی سے آگے کی طرف دیکھنے لگا۔

''پر میں آپ سے شادی نہیں کروں گی' میں کبھی آپ کو اپنا شوہر نہیں مانوں گی' کیونکہ آپ میں اور شارق میں بہت فرق ہے' وہ عورتوں کی عزت کرنے والا ایک اچھا انسان ہے''۔ وہ بھی اس سے ہار ماننے والی نہ تھی۔

''اچھا انسان.....'' وہ یہ کہہ کر استہزائیہ ہنسی ہنسا۔

''یہ تو وقت بتائے گا''۔ گھر آچکا تھا وہ اسے اتار کر چلا گیا جبکہ حوریہ اڑتی ہوئی دھول کو دیکھتی رہ گئی۔

☆

عرفان صاحب اور ان کی بیگم زرینہ اپنے ارتضیٰ کی شادی پر بہت خوش دکھائی دے رہے تھے' زرینہ بیگم تو حوریہ کی بلائیں ہی لئے جارہی تھیں۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہے نا میری بہو''۔ انہوں نے شائستہ بیگم سے کہا وہ بھی مسکرادیں' حوریہ اسٹیج پر بیٹھی بس اپنے سپنوں کے ٹوٹ جانے کا ماتم ہی منانے لگی' دل چاہ رہا تھا اٹھ کر بھاگ جائے یہاں سے' پہلو میں بیٹھے ہوئے ارتضیٰ سے سخت کوفت ہورہی تھی۔ شادی کی رسومات سے فراغت ملی تو زرینہ بیگم نے حوریہ کو کمرے میں لے جاکر بٹھا دیا' سو مجبوراً ارتضیٰ کو بھی جانا پڑا' وہ وہاں موجود نہ تھی بلکہ واش روم سے چینج کرکے باہر نکلی تھی' ارتضیٰ کو اس سے اسی بات کی توقع تھی' وہ بہت تھک چکا تھا اس لئے فریش ہوکر بیڈ پر ہی لیٹ گیا۔

''آپ یہاں لیٹیں گے تو میں کہاں لیٹوں گی.....؟'' وہ اسے بیڈ پر ہی لیٹا دیکھ کر بولی۔

''یہ میرا کمرہ ہے' میں تو یہیں سوؤں گا' بہرحال تمہیں جہاں ایڈجسٹ ہونا ہے ہوجاؤ اوکے''۔ کہہ کر

کروٹ بدل کر لیٹ گیا' وہ بھی بہت تھک چکی تھی' تب اس نے یہ اطمینان کرلیا کہ وہ سوچکا ہے تو وہ بھی بیڈ کے کونے پر ہی لیٹ گئی' بیڈ کے علاوہ اسے کہیں اور نیند نہیں آتی تھی' وہ بے خبر گہری نیند سوگئی' صبح جب آنکھ کھلی تو اس نے نظر دوڑائی' ارتضیٰ اٹھ چکا تھا' وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھ گئی' کمرے میں زرینہ بیگم داخل ہوئیں' اسے اٹھتا دیکھ کر مسکرائیں' حوریہ کو کچھ شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ اتنی دیر تک سوتی رہی۔

''بیٹا! اٹھ جاؤ میں تم لوگوں کے لئے ناشتہ لگواتی ہوں''۔ ارتضیٰ بھی آچکا تھا' وہ ان دونوں کو دیکھ کر بولیں' ارتضیٰ اسے نظر انداز کرکے شیشے کے پاس کھڑے ہوکر بال بنا کر چلا گیا' حوریہ اپنی اس بے قدری پر کھول کر رہ گئی۔ وہ نیچے آئی انکل آنٹی اور ارتضیٰ کو بیٹھے پایا وہ سب اس کا انتظار کررہے تھے' اس نے عرفان انکل کو سلام کیا' انکل' آنٹی کے ساتھ تو حوریہ پہلے ہی سے اچھی طرح ملتی تھی' اب تو بات ہی کچھ اور تھی پر سامنے بیٹھے شخص پر جب نظر اٹھی' اس نے منہ بنا کر نظریں نیچی کرلیں' ارتضیٰ نے باقاعدہ یہ سب نوٹ کیا۔

''اچھا بیٹا! اب کل کی فلائٹ ہماری ہے''۔ زرینہ بیگم نے ارتضیٰ کی طرف دیکھ کر اطلاع دی۔

''اور ویسے بھی طلال بھی نہ آسکا تمہاری شادی میں بزنس میں جو اتنا بزی تھا''۔

''ہاں مما! طلال کی تو خوب خبر لوں گا' میری شادی میں نہیں آسکا' اب اسے کہئے گا کہ شادی میں نہیں آیا تو اب تو آجائے اور ویسے بھی شادی آپ لوگوں نے اتنی ارجنٹ کردی''۔ ارتضیٰ حوریہ کی جانب کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

عرفان صاحب اور زرینہ بیگم اپنے چھوٹے بیٹے طلال کے ساتھ امریکا میں ہی شفٹ تھے' ارتضیٰ بھی ان کے ساتھ ہی رہتا تھا' پر وہ اب پاکستان میں ہی اپنا بزنس سنبھالے ہوئے تھا' عرفان صاحب کا امریکا سے اپنا بزنس وائنڈ اپ کرنے کا ارادہ تھا اور مستقبل میں پاکستان میں شفٹ ہونے کا ارادہ تھا' ارتضیٰ بھی کافی فورس کرچکا تھا' بہرکیف عرفان صاحب اور زرینہ بیگم امریکا روانہ ہوچکے تھے اور حوریہ کو اب پھر سے وہی بوریت رہنے لگی تھی' ارتضیٰ اسے گھر لاکر بھول ہی چکا تھا' حوریہ ممی' پاپا سے تو کچھ کہہ نہ سکتی تھی کہ ارتضیٰ سب کے سامنے تو ایسے جتاتا تھا کہ ان کے درمیان واقعی اچھے تعلقات ہیں' اور اکیلے میں پھر وہی لاتعلقی انجان بن جاتا تھا' فاروق بیگ' شائستہ بیگم ان دونوں کی طرف سے مطمئن تھے۔ حوریہ کی بھی کوئی زندگی تھی وہ اسے مسلسل اگنور کئے جارہا تھا اور آج دوسری شادی کی بات کہہ کر تو وہ اسے صدمے کی کیفیت میں ڈال گیا تھا' حوریہ اپنے ساتھ ہونے والے انجام کی ذمہ دار خود تھی سو وہ خاموشی سے بھگت رہی تھی۔

☆

آج شام میں جب وہ مزمل کے ساتھ شاپنگ پر گئی تو اسٹاپ پر گاڑی رکی اس نے یوں ہی نظر دوڑائی تو کچھ دور گاڑی میں ارتضیٰ کسی لڑکی کے ساتھ خوشگوار موڈ میں دکھائی دیا' اس نے مزمل کی طرف دیکھا وہ کسی سے فون پر بات کررہی تھی وہ نہیں دیکھ پائی تھی' سگنل کھل چکا تھا اور ارتضیٰ کی گاڑی آگے بڑھ گئی تھی' اور شاپنگ پر آکر قدرے اس کا موڈ بحال تھا' اب بگڑ چکا تھا' وہ مزمل کو گھر ڈراپ کرکے گھر آگئی اور اپنے روم کا لاک لگا کر بیڈ پر گر کے بے تحاشہ رونے لگی' عرفان صاحب اور زرینہ بیگم چلے گئے تھے' تو ارتضیٰ اب دوسرے کمرے میں ہی شفٹ ہوگیا تھا' ان دونوں کے سامنے تو مجبور تھا ایک کمرے میں رہنے پر' حوریہ نے آنسوؤں کی صورت اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا تھا' اب وہ اٹھی منہ دھویا اور اپنا حلیہ درست کیا اور نیچے آگئی' وہ ارتضیٰ کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی' وہ اسے بتا دینا چاہتی تھی کہ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے' یہ سب کرنا اتنا سہل نہ تھا وہ بمشکل اس کی طرف آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کے لئے کھانا لگواؤں.....؟" وہ نظریں جھکائے پوچھ رہی تھی' ارتضیٰ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا' اترا ہوا چہرہ' سوجی سوجی آنکھیں جیسے وہ بہت دیر تک روئی ہو وہ اسے صرف دیکھ کر ہی رہ گیا۔

"ہاں لگواؤ میں آتا ہوں"۔ جب اس نے کہا تو وہ وہاں سے چلی گئی' پر حوریہ کا چہرہ ارتضیٰ کو بے چینی میں ڈال گیا' وہ ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی' ارتضیٰ ایک اچٹتی ہوئی نظر اس پر ڈال کر بولا۔

"تمہارے چہرے کو کیا ہوا' اتنا اترا ہوا ہے جیسے تم بیمار ہو"۔ اس کا انداز کریدنے والا تھا۔

"نہیں تو وہ میری کل رات نیند پوری نہیں ہوئی تھی ناں تو اس وجہ سے"۔ حوریہ ایکدم گڑبڑا گئی تھی۔

"حوریہ! کہیں تمہیں یہ بات تو پریشان نہیں کر رہی کہ میں تمہاری جگہ کسی اور کو دے رہا ہوں' دوسری شادی کر رہا ہوں"۔ اس نے طنزیہ کہا' حوریہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔

"آپ اتنے خوش فہم کب سے ہو گئے' اور ایک بات یاد رکھیں کہ آپ چاہے کتنی شادیاں کر لیں مجھے اس سے کیا"۔ غصے سے اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ ارتضیٰ نے بڑے غور سے اس کے لال ہوتے چہرے کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

"پر کیا کروں مجبور ہوں میں' شادی تو میں شانزے سے ہی کروں گا' وہ ایک اچھی بیوی ثابت ہو گی' تم تو ناکام ہو گئی ہو' پر فکر نہ کرو ملنے آتا رہوں گا تم سے اور شانزے کو اپنے ساتھ کہیں اور رکھوں گا"۔ وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا' وہ صرف اسے دیکھ کر وہاں سے چلی گئی' ارتضیٰ کچھ خاص اندازہ نہ لگا پایا کہ آخر وہ کیا چاہتی ہے وہ سر جھٹک کر کھانا کھانے لگا۔

آج شام سے ہی موسم ابر آلود تھا' لگتا تھا کہ جیسے بہت زور سے بارش آنے والی ہو' رات میں وہ اپنے کمرے میں ہی تھی' جب ہی بہت زور سے بجلی کڑکنے کی آواز آئی' وہ اتنی رات میں بجلی کڑکنے سے ڈر ہی گئی تھی' وہ بہت ڈرتی تھی جب اس طرح بجلی کڑکنے کی آواز آتی' مزمل تو اس کا مذاق اڑاتی کہ کیا بچوں کی طرح ڈرتی رہتی ہو' گھر پر تو مزمل اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی تو وہ خوف زدہ تب بھی ہوتی تھی' پر آج وہ اس کمرے میں اکیلی تھی' خوف سے کانپ رہی تھی' کھڑکی سے بجلی کی چمک آتی تو وہ مزید خوفزدہ ہو جاتی' اس لئے اس نے کمرے کی لائٹ آن کر دی' اب وہ بیڈ پر بیٹھی' آنکھیں بند کر کے بارش کے رکنے کا اور آواز کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"شیراں! بی بی کہاں ہیں.....؟" ارتضیٰ نے ملازمہ سے اس کے بارے میں پوچھا۔

"صاب جی! وہ تو اپنے کمرے میں ہوں گی"۔ اسے قطعی معلوم نہ تھا کہ بی بی کہاں ہیں' وہ تو خود اپنے کوارٹر میں جا رہی تھی اتنی تیز بارش جو ہو رہی تھی۔

"اچھا تم بھی جاؤ اور دروازہ لاک کر لینا ٹھیک سے"۔ ارتضیٰ' شیراں کو ہدایت دیتا ہوا حوریہ کو دیکھنے کے لئے اس کے کمرے تک آیا' اس کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی' اس نے ناب گھمائی تو دروازہ کھل گیا تھا' اندر سے لاک نہیں لگا تھا وہ اندر کی طرف بڑھ گیا تھا' بیڈ پر وہ جس طرح بچوں کی طرح بیٹھی تھی کوئی بھی اسے دیکھ کر ہنس پڑتا' وہ اپنی ہنسی دباتے ہوئے آگے بڑھ اور کندھا ہلا کر اسے آواز دی بے اختیار ہی حوریہ کسی کو اپنے پاس موجود پا کر اس کے ہاتھ پکڑ کر اس کے گلے سے لگ گئی وہ اس وقت محفوظ پناہ گاہ چاہتی تھی' اتنی خوف زدہ تھی کہ اسے پتہ تک نہ چلا کہ وہ کس کے گلے سے لگ گئی ہے' دوسری طرف ارتضیٰ اس کے اس طرح اچانک ہی گلے لگ جانے پر حیرانگی کی زد میں تھا' حوریہ کا وجود اسے ایک لطیف سا احساس بخش رہا تھا' دل میں ایک ٹھنڈی چھاؤں کا احساس ہوا تھا' وہ بمشکل اسے خود سے الگ کر کے پوچھنے لگا۔

"کیا ہوا حوریہ! تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو.....؟"

"مجھے اس بارش اور بجلی کے کڑکنے سے بہت ڈ

لگتا ہے"۔ وہ کہہ کر دوبارہ اس کے سینے سے جا لگی۔

آج تو وہ ارتضیٰ کو امتحان میں ڈال رہی تھی' حوریہ کی اتنی قربت' ارتضیٰ کے لئے کسی امتحان سے کم نہ تھی وہ کرتا تو کیا کرتا' اس کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا اسے خود سے الگ کرنے کا پر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اس نے اسے بیڈ پر بٹھایا۔

"دیکھو! ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے' تم کمرے میں ہو باہر تو نہیں' تو پھر اتنا کیوں ڈر رہی ہو' بہادر بنو حوریہ! کیا بچوں کی طرح ڈر رہی ہو"۔ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھانے لگا' بارش اب رک چکی تھی اور بجلی بھی کڑکنا بند ہو گئی تھی وہ ایکدم سے اس سے الگ ہوئی اور دور ہو کر بیٹھ گئی' خوف کی کیفیت میں وہ کیا حماقت کر گئی تھی' وہ شرمندہ سی نظریں جھکائے ادھر ادھر دیکھنے لگی اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔

"میں اب ٹھیک ہوں' میں سونا چاہتی ہوں آپ جائیں"۔ وہ اسے وہاں سے بھگا دینا چاہتی تھی کہ کہیں وہ اس کی دھڑکنوں کا شور نہ سن لے' وہ اس پر کچھ عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی' ارتضیٰ بھی اس کا گریز محسوس کر کے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا' اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا' پوری رات دونوں ہی بے چین رہے' حوریہ کو اپنی بے اختیار حرکت پر جہاں غصہ آ رہا تھا وہیں اسے یہ احساس ہوا کہ وہ کتنا شدت سے اس شخص کو چاہنے لگی ہے' کہاں تو وہ اس سے شادی کرنے سے انکاری تھی' کہاں آج اس کی یہ کیفیت تھی کہ ارتضیٰ کو وہ چاہنے لگی تھی' شادی کا بندھن ایک پاکیزہ بندھن ہے محبت کا جذبہ تو آج اس کے اندر ابھر کر سامنے آیا تھا' وہ بھی ارتضیٰ کے لئے وہ شارق کو پسند کرتی تھی پر محبت اس سے نہ کر پائی تھی محبت تو وہ بھی جو آج اس کے دل میں ارتضیٰ کے لئے تھی۔ ارتضیٰ کی پوری رات کروٹیں لیتے ہوئے گزری' حوریہ کا لمس اسے ابھی تک اپنے وجود میں محسوس ہو رہا تھا' حوریہ کا اس طرح پاس آ کر اتنے حق سے گلے لگ جانا' اسے اندر تک شانت کر گیا۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر ارتضیٰ بڑے ہی موڈ میں تھا' وہ بڑی ہی محبت بھری اور شرارتی نظروں سے حوریہ کو اپنی نظروں کے حصار میں لئے ہوئے تھا' حوریہ اس کی نظروں کی تپش محسوس کر رہی تھی' اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی' پہلے ہی وہ حماقتیں کر چکی تھی' ارتضیٰ جانتا تھا کہ حوریہ اس سے شرمندہ ہے' ندامت اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھ لی تھی' اگر وہ خود پہل کر لیتی تو ارتضیٰ کو زیادہ خوشی ہوتی' وہ جانتا تھا کہ جب اس نے دوسری شادی کا ذکر حوریہ سے کیا تھا تو کس طرح اس نے ری ایکٹ کیا تھا اس نے کچھ ظاہر نہ کیا پر وہ اس کا رویہ محسوس کر چکا تھا۔

"شیراں! کل جیسی بارش کا امکان ہے کیا آج بھی کل کی بارش میں تو واقعی کچھ خاص تھا"۔ وہ شیراں سے مخاطب تھا پر دیکھ حوریہ کی طرف رہا تھا' حوریہ اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ چکی تھی اس لئے ارتضیٰ کو دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

"پتہ نہیں صاب جی! شاید آج بھی ہو"۔ شیراں وہاں کھڑی ارتضیٰ سے بات کرنے لگی' وہ جا چکی تھی اور اس نے شیراں کو بھی آواز دے کر کچن میں بلا لیا تھا' ارتضیٰ کے لبوں پر مدھم تبسم بکھر گیا۔

"حوریہ! آج رات کی فلائٹ سے طلال آ رہا ہے تم ایسا کرو ایک کمرہ سیٹ کروا دو"۔ وہ لاؤنج میں آئی تو ارتضیٰ نے اس سے کہا۔

"جی اچھا ٹھیک ہے"۔ وہ کہہ کر مڑ گئی تھی جبکہ ارتضیٰ اسے ہی دیکھ رہا تھا' سوچ رہا تھا آخر کیا ہے اس کے دل میں کیا کرنا چاہتی ہے وہ ایسا کیوں کر رہی ہے' بہر کیف رات میں طلال آیا تو بھائی کے گلے لگ گیا اور شکوہ بھی کر ڈالا کہ اس کے بغیر اس نے شادی کر لی' حوریہ سے بھی ملا' ارتضیٰ کے کان میں جا کر اس نے سرگوشی کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واؤ بھائی! بھابی تو بہت زبردست ہیں"۔ جس پر ارتضیٰ کا ایک جاندار قہقہہ بلند ہوا' اور حوریہ کھڑی دونوں بھائیوں کی گفتگو سے نروس سی ہوگئی' طلال بہت کم پاکستان آتا تھا اس بار وہ بہت عرصے بعد پاکستان آیا تھا' پر وہ جلد ہی سب سے گھل مل جاتا تھا' یہ ہی وجہ تھی کہ وہ حوریہ سے ایسے بات کررہا تھا کہ جیسے ان میں بہت اچھی بات چیت ہوا' اور حوریہ کو بھی اس سے بات کرنے میں اب جھجک محسوس نہیں ہورہی تھی' طلال نے آتے ہی حوریہ سے دوستانہ رویہ اپنالیا تھا' حوریہ طلال سے بات کرتے ہوئے مسکراتی اس سے مذاق کرتی' جب کہ ارتضیٰ دیکھتا تو اسے دیکھ کر رہ جاتا۔

"ایک میں ہی ہوں جس سے تم بات کرنا پسند نہیں کرتیں"۔ وہ افسردہ سا ہوکر سوچتا۔

"اب طلال کی موجودگی میں تم اپنے کمرے میں نہ سوؤ تو اچھا ہے' ورنہ ہم دونوں کو الگ الگ کمروں میں دیکھ کر طلال کو کچھ غلط محسوس نہ ہو' اور میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ جب تک طلال ہے' تم میرے کمرے میں ہی رہو"۔ وہ کہہ کر رکا نہیں چلا گیا تھا' پیچھے کھڑی حوریہ کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوا تھا' اسے کمرے میں جانا پڑا وہ بیڈ پر نیم دراز کسی کتاب کی ورق گردانی کررہا تھا' اور کمرے میں آتے ہوئے اس نے اسے دیکھ لیا تھا' پھر بھی کتاب پڑھنے میں مشغول رہا۔

"مجھے بیڈ کے علاوہ کہیں نیند نہیں آتی آپ ایسا کریں کہ صوفے پر سوجائیں"۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"واہ محترمہ! یہ مت بھولیں کہ آپ میرے کمرے میں ہیں اور مجھے ہی صوفے پر سونے کا بول رہی ہیں"۔ وہ تو اس کی بات پر حیران ہی ہوگیا۔

"تو پھر میں آپ کے ساتھ اس بیڈ پر نہیں سو سکتی"۔ اس نے صاف انکار کیا۔

"بے فکر ہوکر سوجاؤ' جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا نہیں ہے' مجھے تم میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے' کجا کہ تمہیں ہاتھ بھی لگاؤں"۔ کہہ کر لائٹ آف کرکے لیٹ گیا تھا۔

حوریہ اپنی اتنی تذلیل پر اپنا غصہ ضبط کرکے وہیں اس کے برابر میں لیٹ گئی' جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ ارتضیٰ کے بالکل قریب تھی' اس کے ہاتھ پر اس کا سر رکھا ہوا تھا' وہ ایک عجیب سے احساس میں گھر گئی' ارتضیٰ کے بدن سے اٹھتی خوشبو اسے مدہوش کیے جارہی تھی' اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ سو رہا تھا۔ اٹھی ہوئی ستواں ناک' کسرتی جسم وہ اسے دیکھے گئی' دل اس کے پہلو میں لیٹے رہنے کی ضد کرنے لگا' وہ گہری نیند میں تو تھا تو کیا فرق پڑتا اگر وہ اسی طرح لیٹی رہے نہیں پھر وہ اس ڈر سے کہیں وہ اٹھ نہ جائے فوراً ہی اٹھ بیٹھی پر بے اختیار ہی وہ اسے دیکھے جارہی تھی اور بے اختیار ہی اس نے ارتضیٰ کے گال پر اپنے لب رکھ دیے اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی ارتضیٰ جو کہ سو نہیں رہا تھا سونے کی ایکٹنگ کررہا تھا اس کے اس انداز پر آنکھیں کھول کر اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر بڑی دلچسپی سے مسکرا اٹھا۔

"یہ پاگل لڑکی' واقعی پاگل کردے گی مجھے"۔ اس نے خود سے سرگوشی کی۔ وہ حوریہ کی بے تابیوں اور حماقتوں سے بہت لطف اندوز ہوتا اور یہ چاہتا تھا کہ حوریہ پورے دل سے بغیر کسی خوف کے' ندامت کے اس کے قریب آئے نہ کہ ڈر ڈر کے۔

☆

آج دوپہر کھانے پر فاروق بیگ نے حوریہ' ارتضیٰ' طلال کو مدعو کیا' طلال کی وجہ سے' وہ اتنے سالوں بعد پاکستان آیا تھا' طلال فاروق بیگ اور شائستہ بیگم سے پرتپاک انداز سے ملا' گھر میں تو آج واقعی رونق لگی ہوئی تھی' حوریہ کا موڈ قدرے بہتر تھا وہ اپنے آپ کو خوش محسوس کررہی تھی' جبکہ طلال مزمل کی معصومیت' پاکیزہ صورت میں الجھ کر ہی رہ گیا

مزمل' ارتضیٰ کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی جب ہی ارتضیٰ نے دیکھا کہ طلال کتنے جذب سے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"بس کر بھائی! اتنا نہ گھور وہ جاچکی ہے"۔ اس نے اس کی محویت کو توڑا' طلال تھوڑا خجل ہوکر مسکرانے لگا۔

"ہوں..... تو ایسے کیوں دیکھے جارہا تھا مزمل کو"۔ ارتضیٰ نے طلال کو چھیڑتے ہوئے ہنکارہ بھرا۔

"کچھ نہیں بھائی! آپ بھی"۔ وہ سر ہلا کر منع کرنے لگا۔

"تو کیا میں آنٹی' انکل سے بات کروں کہ میری سالی صاحبہ میرے بھائی کا دل لے گئی ہے"۔ ارتضیٰ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"کیا بھائی"۔ طلال ایکدم اچھل پڑا' پھر بعد میں خود ہی کھسیا گیا۔

"ہاں بیٹا! بات تو چلانی پڑے گی تمہاری' اتنی بے قراری دیکھ کر مما' پاپا کو بھی بتانا پڑے گا' اب جلد از جلد اپنے بیٹے کو ٹھکڑی لگادیں"۔

"کیا باتیں ہورہی ہیں.....؟" مزمل ان دونوں کو گفتگو دیکھ کر وہیں چلی آئی۔

"کچھ نہیں سالی صاحبہ! بس کچھ ایسے ہی"۔ ذو معنی بات کہہ کر ارتضیٰ طلال کی طرف دیکھنے لگا' مزمل کے یہاں آنے پر اس کے چہرے پر خوشی کی ایک رمق دوڑ گئی۔

"چلیں تو یہاں کیوں کھڑے ہیں' وہاں چل کر بیٹھیں' حوریہ نے چائے بنادی ہے"۔ اس نے ڈائننگ روم کی طرف اشارہ کیا اور آگئی جبکہ ارتضیٰ طلال کو دیکھ کر ابرو اچکا کر اسے آگے بڑھنے کا کہنے لگا۔

☆

پہلے ارتضیٰ نے عرفان صاحب اور زرینہ بیگم سے طلال اور مزمل کے رشتے کے بارے میں بات کی' وہ تو بہت خوش تھے کہ اگر طلال راضی ہے تو انہیں کوئی اعتراض نہ تھا' وہ حوریہ جیسی بہو پاکر مطمئن تھے' مزمل انہیں پسند بھی تھی' عرفان صاحب نے فاروق بیگ سے مزمل کا رشتہ مانگ لیا' فون پر ہی انہوں نے بات کی' فاروق بیگ' شائستہ بیگم حیران بھی تھے اور خوش بھی انہیں دوسرا داماد بھی اچھا مل رہا تھا' وہ اپنے رب کے شکر گزار تھے۔

عرفان صاحب نے فاروق بیگ سے کہہ دیا تھا کہ وہ مستقل ہی پاکستان شفٹ ہوں گے' تب ہی طلال اور مزمل کی شادی کریں گے' حوریہ خوش تھی کہ اس کی بہن کو اتنا اچھا جیون ساتھی ملا' عرفان صاحب نے طلال اور مزمل کو اپنے ساتھ ہی جہاں انہوں نے بنگلہ لیا تھا' اپنے ساتھ رکھا' جبکہ ارتضیٰ کا اپنا خود کا گھر تھا' اس لئے وہ ملنے آجایا کرتا تھا' طلال مزمل کو پاکر بے حد خوش تھا اور مزمل بھی دونوں ہی شادی کے بعد مختلف جگہوں پر گھومنے گئے' طلال اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا' اس کی ہر خواہش کا احترام کرتا دونوں کی ازدواجی زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ حوریہ' مزمل سے جب طلال کے بارے میں سنتی کہ وہ کتنا چاہتا ہے تو اسے اس کی قسمت پر رشک آتا' اور وہ اس کی دائمی خوشیوں کی دعا کرتی' جبکہ ارتضیٰ تو شادی کے بعد اسے گھومنے تو دور کہیں شاپنگ پر بھی نہیں لے کر گیا تھا' وہ تو شاید اس سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا' اور اپنی محبت شانزے کو پانا چاہتا تھا' منفی سوچیں اسے مزید دکھی کردیتی تھیں' اسے اپنا آپ بے مایہ سا لگتا وہ اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ وہ ارتضیٰ کی بیوی کے درجے پر فائز ہو اور ارتضیٰ نے بھی تو اب تک اسے بیوی کا درجہ نہیں دیا تھا' اس سے وہ یہ ہی مطلب نکال پائی وہ اپنی ہی خود ساختہ سوچوں میں الجھی رہتی۔

"ارے شانزے! ہم ساتھ چل تو رہے ہیں پھر باقی باتیں بعد میں کریں گے"۔ وہ موبائل پر بات کرتا کمرے میں آیا اور کمرے میں آکر والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھانے لگا' ایک نظر حوریہ پر ڈالی جو کرسی پر بیٹھی سوچوں میں گم نظر آئی وہ بات ختم کرکے اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف بڑھا۔

''حوریہ! میں شہر سے باہر جارہا ہوں دو دن کے لئے' تم ایسا کرنا یا تو ممی کو یہاں بلا لینا یا پھر وہاں چلی جانا''۔

''جی اچھا''۔ وہ صرف اتنا کہہ کر چپ ہوگئی' وہ اسے اس قدر سوچوں میں گم دیکھ کر اس سے پوچھ بھی نہ سکا کہ وہ ایسے کیوں بیٹھی ہے' اسے بزنس کے سلسلے میں ارجنٹ جانا تھا' جانا ضروری تھا اس لئے بعد میں بات کرنے کے ارادے سے وہ کمرے سے نکل گیا۔ حوریہ ارتضیٰ کو فون پر شانزے سے بات کرتے ہوئے اور ساری گفتگو سن چکی تھی۔

''شانزے تو وہی تھی جس سے شادی کرنے کے لئے ارتضیٰ نے کہا تھا' وہ میری محبت ہے اور اس سے ہی میں شادی کروں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ارتضیٰ اگر شہر سے باہر گئے ہیں تو وہ بھی ساتھ ہوگی' ہوسکتا ہے انہوں نے اب تک شادی بھی کرلی ہو' اس لئے تو ارتضیٰ دن بدن کتنے خوش نظر آرہے ہیں' اپنی محبت کو پالیا ہوگا' کتنی خوش نصیب ہے شانزے کہ اسے ارتضیٰ کی محبت مل گئی ہے اور ایک میں ہوں' جس نے خود ہی سب کچھ گنوا دیا' اب شاید اسی طرح مجھے ساری زندگی گزارنی ہوگی ایسے ہی اکیلے''۔ کیا ہوگیا تھا اسے کیا وہ ارتضیٰ سے محبت کرنے لگی تھی اور جتنی محبت وہ کرتی تھی بدلے میں اس سے بھی ایسی محبت چاہتی تھی' وہ ایسی خواہش کرکے خاموش ہی ہوسکتی تھی اسے ارتضیٰ سے محبت' توجہ نہیں مل سکتی تھی' سوچتے سوچتے اس کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا چلا گیا تھا' اس کا ذہن منفی ہی سوچ رہا تھا۔

☆

''میری جان جاناں' پیاسی زمین منتظر تمہاری راہ تکتی' نظریں بچھائے امیدیں لگائے تڑپتی ہوئی' سسکتی ہوئی تمہارے دیدار کی تمنائی تمہیں پانے کی خواہش تمہاری نظر الفت کی شیدائی کہ آؤ آ کر ایسے برس جاؤ کہ تم بن تو ادھوری ہے یہ ناممکن ہے' میرے ہم نفس آ کر اپنی محبتوں کی بارش سے اسے سیراب کردو' زندگی سنوار دو مکمل کردو اپنے پیار کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں سے معطر کردو''۔ ارتضیٰ کب سے حوریہ کے بارے میں سوچ رہا تھا' اس کا اداس سوچوں میں الجھا ہوا کچھ سوال کرتا ہوا چہرہ بار بار نظروں کے سامنے گھومنے لگا' وہ اس سے دور آ کر اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا' ایک پل کے لئے بھی اس کی یاد سے غافل نہ رہ سکا' کچھ سوچ کر وہ موبائل پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

ارتضیٰ کے جانے کے بعد حوریہ کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا' کھانا بھی اس نے برائے نام کھایا اور کسی کو بلانے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی' وہ اپنی کیفیت کسی پر آشکار نہیں کرنا چاہتی تھی' اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر دن گزار رہی تھی' شیراں سے تھوڑی بات کرلیتی تو دل بہل جاتا' دوپہر کا وقت تھا' وہ شیراں سے بیٹھی باتیں کررہی تھی کچھ پرانے کپڑے تھے اور کچھ سامان وہ شیراں کو دے رہی تھی' جسے لے کر وہ بہت خوش ہورہی تھی' اس کی خوشی دیکھ کر حوریہ کو بھی اندرونی خوشی مل رہی تھی' تب ہی فون کی بیل بج اٹھی' شیراں نے فون اٹھالیا۔

''بی بی جی! صاحب جی کا فون ہے''۔ اس نے حوریہ کی طرف فون بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ فون کرے گا' پر وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑ کر شیراں کو جانے کا اشارہ کرنے لگی' شیراں تمام سامان لے کر چل دی۔

حوریہ نے اس کی آواز سن کر اسے سلام کیا' اسے سمجھ نہیں آرہی تھی' ارتضیٰ سے کیا بات کرے' ایسے کوئی دوستانہ تعلقات تو نہ تھے' پر دوسری طرف ارتضیٰ کا اس قدر ہشاش بشاش موڈ محسوس کرکے حوریہ اور شک کی گہرائی میں جا گری۔

''حوریہ کیسی ہو' تمہارے موبائل پر کب سے ٹرائی

کررہا ہوں پر تم ریسیو نہیں کررہی تھیں اس لئے میں نے گھر کے نمبر پر کیا ہے''۔ دوسری طرف اس کی آواز بالکل دوستانہ تھی۔

''ٹھیک ہوں' کوئی کام تھا کیا کیسے فون کیا.....؟'' اس نے بہت روکھے انداز میں پوچھا۔

''کیوں کسی کام کے لئے فون کیا جاتا ہے کیا.....؟ میں تمہیں فون نہیں کرسکتا''۔ ارتضیٰ اس کی اتنی بے نیازی پر تپ ہی گیا۔

''اچھا مجھے تم سے یہ پوچھنا تھا کہ تمہارے لئے کیا لاؤں.....؟ ویسے تو میں لاؤں گا پر تم سے پوچھنا ضروری سمجھا' تم اپنی پسند بتاؤ''۔ ارتضیٰ حوریہ کو یہاں آ کر واقعی مس کررہا تھا' پر حوریہ کے اتنے روکھے پھیکے انداز پر وہ جیسے افسردہ ہوا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہئے میرے پاس سب موجود ہے' اب میں فون رکھ رہی ہوں' مجھے بہت کام ہے''۔ یہ کہہ کر اس نے فون پٹخ دیا' ارتضیٰ اس کے رویہ پر اندر سے غم و غصے سے کھول کر رہ گیا' کہاں وہ اس سے اتنے دوستانہ انداز میں بات کررہا تھا اور حوریہ نے تو اسے جھاڑ ہی دیا۔

''بڑے آئے کہ کیا لاؤں تمہارے لئے وہاں سے' اپنی بیوی کے ساتھ عیش کررہے ہوں گے اور سوچا ہوگا کہ مجھے کچھ لاکر دے دیں گے تو احسان بھی ہوجائے گا فرض بھی پورا ہوجائے گا''۔ وہ اپنے شک کی بناء پر بغیر سوچے سمجھے یہ حرکت کر بیٹھی پھر خود ہی اپنی گود میں سر دے کر بری طرح رو دی' جبکہ ارتضیٰ یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ حوریہ نے ایسا کیوں کیا.....؟

☆

اتنی بہادر تو نہ تھی کہ ارتضیٰ کے جانے کے بعد اس بڑے سے گھر میں اکیلے ہی رہ جاتی اس نے زرینہ بیگم کو اپنے پاس بلا لیا تھا' ٹھیک دو دن بعد وہ لوٹ آیا تھا' ممی کو گھر پر دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ حوریہ نے ممی کو گھر بلا لیا تھا' مطلب نہ تو وہ اپنے گھر گئی نہ ہی ممی کے' وہ سوچتا ہوا مسکراتا ہوا ممی کو سلام کرنے لگا' زرینہ بیگم نے ڈھیر ساری دعائیں دے کر اس کے ماتھے کو چوم لیا' وہ دشمن جاں اسے کہیں نظر نہ آئی' جس نے اسے اتنا بے قرار کر رکھا تھا اور ٹھیک طرح بات نہ کرکے بے قراری اور بڑھا دی تھی۔

''جاؤ بیٹا! ہاتھ منہ دھولو پھر کھانا کھالینا''۔ انہوں نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا آگے کی طرف بڑھ گیا' جہاں اسے وہ دشمن جاں نظر آ گئی' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بالوں کو برش کررہی تھی اسے دیکھ کر ٹھٹکی پر نہ تو اس نے اس کی طرف دیکھا اور نہ کوئی کوشش کی' بے نیازی سے کمرے سے نکل جانا چاہتی تھی تبھی ارتضیٰ نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں دو دن بعد گھر آیا ہوں اور تم ہو کہ نہ سلام نہ دعا' میں تمہارا شوہر ہوں''۔ وہ اسے اپنی طرف کرکے بولا حوریہ نے اس کے ہاتھ یکدم جھٹک دیئے۔

''کیوں آپ بلاوجہ یہ ڈھونگ رچا رہے ہیں' کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ.....؟ مجھے آپ دھوکہ نہیں دے سکتے' آپ جتنے شریف دکھتے ہیں اتنے ہیں نہیں' بزنس کا تو بہانہ ہے آپ اس شانزے جسے اپنی محبت کہتے ہیں اس کے ساتھ ہی گئے تھے' شادی تو کرلی ہوگی' اور اس کے ساتھ خوش بھی ہوں گے تو پھر مجھے کیوں بے وقوف بنا رہے ہیں.....؟ مجھے آپ کی کسی قسم کی خیرات نہیں چاہئے سمجھے آپ.....؟'' وہ غصے سے کہہ کر وہاں سے نکل گئی' ارتضیٰ حیرت در حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا۔

''تو کیا حوریہ جل رہی تھی کہ میں شانزے کے ساتھ گیا تھا''۔ اس نے شادی کے پیپرز پر سائن ضرور کروائے تھے پر وہ بھی حوریہ کا ری ایکشن دیکھنے کے لئے جب تو کوئی ردعمل سامنے نہ آیا پر آج آ گیا تھا' ارتضیٰ حوریہ کی جلن پر اندر تک مسرور ہوگیا' یعنی واقعی حوریہ نے بھی اسے اتنا ہی یاد کیا جتنا اس نے اسے کیا تھا'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطلب صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی' ارتضیٰ کے لئے یہ سوچ بے حد خوشگوار تھی' ڈھکے چھپے لفظوں میں رویوں میں وہ اظہار کر گئی تھی' پہل وہ کر چکی تھی' اب باری ارتضیٰ کی تھی' وہ مسکراتے ہوئے نیچے کی طرف بڑھ گیا۔

☆

رات کے کھانے کے بعد وہ مما کو گھر چھوڑنے چلا گیا' جبکہ حوریہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی' وہ جب مما کو چھوڑ کر گھر لوٹا تو کمرے میں گیا وہ اس کے کمرے میں موجود نہ تھی' اپنے کمرے میں تھی' وہ کچھ سوچتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا' کمرے میں داخل ہو کر لاک لگا لیا' وہ جو سونے والی تھی اسے وہاں دیکھ کر اٹھ بیٹھی' ارتضیٰ بڑے دھڑلے سے آگے بڑھا اور بیڈ پر براجمان ہو گیا وہ اسے اس طرح دیکھ کر یکدم پیچھے ہٹی۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ.....؟ جائیں اپنے کمرے میں' میں سونا چاہتی ہوں' ویسے ہی اتنا تھک گئی ہوں''۔ وہ غصہ کرتے ہوئے بولی۔

''کہو تو تمہاری تھکن اتار دوں''۔ وہ اسے وارفتگی سے دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ اس کی بات سمجھ کر یکدم غصہ سے اٹھ بیٹھی' پر وہ بھی اسے بخشنے والا نہ تھا' آج تو وہ اسے چھوڑنے والا نہ تھا' وہ اس کے گرد حصار بنا کر کھڑا ہو گیا' وہ اس کی اس قدر قربت اور اس پر اس کی بڑھتی ہوئی شوخی' شرارت' معنی خیز باتوں سے گھبرا اٹھی' پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں میں جا کر روح تک کو سرشار کر رہی تھی۔

''ہٹیں میرے راستے سے''۔ وہ اسے دھکا دے کر ہٹانے کی ناکام کوشش کرنے لگی' پر وہ چٹان کی طرح ٹس سے مس نہ ہوا۔

''کیوں کر رہے ہیں آپ یہ سب' کیوں مجھے تنگ کر رہے ہیں.....؟'' وہ تشنگی سے بولی اور جا کر بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

ارتضیٰ اب اسے اس طرح نہیں دیکھ سکتا تھا' اس کے تمام دکھ درد سمیٹ کر اس پر اپنی چاہت کی انتہا کر دینا چاہتا تھا۔

''جب آپ نے دوسری شادی کر لی ہے اور اب آپ خوش بھی ہیں تو میرے پاس کیوں آتے ہیں بار بار''۔ وہ سر جھکائے جھکائے بولی ساتھ ہی دو تین آنسو بھی دامن میں ٹوٹ کر گرے' وہ آگے بڑھا اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں نے شادی کر لی یار حوریہ! میں نے تم سے سائن کیوں کروائے تھے' اس لئے کہ تم مجھے منع کرو' روکو پر تم نے ایسا نہیں کیا' پر آج تمہاری جلن دیکھ کر میں سب سمجھ گیا ہوں' تم کیا کہتی ہو کہ میں تم سے انجان تھا' نہیں انگور ضرور کرتا تھا پر انجان نہ تھا' تم کتنا تڑپتی رہیں کتنا اپنے آپ کو دکھ دیتی رہیں اندر ہی اندر تم سب برداشت کرتی رہیں میں سب جانتا ہوں''۔ وہ اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ کا دباؤ دے کر بولا' اور ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چننے لگا۔

''تو اس کا مطلب ہے آپ نے شادی نہیں کی ہے اور وہ شانزے.....'' وہ اپنی بات حیرانگی سے ادھوری چھوڑ گئی۔

''شانزے سے میری ایسی کوئی بات نہیں ہے' ہم کالج کے فرینڈز ہیں' پر کیا ہے کہ شانزے کو صرف اپنی دوست کی حد تک ہی رکھا ہے' کیونکہ اس کے پیچھے بھی ایک وجہ ہے اس دل میں ایک حسین مورتی کی صورت ہے جو برسوں سے قبضہ کئے ہوئے ہے' کسی کا ہونے نہیں دیا اس نے مجھے''۔ وہ معنی خیزی سے کہہ رہا تھا' حوریہ نہ سمجھ آنے والی کیفیت سے دوچار تھی' بلا کی حیرانگی تھی اس کی آنکھوں میں۔

''یار! کسی اور کی نہیں تمہاری بات کر رہا ہوں''۔ ارتضیٰ نے اس کی حیرانگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ ایسے کیسے ہو سکتا ہے

کہ آپ مجھ سے.....'' وہ بات ادھوری چھوڑ گئی دل اس کی بات پر یقین نہ کر سکا۔

''حوریہ! ممی پاپا نے مجھ سے پوچھ کر ہی تمہارے گھر میرے لئے پرپوزل دیا تھا میری ہی پسند اور چاہت تھی کہ تم ہی سے میری شادی ہو' پر جب تمہیں اس لڑکے کے ساتھ دیکھا اور پھر تمہارا مجھ سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ مجھے بہت ہرٹ کر گیا تھا' سارے جذبات پر اوس پڑ گئی تھی' میں سوچ کر حیران تھا کہ تم ایسا کیسے کر سکتی ہو''۔ وہ سچائی سے اسے آگاہ کر رہا تھا' جبکہ حوریہ ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتی جا رہی تھی' نظریں ہی ملانے کے قابل نہ تھی وہ ارتضیٰ سے وہ اس کی ندامت کو محسوس کر گیا تھا۔

''پر چھوڑو ان باتوں کو میرے لئے یہ ہی بہت ہے کہ تم میری بیوی ہو' میری دسترس میں ہو' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' تم نے وہ سب ضد میں آ کر کیا تھا' تھوڑی ضدی قسم کی ہو نا تم ہیں ناں.....؟'' وہ جھک کر اس سے استفسار کرنے لگا۔ حوریہ بے آواز آنسو بہاتی رہی' سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ ارتضیٰ جیسے عظیم انسان کی بیوی کیسے ہو سکتی ہے' وہ تو کہیں سے بھی اس کے قابل نہ تھی اپنی تمام بے وفانہ حرکتیں سوچ کر وہ مزید پچھتاوے میں گھر گئی۔

''کچھ بولو حوریہ! اے تم کیوں ان آنسوؤں کے سیلاب میں مجھے ڈبونا چاہتی ہو' تمہارا کیا ارادہ ہے.....؟'' وہ اسے ٹہوکا دے کر بولا۔

''میں آپ کے قابل نہیں ہوں ارتضیٰ''۔ وہ ہچکیوں سے روتی ہوئی بولی۔

''حوریہ! کیا کہہ رہی ہو' تم ہی تو میرے قابل ہو جاناں.....'' ارتضیٰ نے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا' حوریہ کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔

''بس اب ایک آنسو بھی نہ دیکھوں تمہاری آنکھوں میں''۔ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی ارتضیٰ کے کہنے پر واقعی اس کے رونے میں کمی آ گئی۔

''ارتضیٰ! میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں' آپ کو پہچان نہ پائی اور الٹا آپ پر شک کر بیٹھی مجھے معاف کر دیں''۔ وہ واقعی بے حد شرمندہ تھی۔

''ایک شرط پر معاف کروں گا' تم یہ بلاوجہ بار بار آنسو نہ بہاؤ سمجھیں پاگل تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ اس نے ایکدم بات ہی ختم کر ڈالی' حوریہ اسے صرف تشکر آمیز نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تب ہی ارتضیٰ نے اس کا چہرہ اوپر کر کے کہا۔

''یہاں میری آنکھوں میں دیکھو تم نے تو پہلے ہی اتنے دن ضائع کر دیئے ہیں' اب تم سے تمام حساب برابر کرنے ہیں''۔ ارتضیٰ نے اس کے سر پر اپنا سر مار کر کہا جس پر حوریہ روتی آنکھوں سمیت مسکرا دی' اس کے دل سے ایک بوجھ سرک گیا' سکون ہی سکون چاروں طرف پھیل گیا۔ حوریہ ارتضیٰ کے سینے سے جا لگی اور طمانیت سے آنکھیں موند لیں' ارتضیٰ بھی اسے اپنے ساتھ لگائے مسرور سا تھا پر اک شرارت سوجھی اسے۔

''حوریہ! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دوسری شادی کی اجازت تو تم نے دے دی ہے کیوں نہ کر لوں.....؟'' وہ جو آنکھیں موندے اس کی دھڑکنوں کو محسوس کر رہی تھی جھٹکے سے سر اٹھا کر بولی۔

''کیا.....؟'' ارتضیٰ کا قہقہہ بڑا ہی جاندار تھا' وہ اس کی شرارت سمجھ کر خفگی سے منہ پھیر گئی۔

''وہ کیا ہے کہ ایک پاگل لڑکی ہے جو اس دل میں بڑے ہی ظالمانہ طریقے سے گھر آئی ہے' بہت ظلم کرتی ہے مجھ پر تھوڑی سی پاگل ہے' پر مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے''۔ حوریہ نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور اپنے پیار کا اظہار کر دیا۔ جس پر ارتضیٰ حوریہ پر اپنی محبتوں کے پھول کھلاتا چلا گیا۔

آج برسوں کی بنجر زمین سرسبز و شاداب ہو گئی دھند کے بادل چھٹ گئے اور ہر سو شگفتگی بکھر گئی۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثوبیہ ملک

افسانہ

آگہی

"غزوہ بیٹا! اپنی چال ڈھال بدلو بیٹا ہم شریف لوگ ہیں' ہمیں یہ رکھ رکھاؤ زیب نہیں دیتا' یہ جو تم نہ جانے کیا الم غلم پہنتی ہو' مجھے بالکل پسند نہیں ہے' لباس وہی اچھا ہوتا ہے جو مکمل طور پر ڈھانپ سکے' کل کو مجھے تمہاری شادی بھی کرنی ہے"۔ وہ غصے سے بولیں۔

"افوہ امی! ایک تو آپ کی ان دقیانوسی باتوں سے بہت تنگ ہوں اور میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ شادی میں صرف طلحہ سے کروں گی اور اس کے علاوہ کسی اور کا سوچے گا بھی مت"۔ وہ اٹل لہجے میں بولی۔

"اس کے چال چلن دیکھے ہیں تم نے' صرف دولت ہے اس کے پاس اور تہذیب تو چھو کر بھی نہیں گزری"۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"امی پلیز! میں محبت کرتی ہوں اس سے اور وہ بھی صرف مجھے چاہتا ہے"۔ اس کے لہجے میں ایک ضد تھی۔

"تو پھر اس کو بولو کہ رشتہ بھیجے تاکہ میں تمہارے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو سکوں"۔ وہ دلبرداشتہ لہجے میں بولیں۔

"اچھا ٹھیک ہے' آج میں اس سے بات کرتی ہوں"۔ وہ خوشی سے سرشار ہو کر بولی۔

وہ نک سک سے تیار ہو کر جیسے ہی آفس پہنچی تو نہ جانے کتنے لوگوں کی نگاہوں نے اسے دیکھا' لیکن وہ سب سے بے نیاز طلحہ کے آفس چلی آئی۔

"ہائے! طلحہ کیسے ہو.....؟"

"کچھ دیر پہلے تو ٹھیک نہیں تھا' پر اب ٹھیک ہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور آج تو لگتا ہے مجھے مارنے کے لئے آئی ہو' بہت خوبصورت لگ رہی ہو"۔ طلحہ کے ایسے ہی الفاظ تو اسے کسی اور جہاں لے جاتے تھے۔

"اچھا بس بہت لگا لیا مکھن' آج آپ کو فائنل کرنا ہی ہوگا کہ کب اپنی امی کو میرے گھر بھیج رہے ہیں"۔

"میری جان! بہت جلد"۔

"یہ بات تو آپ پچھلے چار مہینوں سے کہہ رہے ہیں"۔ غزوہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"او کے جناب! وعدہ اگلے مہینے تک ہم آپ کو لے جائیں گے اور پھر بس تم میری دسترس میں ہوگی"۔ وہ مخمور لہجے میں بولی۔

"اس وقت تو بور نہ کرو' چلو آج لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں"۔ طلحہ نے اس کی بانہوں کے گرد اپنے بازو حمائل کئے اور وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ گاڑی میں چلی آئی۔

☆

"غزوہ! کل تمہیں کچھ لوگ دیکھنے کے لئے آرہے ہیں' اس لئے تم جلدی آجانا"۔

"امی! میں بتا چکی ہوں آپ کو کہ....." طاہرہ بیگم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بس بہت ہوگیا بہت برداشت کرلی میں نے تمہاری باتیں' اگر تم نے مزید کچھ کہا تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی' پھر کرتی رہنا اپنی من مانیاں کوئی روکنے والا نہیں ہوگا"۔

"امی! میں طلحہ کو کہہ چکی ہوں وہ اگلے مہینے تک اپنے والدین کو بھیج دے گا"۔ غزوہ نے بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ چاہے جتنی بھی بولڈ تھی' مگر ماں سے پیار بھی بہت کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے غزوہ! میں تمہاری بات مان لیتی ہوں' لیکن اس کے بعد میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی"۔ طاہرہ بیگم غصے سے بولیں۔

"تھینک یو امی! آئی لو یو"۔ طاہرہ بیگم بیٹی کو پیار کرکے کمرے سے نکل گئیں۔

☆

"پتا نہیں طلحہ نے کیا سوچ رکھا ہے' کہیں وہ میرے ساتھ وقت تو نہیں گزار رہا' کیا پتا وہ مجھ سے محبت ہی نہ کرتا ہو' نہیں ایسا نہیں ہوسکتا"۔ اور بھی نہ جانے وہ کتنی دیر سوچوں میں غلطیاں رہتی' مگر ایک دم فون کی گھنٹی اسے حال میں کھینچ لائی۔ اسکرین پر طلحہ کالنگ خوبصورتی سے جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو! کہاں ہو تم.....؟"

"یار! میں تو یہیں ہوں' پر تم آج آفس کیوں نہیں آئیں.....؟"

"وہ بس آج میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی"۔

"کیا ہوا میری جان کی طبیعت کو.....؟"

"کچھ نہیں بس تھوڑا سر میں درد تھا' پر اب کچھ بہتر ہے تم بتاؤ کیسے یاد کیا.....؟" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔

"بس جناب! ہمیں تو آپ کے علاوہ کچھ یاد ہی نہیں رہتا' یہ بتاؤ آج پارٹی میں آرہی ہو یا نہیں"۔ وہ لہجے میں پیار سمو کر بولا۔

"نہیں طلحہ! تمہیں پتا تو ہے کہ امی پارٹی کے لئے کبھی نہیں مانیں گی"۔

"غزوہ! تم میرے لئے اتنا بھی نہیں کرسکتیں' آجاؤ نا میری جان تمہارے بغیر مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا"۔

"چلو ٹھیک ہے' میں امی کو کہتی ہوں' تم فون تو بند کرو پھر شام میں ملتے ہیں اچھا بائے"۔ فون رکھ کر وہ ماں کے پاس چلی آئی۔

"امی! وہ آج آفس کے کام کے سلسلے میں رات کو دیر ہوجائے گی آپ پریشان نہیں ہونا"۔

"لیکن بیٹا! اتنی رات تک میں تمہیں باہر کیسے جانے دوں.....؟"

"امی! آپ پریشان نہ ہوں' وہاں میری اور بھی کولیگ ہوں گی میں جلد آجاؤں گی"۔

"اچھا ٹھیک ہے بیٹا"۔ وہ نیم رضامندی سے بولیں۔

☆

وہ کتنی دیر سے خود کو سنوارنے میں مصروف تھی' اسے کسی آرائش کی ضرورت تو نہ تھی اسے خدا نے حسن کی دولت سے مالا مال کیا تھا' ستواں ناک' پنکھڑی ہونٹ' گلابی گال' غرض کہ کسی مصور کا بولتا شاہکار تھی وہ۔

کتنی بار طاہرہ بیگم اسے منع کرچکی تھیں کہ عورت کو ہمیشہ اپنا تن ڈھانپ کر رکھنا چاہئے ان کپڑوں کا کیا فائدہ جو جسم کی نمائش کریں' لیکن وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی۔ وہ اس وقت بھی نہایت چست ٹراؤزر اور بغیر آستین کے شرٹ پہنے ہوئے تھی' جس کا گلا انتہائی گہرا تھا' لیکن وہ سب باتوں سے بے نیاز جلدی سے گھر سے نکل آئی' مبادا طاہرہ بیگم کا لیکچر نہ سننا پڑ جائے' وہ اکیلی سڑک پر کھڑی طلحہ کا انتظار کررہی تھی' جس کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا' کہ ایکدم کسی گاڑی کے ٹائر اس کے پاس چرچرائے' وہ قدرے پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی' اندر سے ایک بڑی عمر کا شخص نکل آیا۔

"ارے آپ یہاں سنسان سڑک پر کیا کررہی ہیں چلئے میں آپ کو لفٹ دیتا ہوں آئیں"۔ غزوہ جو پچھلے ایک گھنٹے سے طلحہ کا انتظار کررہی تھی' لیکن وہ آ کے نہیں دے رہا تھا' کچھ سوچتے ہوئے اس شخص سے لفٹ لینے پر آمادہ ہوگئی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" وہ شخص گاڑی میں بیٹھتے ہی بولا۔

"غزوہ رضا....."

"ماشاءاللہ تمہارا نام تمہاری طرح بہت خوبصورت ہے"۔

"مجھے پتا ہے"۔ غزوہ نے ایک ادا سے کہا۔

"تو کیا لوگی اپنے حسن کا خراج.....؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا.....؟" ایکدم وہ غصے سے غرائی۔

"مطلب تو صاف ہے کہ اب میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا' صرف کچھ گھنٹے میرے ساتھ تم جو کہو گی میں دینے کے لئے تیار ہوں"۔

"بکواس بند کرو اور گاڑی روکو ورنہ میں چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دوں گی"۔ وہ غصے سے بولی۔

"کوشش کرکے دیکھ لو"۔ وہ خباثت سے اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اس وقت اسے حقیقتاً ماں کی نصیحتیں یاد آنے لگیں' نہ جانے کتنا سمجھاتی تھیں وہ اسے لیکن وہ سمجھتی کب تھی' شاید اس کی ماں کی دعاؤں کا اثر تھا کہ کچھ دیر بعد ہی گاڑی نے چلنے سے انکار کردیا وہ شخص نہایت غصے سے نیچے اتر آیا۔ بس ایک لمحے کی دیر تھی' غزوہ نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور سڑک پر دوڑ لگادی۔ نہ جانے کتنی سڑکیں وہ پار کرچکی تھی کہ ایکدم گری اور بے ہوش ہوگئی۔

☆

آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھولیں تو ماں کو خود پر جھکے پایا اور رات کا منظر بھی اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا تو متواتر کتنے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"امی! مجھے معاف کردیں میں نے آپ کی بات نہیں مانی تو یہ سب کچھ....." اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنسنے لگا تو آگے بات کرنا اس سے محال ہوگیا۔ طاہرہ بیگم ماں تھیں' اس لئے کچھ بھی پوچھنا فی الحال انہوں نے ملتوی کردیا۔

"چلو اٹھو! منہ ہاتھ دھولو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں"۔

"امی! مجھے بس معاف کردیں' میں اب آپ کی ہر بات مانوں گی"۔ ماں کے سینے سے لگی وہ روتی چلی گئی۔

☆

ایک ہفتہ مکمل صحت یاب ہونے کے بعد جب وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آفس پہنچی تو ایک خوبصورت سی لڑکی کو طلحہ سے باتیں کرتے ہوئے پایا وہ پوچھنا تو چاہتی تھی لیکن چپ ہوگئی۔ جیسے ہی وہ لڑکی طلحہ کے آفس سے باہر آئی وہ اس کے پاس چلی آئی۔

''طلحہ! یہ لڑکی کون ہے.....؟''

''اچھا وہ..... یار میری کزن ہے' آج کل پاکستان آئی ہوئی ہے تو میرا آفس دیکھنے چلی آئی''۔ وہ خوشی سے بتانے لگا۔

''تو آپ کیوں اتنا فرینک ہو رہے ہیں اس کے ساتھ''۔ وہ خفگی سے بولی۔

''یار! چھوڑو اسے اور آج شام تم میرے ساتھ شاپنگ پر چلو پھر بتاؤں گا''۔

''اچھا ٹھیک ہے' اس وقت تو مجھے بہت سارا کام کرنا ہے' پہلے وہ تو مکمل کرلوں پھر چلیں گے''۔

''لیکن سنو! یہ آج تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے' اور اوپر سے اتنا بڑا دوپٹہ پوری دادی اماں لگ رہی ہو''۔ وہ اسے ڈھیلے ڈھالے شلوار قمیص میں دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''نہیں طلحہ! اس دوپٹے کو پہن کر تو میں خود کو مکمل محسوس کر رہی ہوں' ایسا لگ رہا ہے جیسے اس سے پہلے میں ویران صحرا میں کھڑی تھی''۔ وہ افسردگی سے بولی۔

''اچھا یار! بس کرو میرا موڈ خراب مت کرو' پھر شام کو ملتے ہیں''۔ وہ نہ سمجھتے ہوئے جھنجھلا کر بولا۔

☆

فائل مکمل کر کے وہ طلحہ کے آفس اسے دینے جانے لگی' ابھی وہ دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ اپنے نام کی بازگشت پر وہیں رک گئی۔

''یار طلحہ! تو تو کہہ رہا تھا کہ تیری گرل فرینڈ بڑی ماڈرن ہے پر یار وہ تو وہی مشرقی عورت کا روپ دھارے ہوئے تھی' پر ہے بہت خوبصورت' میری بھی بات کرکیا پتا مان جائے''۔ اس کی بات پر طلحہ ہنسا تھا' وہ جو کوئی بھی تھا اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

''یار! کب تک بے چاری کو سبز باغ دکھائے گا' یہ بتا شادی کب کرے گا اس سے''۔ اس کا دوست رازداری سے بولا۔

''پاگل سمجھا ہوا ہے کیا' میرے لئے وہی رہ گئی ہے کیا' نہ جانے کون سا گناہ چھپانے کے لئے یہ روپ دھار لیا ہے اب ایسی لڑکی جس کو نہ جانے کتنے مرد دیکھتے ہوں وہ میری بیوی بنے گی' جو اپنے جسم کی نمائش کرتی ہو اور میری بانہوں میں بغیر کسی رشتے کے آتی ہو' وہ لڑکی میری شریک سفر تو دور کی بات اسے اپنے گھر کی ملازمہ بھی میں نہ رکھوں''۔ وہ نفرت اور حقارت سے بولا۔

اور بھی وہ لوگ نہ جانے کیا کہہ رہے تھے' لیکن وہ تو اپنی ذات کی کرچیوں کو بکھرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا نہیں میں ہی قصوروار تھی جو خدا کو بھول گئی تھی جس نے واضح اپنی کتاب میں فرمایا' کہ ''اپنے ستر کو ڈھانپ کر رکھو''۔

نہ جانے کتنی دیر وہ وہاں کھڑی رہی پھر ایک مضبوط فیصلہ کر کے وہاں سے چلی آئی۔

گھر آ کر وہ کتنی دیر روتی رہی اور اس کو طلحہ کے ساتھ گزرے وہ لمحے یاد آنے لگے جس میں وہ بغیر کسی رشتے کے اس کے ساتھ ڈانس پارٹی میں ہوتی' لیکن آج اس پر آگہی کا در کھل گیا تھا اور وہ جان گئی تھی کہ عورت چار دیواری میں ہی محفوظ ہوتی ہے' اور والدین ہمیشہ اولاد کا اچھا ہی سوچتے ہیں' کیونکہ وہ باہر کی دنیا کو بہتر طریقے سے جانتے ہیں۔

''امی! آپ رشتے والی کو کہہ دیجئے گا کہ کل وہ لڑکے کے گھر والوں کو لے آئے''۔

''پر بیٹا تم تو طلحہ.....''

''نہیں امی! اب اور نہیں پلیز مجھ سے کوئی سوال نہ کیجئے گا''۔ وہ ماں تھیں سمجھ گئیں لیکن خوش تھیں کہ ان کی بیٹی لوٹ آئی تھی اور گہری دلدل میں پھنسنے سے بچ گئی تھی۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 16۔

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سب ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ"۔ اس نے امی کے ہاتھ تھامے اور مسکرا کے مطمئن کیا وہ سمجھتا تھا، وہ ماں ہیں، بچوں کی فکر تو انہیں رات دن تھی، جب سے ابو اس دنیا سے گئے تھے، دہری ذمہ داری ان پر آ گئی تھی، وہ تو بھلا ہو روحیل سکندر کا انہوں نے اسے اپنی کمپنی پر جاب میں لگا لیا تھا۔

"اریشماء کی منگنی وغیرہ ہو گئی ہے؟" امی کو یکدم ہی یاد آیا اور موضوع بھی بدل دیا۔

"جی"۔ وہ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

"کیسے لوگوں میں ہوئی ہے؟"

"ان کے چاچو کے بیٹے ہیں، اس سے ہوئی ہے"۔ وہ نگاہ چُرا رہا تھا، وہ جب جا رہا تھا، صرف اتنا بتا کر گیا تھا اریشماء کی منگنی کا فنکشن ہے۔

"کتنی پیاری بچی ہے، مجھے تو وہ شروع سے اچھی لگی ہے، مگر میں صرف اس لیے چُپ رہی کہ ہم اس کے مقابلے کے نہیں تھے"۔ انہیں یہ دکھ و ملال تھا۔

"امی! ایسی باتیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، جس کا ہمیں سب کچھ علم ہو تو، اور پھر وہ بہت خوش ہے اپنی منگنی سے"۔ حمدان نے نگاہیں چُرا کے انہیں یقین دلایا جبکہ حقیقت تو صرف وہی جانتا تھا کہ اریشماء کتنی اس منگنی سے خوش ہے، سب کچھ کل اسے واضح ہو گیا تھا، اور تیمور اور اس کی امی کی گفتگو بھی وہ سن چکا تھا، اس کی خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ روحیل سکندر پر حیرانگی بھی تھی، وہ اپنے بھائی کی فیملی سے واقف نہیں تھے جو جانتے بوجھتے ہوئے اپنی اکلوتی بیٹی کو وہاں جھونک رہے ہیں۔

"ہوں...." امی بھی جیسے اس کا چہرہ پڑھ چکی تھیں، وہ بے زار ہو رہا تھا۔

"حمدان! خود سے آنکھیں چُرانا اور خود کو جھٹلانا بہت مشکل ہو گا، وہ تمہارے سامنے آتی رہے گی، اور تمہاری سماعتوں میں تیمور کی اور اس کی امی کی گفتگو سنائی دیتی رہے گی، اگر تم بتاؤ گے نہیں تب بھی تمہیں ہی دکھ ہو گا، جانتے بوجھتے تم نے اسے غلط لوگوں میں جانے دیا، بعد میں تو تم اور بے کل اور بے چین ہو جاؤ گے، تیمور کا کردار تمہارے سامنے آ گیا ہے، اور تیمور اریشماء سے بالکل مخلص نہیں ہے، اور اس کی امی.... ان کے چہرے پر تو لالچ ہی نظر آ رہا تھا، روحیل سکندر کی محبت اور سادگی کو وہ لوگ لوٹنے چلے ہیں اور ان کی اکلوتی بیٹی شادی کے بعد تو اور دکھی ہو جائے گی، جب روحیل سکندر کا کیا ہو گا؟" اس نے اپنا سر تھام لیا، وہ کسی بھی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا، اگر بتاتا تو اریشماء پھر اس کی آس لگائے گی اور تیمور سے الگ دشمنی ٹھن جائے گی، اور ویسے بھی وہ اریشماء کو جیسے جیتنا چاہتا ہو، صرف ضد ہے۔ روحیل سکندر کل کتنے خوش تھے، وہ یہ سب بتا کر ان کی خوشیاں چھین لے گا۔

"نہیں، میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔ یکدم ہی دل کی آواز کو دبا کر خود سے ہمکلام ہوا۔

"مجھے کیا، کسی سے بھی اس کی شادی ہو، میں کون ہوتا ہوں اس کا اچھا بُرا سوچنے والا؟" وہ اپنے دل کی نفی کیے جا رہا تھا، اس نے اپنے ذہن و دل کو جھٹک تو دیا تھا، مگر اندر کی بے چینی اور بے کلی ابھی بھی تھی۔ اریشماء کو وہ چاہنے لگا تھا، اس کے لیے اپنے دل میں بہت خوبصورت جذبات رکھتا تھا، کل اس کا سوگوار حسن بھی نمایاں لگ رہا تھا، اس کے انداز میں ایک وقار تھا، مقابل اس سے متاثر ضرور ہوتا تھا، ہر ایک سے عجز و انکساری سے ملتی تھی، مگر کل وہ اس کی سمت تک نہیں آئی، پوری خفگی اور ناراضی دکھا رہی تھی، وہ بھی کیا کرتا، اپنی پوزیشن جانتا تھا، وہ اس کا ہاتھ تھامنے کا حق بھی نہیں رکھتا تھا، وہ چاہے اس سے ناراض رہے، کچھ بھی کرے، وہ اس پر توجہ تک نہیں دے گا۔

☆.....☆.....☆

شیبا کالج سے آ کر کھانے کے بعد سو نے لیٹ گئی تھی، بسمہ کارٹون لگا کے بیٹھی تھی، وہ اپنے روم کی صفائی میں لگی تھی، جب سے شادی ہوئی تھی، مکمل طریقے کی صفائی آج کر رہی تھی، ورنہ روز کی معمول کی طرح صفائی کرتی تھی۔

"بیٹا! کب سے لگی ہو صفائی میں، ختم کرو اور اپنا حلیہ بھی ٹھیک کرو"۔ حمیرا بیگم اندر چلی آئیں، وہ چیزوں پر سے ڈسٹنگ کر رہی تھی، سیٹنگ بھی کچھ چینج کر دی تھی، بیڈ تو سینٹر میں ہی تھا، ٹیبل اور چیئرز کو ہٹا کے کونے کی طرف سیٹ کر دیا تھا، اس طرح بیڈ اور وارڈ روب کا راستہ کشادہ ہو گیا تھا، ذیشان وہیں بیٹھ کر اپنی پڑھائی وغیرہ کرتا تھا۔

"ہو تو گئی ہے، یہ دھول صاف کر رہی تھی"۔ مسکرا کے بتایا۔

"جلدی سے سب سمیٹو، مجھے تمہارا یہ حلیہ دیکھ کر گھبراہٹ ہو رہی ہے، اور ہاں، کھانا بھی کھا لو جلدی سے، صبح سے ناشتے پر ہی چل رہی ہو"۔ انہوں نے پیار بھرے لہجے میں اسے ہدایت دی، وہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں، حرما کا اسی لیے تو یہاں دل لگ گیا تھا، اگر ذیشان کی امی اکھڑی ہوتیں تو اس کا گزارہ کیسے ہوتا؟

"اور ہاں تمہارے سسر بھی مجھ سے کئی دفعہ پوچھ چکے ہیں"۔ جاتے جاتے وہ پلٹی تھیں۔

"ابو کو آج صبح ناشتہ دینے کے بعد پھر ان کے سامنے میں گئی نہیں ہوں، وہ جب ہی پوچھ رہے ہوں گے"۔ کپڑا واش روم میں ڈالا۔

"جس دن سے تم آئی ہو شہران اور ان کی لڑائیوں میں کمی آ گئی ہے، تمہارا لحاظ کرنے لگا ہے شہران تو"۔

"جی اسی لیے کچھ بولتا بھی نہیں ہے"۔ حرما کو بھی خوشی تھی ذیشان کے بہن بھائی اس کی عزت بھی کرتے تھے اور لحاظ بھی، شہران کبھی کبھی روڈ ہو کر بولتا تھا مگر حرما ایسے بن جاتی جیسے وہ کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہی ہو، شیبا کے ایڈمیشن پر اس کی دوبارہ ہمت نہیں پڑتی تھی کچھ بولنے کی، اور حیرانگی کی بات یہ تھی کہ اُس نے 5 ہزار واپس بھی نہیں لئے تھے جبکہ وہ دے بھی رہی تھی۔

ذیشان کے آنے کا ٹائم بھی ہو گیا تھا، فوراً وارڈ روب سے کپڑے نکالے، استری کرنے کا بھی ٹائم نہیں تھا، واش روم میں نہانے گھس گئی، آج تو روم کی ہر چیز چمکا دی تھی۔ ذیشان آیا تو روم کا نقشہ بدلا دیکھ کر حیران رہ گیا، ہر چیز کو صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔

"واؤ!" وہ دھڑ سے بیڈ پر لیٹا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، سمجھ گیا تھا حرما نے آج پورا دن روم کو صاف کرنے میں ہی لگایا تھا، وہ کچھ دیر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ حرما لائٹ پرپل کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں غسل کر کے نکلی، اسے دیکھ کر جھجک کے رہ گئی، بیڈ سے دوپٹہ اُٹھایا، بالوں میں تولیہ لپٹا ہوا تھا۔

"لگتا ہے آج دل لگا کے صفائی کی ہے"۔ ذیشان کی پٹ سے آنکھیں کھل گئی تھیں۔ وہ تولیہ سے بالوں کو خشک کرنے لگی، ذیشان اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ نے اتنی کتابیں پھیلا کے رکھی ہوئی تھیں، میں نے سب نکال کے رکھی ہیں، دیکھیں رکھنے والی ہیں تو رکھیں ورنہ کسی کو دے دیں، کام آ جائیں گی اُس کے"۔ اس نے ٹیبل پر اشارہ کیا۔ ذیشان کی نگاہ اس کے سراپے اور وجود میں الجھ رہی تھی، کچھ سرور سا بھی طاری ہو رہا تھا، مگر وہ خود کو مضبوط بنا کے بیٹھا ہوا تھا۔ روم میں ڈریسنگ ٹیبل کے نام پر کچھ نہیں تھا، وارڈ روب پر مرر لگا تھا، اس کے آگے کھڑی بالوں میں برش پھیر رہی تھی، حرما کی پشت اس کی طرف تھی۔

"ہوں.... دے دوں گا"۔ آنکھیں اس نے جیسے تھک کر بند کر لی تھیں، اگر زیادہ دیر تک حرما کو دیکھتا رہا تو وہ بہک نہ جائے اور وہ اپنے وعدے سے پھرنا بھی نہیں چاہتا تھا، پہلے حرما کی خواہش کا اسے احترام تھا۔

"ہوں.... کرنے سے کام نہیں چلے گا"۔ وہ ذیشان کے اطمینان پر تیز لہجے میں گویا ہوئی، اور اس کے قریب آ کے بیٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی، جب سے دونوں میں وہ شرائط طے ہوئی تھیں، حرما کو اس کے قریب بیٹھنے میں جھجک بھی نہیں ہوتی تھی، ورنہ پہلے دور رہ کر اسے مخاطب کرتی تھی۔

"پھر کیا کروں؟" اس نے جیسے لاچاری ظاہر کی۔

"آپ نے میری بات کو اہمیت نہیں دی، ٹال رہے ہیں"۔

"حرما! کیا ہو گیا ہے، میں نے نارمل لہجے میں کہا ہے، دے دوں گا، ابھی تو کالج سے آیا ہوں، تم کیا چاہتی ہو، ابھی اُٹھ کر چلا جاؤں؟" آج اس کے لہجے میں تلخی اور جھنجھلاہٹ تھی۔ حرما جز بز سی ہو کر بیڈ سے اُٹھ گئی، اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا، وہ تھکا ہوا آیا تھا، آتے ہی پیچھے نہیں لگنا چاہیئے تھا۔

"سوری!" بس اتنا کہا اور روم سے چلی گئی۔

"لو شروع ہو گئی نئی کہانی، محترمہ ناراض ہو کر گئی ہیں"۔ وہ بھی اُٹھا روم سے باہر آیا، وہ ابو کے روم میں تھی، پتا نہیں ان سے کیا باتیں کر رہی تھی۔

"امی! آج کیا بنانا تھا؟" وہ کچن میں چلا آیا، حمیرا بیگم محمد احمد کے لیے چائے بنا رہی تھیں۔

"آج حرما دن بھر کام میں لگی ہوئی تھی، اس نے سبزی بنا کے رکھ دی تھی صبح ہی"۔

"پھر سبزی؟" پتیلی کا ڈھکن کھول کے دیکھا لوکی تھی۔

"فریج میں یہی تھی، اس نے بنا کے رکھ دی، ابھی اس نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے، تم دونوں ساتھ مل کر کھانا کھا لینا"۔ حمیرا بیگم نے سالن کی پتیلی کے نیچے برنر جلا دیا۔

"میری تو بھوک ہی اُڑ گئی ہے"۔ وہ منہ بنانے لگا۔

"جو بھی بنا ہے صبر شکر کر کے کھا لیں، لوکی حضورؐ کو بہت پسند تھی، یہی سوچ کر کھا لیا کریں"۔ حرما نے اس کی بات سن لی تھی۔

"لوکی کے ساتھ گوشت بھی ڈالا جا سکتا تھا"۔ وہ اس کا تپا ہوا چہرہ دیکھنے لگا۔ حمیرا بیگم چائے بنا کے دونوں کو الجھتا ہوا چھوڑ کے کچن سے نکل گئیں، حرما فریج سے آٹا نکال کے لائی۔

"فریج میں آج گوشت نہیں تھا، گھر کا سارا سودا سلف ختم ہو گیا ہے"۔

"شہران سے بولتیں، وہ لے کر آتا ہے"۔ وہ اسے روٹیاں بناتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"اس سے اگر کچھ منگواؤ، رات میں گھر میں گھستا ہے، ہم انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں"۔ وہ بتانے لگی۔

"کل میں اور امی خود لینے جائیں گے، آپ بتایئے، آپ کو تنخواہ کب تک ملے گی؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی تو ایک ہفتہ باقی ہے"۔ حرما نے سالن پلیٹ میں نکالا، گرم روٹی چنگیر میں رکھی اور اسے کھانے کا اشارہ کیا۔

"یار! میری بھوک اُڑ گئی ہے"۔ وہ منہ بسورے رہا تھا۔ حرما نے سالن کی پلیٹ اُٹھائی، روٹی بھی ہٹالی، ذیشان حیرانگی سے دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے، جایئے جہاں آپ کو اچھا ملے"۔ وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔ برنر بند کیا، آٹا صاف کیا، اپنا کھانا ٹرے میں لگایا۔

"مجھے یہاں کے علاوہ اچھا مل بھی نہیں سکتا"۔ حرما کی پشت سے حصار باندھ دیا، وہ تو بوکھلا گئی۔

"کیا کر رہے ہیں، یہ کچن ہے"۔ ہڑبڑا کے اسے دور کرنے لگی۔

"یہ بتاؤ ناراض ہو گئی ہو مجھ سے؟"

"کونسی بات پر؟" وہ جیسے کچھ سمجھی نہیں۔

"میں نے روم میں تمہیں تلخی سے جو کہا تھا"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ ٹرے اُٹھانے لگی۔

"چلیئے لاؤنج میں آ جایئے کھانا کھانے، دیکھیے میں نے کباب بھی تل لیے ہیں"۔ وہ دکھانے لگی، تاکہ ذیشان کا موڈ اچھا ہو جائے۔

"ارے لڑکی، کب تک ٹی وی دیکھو گی، پانچ بجنے والے ہیں، اُٹھو ٹیوشن کی تیاری کرو"۔ حرما نے بسمہ کے چپت لگائی، جو کارٹون لگا کے بیٹھی ہوئی تھی، سیونتھ میں تھی۔

"ابھی دس منٹ ہیں"۔

"چلو اُٹھو، بند کرو، بیگ ریڈی کرو، ورنہ کتابوں کو روتی ہو، یہ نہیں مل رہی، وہ نہیں مل رہی"۔ حرما نے ٹی وی ہی آف کر دیا۔

"بھابی پلیز....!"

"نہیں، اُٹھو بسمہ! پانچ بجنے والے ہیں"۔ ذیشان نے بھی پیار سے سمجھایا۔

"ہاں، پتا ہے آپ دونوں مجھے خود جان کے یہاں سے ہٹا رہے ہیں، تاکہ آپ دونوں اکیلے رہ سکیں"۔ وہ غصہ میں پیر پٹختی ہوئی چلی گئی، وہ دونوں ہی مسکرانے لگے۔

"آج کل کے بچے بھی کتنے تیز ہو گئے ہیں"۔ ذیشان نے لقمہ منہ میں رکھا۔

"آپ کی یہ بہن تو کچھ زیادہ ہی تیز ہے"۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

"ہمارے بچے تو پتا نہیں کتنے تیز ہوں گے"۔ ذیشان نے معنی خیزی سے میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھا۔

"جی پتا نہیں"۔ وہ سر خ پڑ گئی۔

"بہت دن سے لیل ماہ نہیں آئی ہے"۔ حرما نے موضوع بدلا۔

"یونیورسٹی جاتا تھا، مل لیتا تھا، اب ملاقات ہی نہیں ہوتی ہے"۔

"پتا نہیں کیوں نہیں آ رہی ہے؟" حرما کو فکر بھی ہو رہی تھی، کیونکہ اس دن تو وہ اتنی تیزی سے گئی تھی، زیادہ باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا، کچھ وہ شہران سے بھی گھبرا رہی تھی، یہ اس نے نوٹ کیا تھا۔

"لائبہ سے کہو وہ لیل ماہ کو بول دے کے تم بلا رہی ہو"۔

"ہوں.... یہی سوچ رہی تھی، بسمہ سے کہلوا دیتی ہوں، یہ کہہ دے گی"۔ کھانے سے فارغ ہوئی۔

"بسمہ بہت ناراض ہو کے گئی ہے"۔ ذیشان نے یاد دلایا۔

"ہوں.... مجھ سے زیادہ ناراض ہوتی ہے، اسے دیکھتی ہوں، کہیں چلی نہیں گئی ہو"۔ وہ ٹرے اُٹھا کے کھڑی ہو گئی، ذیشان بھی چینج کرنے روم میں چلا گیا، اس کا بھی موڈ فریش ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

گھر میں اس کے رشتے کی باتیں ہو رہی تھیں، بس اتنی اس کے کانوں میں پڑی تھی، لڑکے کا اپنا چائنیز ہوٹل ہے، اور اس کے اوپر گھر، اور پانچ گاڑیاں ہیں، دو تین بنگلے ہیں، فیملی امریکہ میں سیٹل ہے، ابو چپکے چپکے امی سے باتیں کر رہے تھے، مگر امی کے چہرے پر وہ خوشی کے رنگ نہیں تھے، بھابی بھی بیٹھی ہوئی سن رہی تھیں، لیل ماہ کو یہ حیرانگی تھی کہ یہ اتنا امیر کبیر رشتہ اس کے لیے کیسے آ گیا؟ مگر وہ مطمئن بھی تھی کہ شہران سے تو جان چھوٹ جائے گی، اس اُجڈ، جنگلی سے ہر حرکت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی امید تھی، اور وہ اپنے باپ کی عزت اور شرافت پر داغ نہیں لگانا چاہتی تھی، اسے تو ابو سے پتا نہیں کیوں اتنا بیر ہو گیا تھا۔

"شام میں ٹھیک سے تیار ہو جانا، کچھ لوگ دیکھنے آ رہے ہیں"۔ امی کے لہجے میں کوئی خوشی نہیں تھی، وہ چونک گئی تھی۔

"امی! کون ہے لڑکا؟" لیل ماہ کو گھبراہٹ بھی ہونے لگی۔ پتا نہیں کس کا رشتہ اس کے لئے آیا ہے، جو اتنی خاموشی سے سب ہو رہا تھا، بھابی سے کچھ پوچھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی، کیونکہ وہ طنز ہی اتنے کرتی تھیں بندہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا تھا۔

"تمہارے ابو نے نامی گرامی آدمی کا رشتہ قبول کیا ہے، تمہیں وہ دیکھے گا"۔ امی کے لہجے میں ترشی اور طنز تھا۔

"امی! آخر بات کیا ہے؟ مجھے بتائیے تو"۔ وہ بھی فکر مند سی ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں ہے، تم تیار ہو جانا، چھ بجے تک آئیں گے وہ لوگ"۔ وہ اس سے نگاہ تک چرا رہی تھیں۔ لیل ماہ کی اور زیادہ ٹینشن ہو گئی، امی اُسے ٹال کے چلی گئی تھیں، وہ اتنی بے بس اور مغموم ہو گئی تھی، کوئی بھی تو اس کے پاس نہیں تھا جس سے اپنی ٹینشن شیئر کرتی، لائبہ نے بھی کہلوایا تھا کہ حرما نے اسے بلایا ہے، مگر وہ وہاں بھی نہیں گئی تھی، اس کی سب سے بڑی وجہ شہران تھا، اس کی اوچھی حرکتیں اس کا خون کھولا دیتی تھیں، اس لیے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس کا سامنا ہی نہیں کرے گی، یونیورسٹی بھی کم کم جا رہی تھی، اس انتظار میں تھی کہ ایگزام ہوں اور اس کی پڑھائی ختم ہو، تاکہ شہران سے پیچھا چھوٹ جائے، جب آتے جاتے اس پر نظریں نہیں پڑیں گی، مگر پچھلے تین دن سے گھر میں اس کے رشتے کی باتیں ہو رہی تھیں، اور آج امی نے کہا وہ لوگ دیکھنے آ رہے ہیں۔ امی کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا جیسے ابو نے رشتہ طے کر لیا ہو، صرف دیکھنے کی فارمیلیٹی رکھی گئی تھی۔ پورا دن پریشان رہی، شام میں پنک جارجٹ کا پرنٹڈ سوٹ پہن لیا، لائٹ سا میک اپ بھی کیا، وہ لوگ وقت کے اتنے پابند تھے، چھ بجتے ہی آ گئے تھے۔

"لیل ماہ! آجاؤ ڈرائنگ روم میں"۔ بھابی اسے بلانے آئی تھیں، مگر ان کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

"بھابی! کتنے لوگ ہیں؟" جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"تین لوگ ہیں، ایک وہ جس سے تمہارا رشتہ ہو رہا ہے، ایک بہن ہے، اور بھانجا ہے"۔ وہ اتنی ہی تفصیل بتا سکی۔ بھابی کے ساتھ جھجکتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی، آتے ہی نگاہ وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس وائٹ داڑھی میں بزرگ ہستی پر نگاہ پڑی، اس نے ہی اُلٹا سلام بھی کیا۔ لیل ماہ کی سمجھ کام نہیں کر رہی تھی، بھانجا تو اتنا چھوٹا ہے، پھر رشتہ کس سے ہو رہا ہے؟

"آؤ آؤ، ہمارے پاس بیٹھو"۔ بہن نے اپنے پاس صوفے پر جگہ بنا کر اسے بٹھایا۔ ابو بھی سامنے ہی بیٹھے تھے، لیل ماہ کو سب کے سامنے شرم بھی آ رہی تھی۔ ان خاتون نے چند ہزار کے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھے، دو سونے کے موٹے کڑے پہنائے۔

"بھائی صاحب! اب آپ ہمیں نکاح کی تاریخ دے دیں، کیونکہ منیب کو امریکہ بھی جانا ہے، کیوں منیب! اگلا اتوار ٹھیک ہے؟" انہوں نے دو باتیں ایک ساتھ ہی کر دیں۔ منیب صاحب نے پہلو بدل کر ہوں کہہ کر سر ہلایا۔ لیل ماہ پر جیسے پہاڑ آن گرا ہو، وحشت سے آنکھیں پھٹ گئیں، مگر نگاہ جھٹ جھکا بھی لی، ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی، ہونٹوں پر چیونٹیاں رینگنے لگی تھیں، وہ پیسے اور کڑے اسے آگ لگ رہے تھے، نوٹ اس کے ہاتھ سے گر گئے، جو امی بھابی نے بغور دیکھ لیا تھا، امی نے بھابی کو اشارہ کیا، وہ لیل ماہ کو اُٹھا کے لے گئی تھیں۔ لیل ماہ سر تھام کے بیڈ پر اوندھی لیٹ گئی تھی، یہ کیا کر رہے تھے اس کے ابو؟ اپنی عمر کے شخص سے اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔

"ابو! کے آگے کسی کی چلی ہے؟"

"مگر بھابی! یہ شخص ابو کی عمر کا ہے"۔ وہ رونے لگی۔

"کیا کریں؟ میں نے بھی کہا، امی نے بھی کہا، ہمیں ڈانٹ دیا، اب کیا کر سکتے ہیں؟" وہ تو ویسے بھی کب کسی کے لیے فکر مند ہوتی تھیں، انہیں کیا، نند کی کسی سے بھی شادی ہو۔ لیل ماہ تو اپنے گھومتے سر کو تھام کے بیٹھ گئی، کڑے اُتار کے تکیے کے نیچے رکھ دیے۔

"یہ کرنے جا رہے تھے ابو، آپی کی طرح اس کے ساتھ بھی ایسا ظلم، نہ اُگلتے بن رہی تھی نہ نگلتے، اگر انکار کرے گی تو گھر میں ہنگامہ ہوگا، اور وہ شہران.... اسے تو موقع مل جائے گا، پھر ابو کہیں آپی کی طرح اس کے ساتھ بھی وہی سب نہ کر دیں"۔ اسے خوف سے پسینے آنے لگے۔

"اگر اس شخص سے اس کی شادی ہو گئی تو ساری زندگی وہ اسے شوہر کا درجہ نہیں دے سکے گی، اپنے سے بڑی عمر کا شخص..... کیسے رہے گی؟" رونا بھی نہیں چاہتی تھی اور رونا آ بھی رہا تھا، اپنی بے بسی، بے وقعتی پر، ابو کو ذرا بھی اپنی بیٹیوں کا احساس نہیں تھا، وہ شروع سے اپنی مرضی مسلط کرتے آ رہے تھے۔

"امی....!" امی اندر آئیں تو ان سے لپٹ گئی۔

"امی! میرا قصور کیا ہے، کیوں کر رہے ہیں ابو ایسا؟" اس کے آنسو جھل جھل بہہ رہے تھے، امی بھی تو رو رہی تھیں، وہ تو خود ابو کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں، ایک بیٹی کا غم تو دل سے لگائے ہوئے تھیں، دوسری بیٹی کا غم بھی ان پر آن پڑا تھا، کتنی بحث کی تھی اس رشتے پر، مگر ابو نے ان کی ذرا نہیں سنی تھی۔

"صبر کرو میری بیٹی! تمہارے باپ ہیں، کوئی بُرا تھوڑی کر رہے ہیں، اتنا اچھا رشتہ ہے، خوش رہو گی"۔ انہوں نے اپنے آنسو پونچھے۔

"امی! یہ آپ کہہ رہی ہیں؟" وہ تو متوحش زدہ سی رہ گئی۔

"اور کیا بولوں؟ میری اگر چلتی تو میری بڑی بیٹی کے ساتھ وہ ظلم نہ ہوتا، جواب دوسری کے ساتھ بھی ہونے والا ہے، میں کیا بول سکتی ہوں؟ میں تو گونگی، بہری ہوں، جس کی کوئی عزت وقعت ہی نہیں ہوتی ہے"۔ وہ بھی اتنی مضطرب اور مغموم تھیں۔

"امی! کچھ تو بولیے، یہ دوگنی عمر کا شخص.... اسے کیا مار پڑی تھی شادی کی؟ اور یہ ابو کو نکرایا کہاں سے؟" اس کی تو عقل دنگ تھی، اتنا امیر کبیر رشتہ ابو کو ملا کہاں سے؟ وہ حرما کی شادی سے اتنے بدظن ہو گئے تھے، وہ اسے بھی کہیں بھی ٹھکانے لگانا چاہتے تھے۔

"پتہ نہیں کہاں ٹکرایا، میں نے زیادہ پوچھا تو غصہ ہونے لگے"۔

"امی! میں مر جاؤں گی، نہیں کر سکتی میں اس شخص سے شادی"۔ وہ امی کے گلے لگ کر اتنا روئی، امی بھی گھبرا گئیں، ان کی دونوں بیٹیوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، وہ صرف برداشت کر رہی تھیں، ارباز بھائی بھی ابو کے آگے زیادہ نہیں بول رہے تھے، کیونکہ ابو کا غضبناک غصہ وہ سب ہی بچپن سے دیکھتے آ رہے تھے۔ پوری رات اس نے روتے دھوتے آنکھوں میں گزاری، کسی طرح بھی وہ حرما کو بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی، مگر شہران کا سوچ کر ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ جاتی تھی۔

"شہران احمد! ایک تم نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے، کیسے میں جاؤں آپی سے ملنے؟" کروٹیں بدل بدل کر ہڈیاں دکھنے لگی تھیں، کبھی اُٹھ کر بیٹھتی، تو کبھی لیٹ جاتی، اف بے خبر سو رہی تھیں۔ جب سے منیب الرحمن کو دیکھا تھا، اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالت عجیب ہوگئی تھی، لمبی داڑھی، لمبے چوڑے توانا بڑے میاں تھے، دانت پیس کر اندر کے انتشار کو روکا۔

☆............☆............☆

فان کلر کی لمبی سی ایمبر ایڈری شرٹ پرسی گرین ٹراؤزر اور دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر ڈالے وہ پُر تمکنت لگ رہی تھی، ایک دفعہ بھی اس نے حمدان پر نگاہ نہیں ڈالی تھی، مگر حمدان استفہامیہ نگاہوں سے اسے جانچ رہا تھا، وہ خود کو اس سے بے نیاز ظاہر کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی، مگر انداز میں اس کے ابھی بھی ایسا احساس تھا جو وہ حمدان کی جانب بھی متوجہ تھی، ریوالونگ چیئر پر بیٹھی تیزی سے لیپ ٹاپ پر اس کی انگلیاں حرکت کر رہی تھیں، جبکہ وہ سامنے والی چیئر پر لب بھینچے ہوئے بیٹھا تھا، گرے پینٹ پر بلیو شرٹ میں ڈیسنٹ سا لگ رہا تھا۔

''حمدان احمد! آپ نے وزٹ کیا ایریا کا؟'' اریشماء نے خود کو ہنوز مصروف ظاہر کر کے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نگاہ مرکوز رکھی۔

''سر نے کہا تھا پہلے پروجیکٹ کو ٹیلی کر لیں، پھر ہی میں وزٹ بھی کروں گا''۔ آہستگی سے گویا ہوا۔

''ہوں....'' اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور سائیڈ پر کھسکا دیا۔

''ایسا کرتے ہیں آج ہی ہم دیکھنے چلتے ہیں، کیونکہ وہاں سے کافی زور دیا جا رہا ہے کہ کام شروع کروا دیا جائے، ہمارا لاسٹ پروجیکٹ کامیاب رہا ہے، اسلام آباد میں تو دھوم مچ گئی ہے''۔ اریشماء کو خوشی ہو رہی تھی کیونکہ حمدان کی ساری محنت جو رنگ لائی تھی، ڈیڈی نے اس پر سب کچھ چھوڑا ہوا تھا۔ اریشماء اس سے بڑے پروفیشنل انداز میں گفتگو کر رہی تھی، چہرے پر اس کے ذرا بھی ملال یا دکھ کا شائبہ تک نہیں تھا، اس دن منگنی والے دن کتنی تیکھی اور ناراض ہو رہی تھی، تیمور سے الجھنا تک اس نے دیکھا تھا جب وہ انگوٹھی پہنا رہا تھا، اریشماء کے تاثرات بالکل سرد تھے۔

''مسٹر حمدان! میں آپ سے کچھ کہہ رہی ہوں''۔ اریشماء اسے یوں خود کو تکتا پا کر ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

''جی، جی''۔ جھینپ کے پہلو بدل کے رہ گیا، لب بھینچ کے اپنے تاثرات نارمل کیے ورنہ اریشماء جواب میں کچھ اور نہ سمجھ لے، مگر حمدان کا دل بھی بے چین اور پریشان تھا، اریشماء کی زندگی کا فیصلہ بہت غلط بندے کے ساتھ ہو رہا تھا، تیمور پر اسے پہلے ہی شک تھا اور اس دن کے بعد سے تیمور اسے اور بُرا لگنے لگا تھا۔

''ابھی چلتے ہیں''۔ اریشماء اپنا سیل اُٹھانے لگی۔

''میڈم! کل چلیں گے، آج میں ساری رپورٹس تیار کر لیتا ہوں، تاکہ جب ہم وہاں وزٹ کریں گے تو ہمیں مسئلہ نہیں ہوگا''۔ اس نے بڑے نرم لہجے میں اسے سمجھایا۔

''ہوں.... یہ بھی ٹھیک ہے''۔ وہ بھی سر ہلانے لگی۔

''رپورٹس ساری تیار کر دیجیے گا، میں پھر رات میں دیکھ لوں گی، جب ای میلز چیک کروں گی تو''۔ وہ مسکرائی۔ حمدان کو اریشماء کے اطمینان بھرے چہرے پر حیرانگی ہو رہی تھی، اتنی خوش کیوں ہے، جبکہ وہ جانتا ہے اپنی منگنی سے ذرا خوش نہیں ہے، تیمور بھی اسے آفس میں ابھی تک نظر نہیں آیا تھا، وہ چیئر کھسکا کے کھڑا ہو گیا، اریشماء کی نگاہوں نے اس کا طواف کیا، وہ اتنا پُر سوچ اور متفکر سا بھی لگ رہا تھا، مگر کس وجہ سے؟ یہ وہ بھی نہیں جانتی تھی۔

''حمدان! ایک منٹ''۔ اس نے پکار لیا۔ حمدان کے قدم رک گئے، مگر وہ مڑا نہیں، سماعتیں منتظر تھیں، وہ اب کیا کہتی ہے۔

''آپ کچھ پریشان ہیں؟ جب سے میں آئی ہوں آپ کو میں نے گہری سوچ میں ہی دیکھا ہے''۔ وہ تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی، اس سے محبت کرتی تھی، حمدان کی حرکات و سکنات پر سب نگاہ ہوتی تھی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ یہ کہہ کر رُکا نہیں، ڈور کھول کے روم سے جانے لگا۔

''پلیز بات تو سُنیے!'' اریشماء نے پھر پکارا۔

''مجھے رپورٹس ریڈی کرنی ہیں''۔ نروٹھے پن سے گویا ہوا۔ وہ جز بز سی ہو گئی، حمدان نے سرد مہری کی حد کی ہوئی تھی، منگنی کے بعد سے اریشماء آفس بھی آج ہی آئی تھی، وہ تین چار دن سے آفس بھی نہیں آ رہی تھی۔

''حمدان احمد! پتا نہیں تمہیں میرے جذبوں کی رسائی کب ہوگی، یہاں میں تمہاری محبت میں ڈوبتی جا رہی ہوں، اور مجھے تم سے دیوانگی کی حد تک عشق ہو گیا ہے، تم مجھ سے جتنا دور بھاگ رہے ہو میں تمہارے اتنا ہی قریب آ رہی ہوں''۔ وہ روم میں ٹہلنے لگی، حمدان کو وہ ہر وقت سوچتی رہتی تھی۔

''مجھے خبر ہے تم ایک دن مجھے خود سے پکارو گے، یہ میں نے سوچ رکھی ہوئی ہے، محبت تو نفرت کو بھی کاٹ دیتی ہے اور دیکھنا میری محبت اتنی سچی اور پاک ہے حمدان! تمہیں جیت لے گی''۔ آنکھیں بند کر کے جذب سے سوچا۔ تیمور کو وہ بھول کے بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی، منگنی ہونے کے بعد بھی اس کا دل تیمور کی جانب مائل نہیں ہوا تھا، چچی جان کا چاپلوسی والا انداز، اس کا تو خون کھولا دیتا تھا، ڈیڈی یہ رشتہ ہونے پر بہت خوش تھے۔ انٹر کام کی بیل پر اس کی سوچوں اور خیالوں کا سلسلہ ٹوٹا۔

''او کے او کے، آتی ہوں''۔ حمدان کو جواب دے کر اس نے ریسیور رکھا اور اس کے روم میں آ گئی۔

''اب کیا مسئلہ ہو گیا؟'' اریشماء نے اسے کمپیوٹر کے آگے یوں پریشان دیکھا۔

''آپ اگر یہاں بیٹھ کر مجھے تھوڑا گائیڈ کر دیں گی، تو مجھے آسانی سے سب یاد رہے گا''۔ وہ مانیٹر پر نگاہ جمائے گویا ہوا۔ اریشماء حیران رہ گئی، حمدان نے آج یوں پہلی دفعہ اسے اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دی تھی، وہ بولے جا رہا تھا اور اریشماء خواب کی سی کیفیت میں آ گئی تھی، حمدان اتنا پیارا لگ رہا تھا، دل کر رہا تھا اس کا ماتھا چوم لے۔

☆............☆............☆

صبح سے اس نے مشین لگائی ہوئی تھی، گھر کے کپڑے بہت جمع ہو گئے تھے، شیبا تو پڑھائی میں مصروف ہو گئی تھی، حرما، اس سے تو ویسے بھی زیادہ کام نہیں کرواتی تھی، حمیرا بیگم کہتی بھی تھیں۔

''کب سے کپڑے دھو رہی ہو، ذیشان کے آنے کا ٹائم ہے، جاؤ تم نہاؤ اور کپڑے بدلو''۔

''امی! یہ آخری چکر ہے، اس کے بعد میں نہاؤں گی''۔ بالٹی اُٹھا کر اوپر زینہ چڑھنے لگی، اسی وقت شہران نے بالٹی اس کے ہاتھ سے لے لی، وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی، کیونکہ آج سے پہلے کبھی اس نے ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا۔

''آپ سارے کپڑے بالٹی اور ٹب میں جمع کر دیں، میں اوپر لے جاؤں گا''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔ حرما تو بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، آج شہران انسانوں کی طرح باتیں جو کر رہا تھا، ورنہ تو اس کا منہ سیدھا ہوتا ہی نہیں تھا، بالٹی لے کے وہ زینہ چڑھ گیا تھا۔

''شکر ہے خیال تو آیا، ورنہ تو لڑنے مرنے پر تیار رہتا ہے''۔ حمیرا بیگم کو بھی شہران کی خوش کن تبدیلی اچھی لگی۔ حرما نے بھی سر ہلایا اور باقی کے کپڑوں کا پانی نکالنے لگی، وہ سارے کپڑے اوپر لے گیا تھا، حرما نے بھی مشین وغیرہ دھونے کے بعد اوپر جا کر سارے کپڑے تار پر پھیلا دیے تھے، اسی وقت اس نے نگاہ اُٹھا کر اپنی چھت کی طرف دیکھا، وہاں سناٹا تھا، لیل ماہ کو دیکھنے اور ملنے کا کب سے دل چاہ رہا تھا، مگر وہ بھی پتا نہیں کیوں نہیں آ رہی تھی، لائبہ سے کہلوا بھی دیا تھا، اتنا تو اسے بھی پتا تھا لیل ماہ یونیورسٹی بھی نہیں جا رہی ہے، مگر کیوں نہیں جا رہی، یہ بات اسے ٹھیک نہیں لگ رہی تھی، ذہن بہت بوجھل ہو گیا تھا، تین بجنے والے تھے، نہا کر وہ نکلی تھی، بالوں کو تولیے سے خشک کر رہی تھی، ذیشان اندر آیا وہ دیکھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھک گئی، دوپٹہ اُٹھا کر شانوں پر ڈالا، ذیشان کی نگاہوں میں اس کے لیے ہمیشہ پیار چھلکتا تھا، حرما کو اس کا بھی خیال آتا تھا، اسے حق سے ابھی تک محروم کیا ہوا تھا، وہ اس کی محبت اور وارفتگی سب محسوس کرتی تھی، مگر وہ بھی مجبور تھی، اپنے ماں باپ تو اسے نہیں بھولے تھے۔

"کیا ہوا، طبیعت تو ٹھیک ہے؟" فکرمندی سے اس کے قریب بیٹھی۔ وہ سیدھا لیٹا ہوا تھا، آنکھیں اس نے بند کرلی تھیں، دونوں ہاتھوں کو ماتھے پر جوڑ کر رکھا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے"۔ وہ اتنا ہی گویا ہوا۔

"پھر خاموش کیوں ہیں؟" حرما کو اس کی خاموشی پر بھی فکر ہوتی تھی۔

"پورے تین پیریڈ لیکچر دیا ہے، سر میں درد ہو رہا ہے، پلیز! میرے سر میں ہاتھ چلا دو اپنی انگلیوں سے"۔ حرما اس کی نئی فرمائش پر استفہامیہ انداز میں اس کے چہرے کو جانچنے لگی، اس نے ابھی تک ایسا کچھ نہیں کروایا تھا۔

"کیسے؟" وہ جھجکتی، شرماتی پوچھنے لگی۔

"ایسے"۔ حرما کا ہاتھ پکڑ کے سر میں چلانے لگا۔

"ایسے ہی کرتی رہو، مجھے کچھ سکون مل جائے گا"۔

"تیل کا مساج کروں؟" اسے یکدم یاد آیا۔

"نہیں یار! مجھے تیل سے اُلجھن آتی ہے، تم ایسے ہی کرتی رہو، تھوڑی دیر میں اُٹھ کر نہاؤں گا"۔ وہ تکیہ ڈبل کر کے لیٹا۔

"میں اپنے بال سمیٹ کے آتی ہوں"۔ گیلے بال بار بار آگے آرہے تھے، وہ کیچر لگانے اُٹھ گئی۔ ذیشان نے اسے بغور دیکھا، کاسنی کاٹن کے ایمبرائیڈری والے سوٹ میں اس کی شہابی رنگت چمک رہی تھی، حرما کو دیکھ کر اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا کتنا مشکل ہوتا تھا۔ وہ جھجکتی حیا کے حصار میں ڈوبی اس کے سرہانے بیٹھی، ذیشان نے آج پہلی دفعہ ایسا کوئی کام کہا تھا، ورنہ وہ تو اپنے کام تک نہیں کرواتا تھا۔

"لیل ماہ بہت دن سے نہیں آرہی ہے"۔

"مجھے بھی نظر نہیں آئی، ورنہ ضرور میں تو ساتھ لے آتا"۔ ذیشان کی آنکھوں میں سرور ساطاری ہونے لگا تھا، حرما کی موی انگلیوں نے اسے بے سُدھ کر دیا تھا۔

"لائبہ سے کہلوایا؟"

"کئی دفعہ کہلوا چکی ہوں پتا نہیں کیا بات ہے؟ لیل ماہ آ کیوں نہیں رہی ہے، میرا تو دل گھبرانے لگا ہے"۔ انگلیاں چلاتے چلاتے اس کے ہاتھ رُک گئے۔

"گھبرانے کی کیا بات ہے، ہوسکتا ہے پڑھائی کی وجہ سے مصروف ہو"۔ ذیشان کو اس کے مغموم لہجے پر فکر ہوئی۔

"لائبہ بتا رہی تھی وہ یونیورسٹی بھی نہیں جا رہی ہے"۔

"ہوں....." وہ پُرسوچ انداز میں اُٹھ کے بیٹھ گیا۔ حرما کو چھ ماہ یہاں ہوگئے تھے اور وہ ابھی تک گھر سے باہر نہیں گئی تھی، اپنا گھر دیکھے ہوئے بھی لگتا تھا مدت گزر گئی ہے۔

"تم تیار ہو جاؤ"۔

"کہاں جانا ہے؟" وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

"آج تمہیں میں تمہاری امی کے پاس لے چلتا ہوں"۔

"جی....؟" وہ تو چونک گئی۔

"ہاں حرما! یہ ضروری ہے، کیونکہ تم جب تک خود پہل نہیں کرو گی، یہ دوریاں ایسی ہی رہیں گی، تم وہاں جا کر پتا تو کر سکتی ہو"۔

"آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں، یاد ہے ابو نے کیا کہا تھا؟" وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"سب یاد ہے، مگر اب تم وہ کرو گی جو میں کہوں گا، ورنہ یہ جنگ ایسے ہی چلتی رہے گی"۔ ذیشان مصمم ارادہ باندھ چکا تھا، کسی طرح بھی اسے یہ غلط فہمی دور کرنی تھی۔

"ابو آپ کو اور مجھے گھر میں داخل تک نہیں ہونے دیں گے"۔ اسے ڈر ستانے لگا۔

"تم چلو تو، یہ سب ہم وہاں جا کر دیکھیں گے"۔ اس نے حرما کی خوف سے بھری آنکھوں میں دیکھا، وہ اسے چھ ماہ میں اور زیادہ پیاری لگنے لگی تھی، اور وہ تکلیف میں رہے ایسا وہ نہیں چاہتا تھا، کچھ تو ایسا کرنا تھا کہ وہ اپنے والدین سے اور بہن بھائی سے مل جائے، ورنہ تو وہ گھٹ گھٹ کے مر جائے گی۔

☆.....☆.....☆

مصباح کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی، درمیان میں چھ مہینے تھے، امی نے تیاریاں شروع کر دی تھیں، تھوڑا تھوڑا وہ پہلے سے ہی تیار کر کے رکھتی جا رہی تھیں، کپڑے اور برتن کی خریداری کر رہی تھیں، حمدان کی تنخواہ میں انہوں نے کمیٹیاں بھی ڈالی ہوئی تھیں، جو انہیں وقت پر مل گئی تھیں، حمدان نے بھی کچھ پیسہ بینک میں جمع کیا ہوا تھا، اس لیے امی تسلی سے ہوگئی تھیں۔

"بیٹا! تم نے تو آنا ہی چھوڑ دیا ہے"۔ امی نے اسے گلے لگا کے پیار کیا، پنک جارجٹ کے پرنٹڈ پلین لائن سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی، حمدان نے کن انکھیوں سے دیکھا۔

"میں تو سمجھی منگنی کروا کے ہمیں بھول گئی ہیں"۔ مصباح نے بھی معنی خیزی سے اسے چھیڑا۔

"منگنی.... اوہنہ.... ایسے کسی ملک کے شہزادے سے نہیں ہوئی ہے کہ میں آپ سب کو بھول جاؤں"۔ وہ منگنی کے ذکر پر کڑوی ہوگئی۔ حمدان نے پہلو بدلا، ٹی وی کے چینلز سرچ کیے جا رہا تھا، اور تاثر ایسے دے رہا تھا وہ اریشماء کی طرف متوجہ ہی نہیں ہے۔

"بھائی جان تو بتا رہے تھے، بڑی زبردست منگنی ہوئی ہے، آپ نے ہمیں نہیں بلایا"۔ وہ منہ بسور کے شکوہ کرنے لگی۔

"جب میں ہی خوش نہیں تھی، بلا کے کیا کرتی؟ حمدان تو بہتر جانتے ہیں"۔ اس نے حمدان کو ہی مخاطب کرلیا، وہ گڑبڑا کے اسے حیرانگی سے دیکھنے لگا، اریشماء کے تیور آج اسے خاصے بدلے بدلے نظر آرہے تھے۔

"آپ کی شادی کب تک ہوگی؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا، ہاں البتہ تیمور سے تو بالکل بھی نہیں ہوگی"۔ لہجے میں یقین اور وثوق بھرا تھا۔ حمدان اور مصباح دونوں ہی چونک کر حیرانگی سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگے، وہ مسکرا رہی تھی، نگاہوں میں حمدان کے لیے بہت کچھ تھا۔

"پھر یہ منگنی کیوں کی؟" وہ بے ساختہ گویا ہوئی۔

"ڈیڈی کی خواہش تھی اس لیے کرلی، آگے میری جو خواہش ہے وہ ہوگی"۔ لہجے میں معنی خیزی تھی۔ حمدان پہلو بدل کے اُٹھ گیا، کیونکہ اریشماء مسلسل اسے ہی دیکھے جا رہی تھی اور مصباح کے سامنے اسے یہ سب بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، اریشماء میں پہلے جیسی جھجک نہیں رہی تھی، بلکہ وہ حمدان کو ہر وقت زچ کرنے کے چکر میں ہی لگی رہتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جانے کیوں مجھے خود سے بھی ڈر لگنے لگا ہے"۔ حمدان اپنے روم میں آ گیا، دل کی دھڑکنیں اریشماء، اریشماء کی پکار کر رہی تھیں، مگر وہ پکار پر کان نہیں دھرنا چاہتا تھا، اگر ایک دفعہ بھی اس نے رخ دے کر اس سے بات کر لی تو وہ خوش فہمی کا شکار ہو سکتی ہے۔ وہ مصباح کے ساتھ کچن میں لگی رہی اور حمدان اپنے روم میں ہی رہا۔ آٹھ بجے عدین گھر میں آیا تو ایک ہلچل سی ہی ہو گئی، کیونکہ وہ اریشماء کو دیکھ کر زیادہ چہکتا تھا، حمدان کو یہی سب ناگوار گزرتا تھا، مگر وہ عدین سے بھی کچھ نہیں کہتا تھا، کہ اریشماء سے بات چیت نہیں کیا کرے۔

"بھائی جان! کھانا لگ گیا ہے آ جائیے"۔ مصباح اسے بلانے چلی آئی، وہ موبائل کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ موبائل بیڈ پر ڈالا اور باہر آ گیا، ڈرائنگ روم میں کارپٹ پر دسترخوان لگا کے کھانا لگایا ہوا تھا، اریشماء پنک جارجٹ کے دوپٹہ قمیض اس پر پلین ٹراؤزر میں اپنی سادگی میں بھی انفرادیت رکھتی تھی، آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی، بے تکلفی سے پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی، اس پر تو بھولے سے بھی نگاہ نہیں ڈال رہی تھی۔

"ارے مصباح! گیلری میں کپڑے پڑے ہیں، بارش شروع ہو گئی ہے"۔ امی نے اپنے روم سے باہر کا جائزہ لیا، پھر سردی میں ایک دفعہ بارش ضرور ہوتی تھی، اور سردی کی لہر میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

"اوہ نو..... بارش شروع ہو گئی؟" اریشماء پریشان ہو گئی۔

"ارے اریشماء باجی! آرام سے، آپ کے پاس گاڑی ہے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے"۔ عدین نے اسے اطمینان دلایا۔ حمدان نے اس کے چہرے پر فکر و پریشانی دیکھ لی تھی، کھانے سے بھی ہاتھ روک لیا تھا۔

"بیٹا! آپ کھانا تو کھاؤ، بارش کوئی تیز نہیں ہو رہی ہے، رُک جائے گی"۔ امی نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔ مصباح سارے دھلے ہوئے کپڑے اُٹھا کے بیڈ پر ڈال آئی تھی، حمدان کو اریشماء پر اس لمحے بہت پیار آ رہا تھا، وہ کن انکھیوں سے کئی دفعہ اسے دیکھ چکا تھا، جب سے تیمور سے منگنی ہوئی تھی وہ بے کل سا بہت ہو گیا تھا، اس کی نگاہ اریشماء کی نازک انگلیوں پر پڑ رہی تھی، وہ بڑے بے تکلف انداز میں کھانا کھا رہی تھی۔ عدین کی لقمے بازی بھی جاری تھی، وہ مسکرا کے جواب دے رہی تھی، کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے تو اریشماء نے جانے کے لیے اپنا شولڈر بیگ اُٹھا لیا۔

"اریشما باجی! بارش تیز ہونے لگی ہے، رُک جائے تو چلی جائیے گا"۔

"بالکل بھی نہیں رکوں گی، کیونکہ ممی بہت پریشان ہو جاتی ہیں اور پھر یہ بارش مجھے نہیں لگتا رُکنے والی ہے"۔ اس نے رُکنے سے صاف انکار کر دیا۔ سردیوں کی بارش کا بھی کچھ پتا نہیں ہوتا، دوپہر سے موسم ابر آلود ہو رہا تھا، آٹھ بجے بارش شروع ہوئی تھی۔

"میں ساتھ چلتا ہوں"۔ حمدان اپنا اپر پہن کے چلا آیا۔ سب نے ہی متحیر زدہ ہو کر دیکھا، جو پہلے کی نسبت خوشگوار موڈ میں بھی لگ رہا تھا۔

"مجھے کہیں کام سے بھی جانا ہے، آپ کے ساتھ ہی نکل جاؤں گا، کیونکہ بارش میں بائیک پھسلنے کا ڈر رہتا ہے"۔ اس نے خود ہی توجیہہ پیش کی۔ حمدان نے آج سے پہلے کبھی اریشماء سے لفٹ تک نہیں لی تھی، نہ کوئی احسان، اچانک ہی اس میں یہ خوش کن تبدیلی..... اسے حیرت و انبساط میں مبتلا کر رہی تھی، عدین کی معنی خیز نگاہوں سے بچتا وہ گیٹ کھولتا باہر نکل گیا۔

"یہ بارش میں سورج کہاں سے نکلا تھا؟"

"بارش میں سورج کب نکلتا ہے؟" مصباح نے اس کی تصحیح کی۔

"یار! اپنے برادر کا موسم اتنا خوشگوار کیسے ہو گیا؟" اس کی تو سماعت اور بصارت یقین نہیں کر رہی تھی۔

"اچھا زیادہ فضول مت بولو"۔ امی نے اسے ٹوکا۔ اریشماء مسکرا کے اجازت لے کر چلی آئی، وہ گاڑی کے پاس ہی کھڑا تھا، بارش کی پٹر پٹر جاری تھی، گو اتنی تیز نہیں تھی مگر موسم میں ٹھنڈک بڑھ گئی تھی، وہ بلیو اپر کی پاکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالے اس کا منتظر تھا۔

"گاڑی آپ ڈرائیو کریں گے یا میں ڈرائیو کروں؟" ڈرائیونگ ڈور کھولتے ہوئے مخاطب ہوئی۔ حمدان نے چابی اس کے ہاتھ سے لے لی اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، اتنے قریب آنے پر اریشماء تو بوکھلا گئی، بھینی بھینی پرفیوم کی مہک ناک کے نتھنوں میں گھسی، تو سرور سا طاری ہو گیا، وہ چپ چاپ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی، حمدان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، ہر رسیٹ کیا، ایک نگاہ اس پر بھی ڈالی، وہ کچھ نروس سی ہو رہی تھی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے حمدان کے لب آپ ہی آپ مسکرا بھی رہے تھے، آج دل نے اس پر قبضہ جما لیا تھا، وہ اپنے اندر کے احساس کو نہیں روک سکا تھا، اتنے دنوں سے محبت کو دبا کے بیٹھا ہوا تھا، آج چاروں خانے چت کر دیا تھا، جب محبت کو محسوس کیا تو سب کچھ کتنا اچھا لگ رہا تھا، سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھی، بارش کی وجہ سے ٹریفک کا رش بھی تھا، ہلکی ہلکی بارش سردی کی شدت میں اضافہ ہی کرنے لگی۔

"آپ کی شادی کب تک ہے؟" حمدان کا غیر متوقع سوال، اس نے فہمائشی انداز میں ناگواری کا اظہار کیا۔

"کیا ہوا؟" حمدان جھینپ گیا۔

"میں کچھ دیر پہلے آپ کے گھر میں بتا چکی ہوں، کب ہو گی، آپ بھی وہاں موجود تھے"۔ اریشماء سرتاپا سُلگ ہی گئی۔

"یہی تو پوچھ رہا ہوں، کب ہو گی، اور تیمور سے کیوں نہیں ہو گی؟"

"منگنی تیمور سے ہوئی ہے، شادی بھی اُسی سے ہو گی، یہ تو آپ بھی جانتی ہیں"۔ وہ اسے تنگ کر کے محظوظ ہو رہا تھا۔

"شٹ اپ، مجھے اتنا مجبور نہیں کریں کہ میں اپنے اوپر قابو نہیں پا سکوں، حمدان احمد میں نے تم سے پیار کیا ہے، تمہارے علاوہ میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی، اور اگر میرے قریب کوئی آئے گا تو وہ آپ ہوں گے"۔ گاڑی اس کے بنگلے کے باہر رُک گئی تھی، اسٹریٹ پر اندھیرا تھا، پھر بارش کی وجہ سے سناٹا تھا۔

"یہ بے وقوفی ہے"۔ اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔ پھر تو اریشماء خود پر قابو نہیں رکھ سکی، حمدان کے گلے لگ کر اسے وارفتگی سے پیار کرنے لگی، حمدان تو بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا، اس پر تو لگتا تھا، محبت و عشق کا جنون سوار ہو گیا تھا، حمدان کے چہرے کی ایک ایک چیز کو اس نے چوم لیا تھا، اور حمدان پر نشہ سوار ہو گیا، آج وہ اسے جھڑک کیوں نہیں سکا، اریشماء کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر محبت کی بارش کر دی۔ گاڑی میں دو نفوس بالکل خاموش تھے، صرف سانسوں کا شور تھا، دماغ نے سوچ لیا تھا، اریشماء تیمور کی نہیں ہو سکتی، وہ اسے غلط ہاتھوں میں نہیں جانے دے گا، اریشماء سے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گاڑی نے جھٹکا مارا، وہ حواسوں میں لوٹ آئی، عجیب وحشت زدہ سی حمدان کو دیکھنے لگی۔

"آپ کا گھر آ گیا ہے"۔ وہ مخاطب ہوا۔ اریشماء اپنے خیالوں میں سفر کر رہی تھی، چہرہ پسینے پسینے ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

لیل ماہ کی حیرت سے آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، وہ تو گیٹ بند کرنے آئی تھی، بارش کی پٹر پٹر سے گھر تک گندہ ہو گیا تھا، وہ دونوں اندر کھڑے تھے، جبکہ لیل ماہ کی اتنی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ ان دونوں کو اندر آنے کو کہتی، مگر اس لمحے ان دونوں کی آمد نے اسے جیسے ڈھارس دے دی، اب وہ تنہا نہیں تھی۔

"اندر تو بلا لو، ہماری یہاں قلفی جمانی ہے یا فالودہ بنانا ہے؟" ذیشان نے شوخی سے کہہ کر اس کے آگے ہاتھ لہرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو چادر سنبھالتی ہوئی اندر بھاگی تھی، سب ہی وہاں موجود تھے، ابو، ارباز بھائی، بھابی سب ہی اسے دیکھ کر چونک گئے۔

''امی.....!'' وہ امی سے لپٹ گئی جبکہ ذیشان نروس سا ان سب کے درمیان کھڑا تھا، ابو نے سپاٹ انداز میں دونوں کو دیکھا، مگر منہ سے الفاظ ادا نہیں کیے۔

''حرما! آپ سب کو بہت یاد کر رہی تھی، میں اسے خود لایا ہوں زبردستی، یہ آپ سب کے ڈر کی وجہ سے نہیں آ رہی تھی جبکہ ڈر کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، یہ اس گھر کی بیٹی ہے''۔ ذیشان نے پُراعتماد انداز میں آواز کو مضبوط بنا کے وضاحت دی۔ ابو اُٹھ کر اندر چلے گئے جبکہ ارباز بھائی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، شکر تھا، انہیں کچھ تو خیال آیا۔ لیل ماہ کے گلے لگی تو اور رونا آیا۔

''میری آپ سب کو ذرا بھی فکر نہیں؟'' حرما نے رو کے شکوہ کیا۔

''کیا کریں، تمہارے باپ کی ضد کے آگے ہم تو مجبور تھے، میرا کلیجہ تو پھٹا جا رہا تھا، کتنا عرصہ ہو گیا ہے اپنی بچی کو دیکھے ہوئے''۔ امی نے اسے دوبارہ لپٹا کے پیار کیا۔

''دیکھیں ارباز بھائی! جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول جایئے وہ سب غلط فہمی میں ہوا ہے''۔ ذیشان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہم تو ابو کے آگے مجبور ہیں''۔ ارباز بھائی کو حرما کا رونا پریشان کر رہا تھا، ان کی بہن کے ساتھ زیادتی ہی ہوئی تھی، مگر وہ جوان کی بیوی چڑھا دیتی تھیں وہ اس پر ہی یقین بھی کر لیتے تھے۔ حرما کو لے کر لیل ماہ اندر چلی گئی تھی، اسے بھی تو وہ ظلم کی داستان سنانی تھی، دوسرا ظلم کیا ہونے والا تھا، حرما کو تو ہزار وائٹ کا جھٹکا لگا تھا۔

''یہ ابو کو کیا ہو گیا ہے؟'' حرما نے تو سر پکڑ لیا۔

''آپی! میں مر جاؤں گی، مگر اس آدمی سے شادی نہیں کروں گی''۔ رو رو کے اس کی آنکھیں ہر وقت سوجی ہوئی رہتی تھیں۔ امی کی بھی ابو کے آگے بالکل نہیں چل رہی تھی، وہ بھی اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھیں، ان کی دونوں بیٹیوں کے ساتھ ہی بُرا ہو رہا تھا۔

''تم ویسے تو بہت بولڈ بنتی ہو، ابو سے بات تو کرتیں''۔

''آپی! تم کیا سمجھ رہی ہو، تمہارے جانے کے بعد مجھے آزادی مل گئی ہے، ارے! میں نے یونیورسٹی بھی جانا چھوڑ دیا ہے، ہر چیز سے بے زاری ہو گئی ہے، دل کرتا ہے اپنی زندگی ختم کر لوں''۔ لیل ماہ کے چہرے پر حزن و ملال اور اُکتاہٹ و بیزاری سب نمایاں تھا، اسے جیسے جینے کی ذرا بھی اُمنگ نہیں تھی۔

''پہلے تمہارے ساتھ ابو نے ظلم کیا، اور اب مجھے بھینٹ چڑھا رہے ہیں''۔

''اچھا، اچھا، تم خود کو اتنا ہلکان نہیں کرو، میں ہی کچھ کرتی ہوں''۔ حرما گہری سوچ میں پڑ گئی، اس کا ذہن اِدھر اُدھر گردش کرنے لگا، اسے اپنی بہن کو بچانا تھا، ایسے تو اس کے ساتھ ظلم نہیں ہونے دے گی۔

''کیا کرو گی تم؟'' اس نے ناسمجھی کی کیفیت میں سوالیہ نگاہ اُٹھائی۔

''شہران کیسا ہے؟'' حرما نے جھٹ پوچھا۔

''شہران وہ آوارہ، لفنگا، بدمعاش.....'' اس کا نام سنتے ہی وہ بھڑک اُٹھی، حرما نے متوحش زدہ ہو کر اسے دیکھا۔

''لیل ماہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' اس کے لہجے میں دکھ بھی تھا۔

''آپ کو نہیں پتا مجھے آپ کے دیور نے الگ پریشان کیا ہوا ہے، کمینہ، بدمعاش، غنڈہ..... سمجھتا کیا ہے؟''

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

عنقریب ماہ نامہ ایم ریلڈ آ رہا ہے

ایم ریلڈ میں پراسرار سچی کہانیاں اور ایک ایسا سلسلہ جس میں ہر قاری شامل ہو سکتا ہے یعنی ایک سچا، چھوٹا سا پراسرار واقعہ آپ بھی لکھیے

اور بہت کچھ

ڈینٹل نیوز، ہیلتھ نیوز، بیوٹی ٹپس، نیو باورچی خانہ

روحانی آیات سے علاج

اور وہ کچھ جو اس سے پہلے آپ نے نہیں پڑھا

تمام ایجنٹس اپنی کاپی بک کروائیں پہلا آرڈر آنے پر 5 کاپی فری

صرف ایک بار پھر بار بار

ماہ نامہ ایم ریلڈ کی خط و کتابت کا پتہ

129D.Block II Pechs Karachi Phone: 02134535726

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عابدہ سبین

آخری قسط۔

مکمل ناول

تمہارے بن نہیں رہنا

''تمہاری سوچ بہت اچھی ہے سحاب! ایسے لوگ اب دنیا میں کم ہی ملتے ہیں، یہاں تو گھر، جائیداد کے پیچھے قتل ہو جاتے ہیں اور تم خود اپنا گھر دینے کو تیار ہو''۔

''گھر تو وہی ہوتا ہے ناں آنٹی! جو انسانوں سے آباد ہو، ویران مکان کو ہم گھر نہیں کہہ سکتے''۔

''تم نے اپنے گھر جانا ہے تو تیاری کر لو، شام میں مجھے ارجنٹ جانا ہے''۔ وہ اکھڑا اکھڑا سا جانے کب کمرے میں آیا ہوگا، اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

''مجھے نہیں جانا''۔ اس نے صاف منع کر دیا۔ آنٹی کے ساتھ وہ بھی حیران رہ گیا، جس اتوار کو اسے جانا ہوتا تھا وہ صبح سے گھڑی دیکھتے دیکھتے ٹائم گزارتی تھی اور آج.....!

''کچھ دیر کے لیے ہوا آؤ، دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا''۔ آنٹی نے اس کے چہرے پر پھیلنے والے پانی کے قطرے صاف کیے، وہ خاموشی سے مان گئی اور آدھے گھنٹے بعد ہی وہ ازمیر حیدر کے ہمراہ پھپھو کے گھر روانہ تھی، حسب معمول پھپھو اسے دیکھ کر بہت خوش ہو گئی تھیں۔

''پھپھو! آپ کہیں جا رہی تھیں؟'' انہیں چادر میں دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں بچے! راشن وغیرہ لینے جا رہی تھی، خیر! بعد میں لے آؤں گی''۔ انہوں نے پیار سے بھتیجی کا چہرہ چھوا، آنٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طبیعت پوچھی، ازمیر کو چائے ناشتہ وغیرہ پیش کیا، تقریباً گھنٹہ بیٹھی ہوگی وہ، پھر چلنے کو اُٹھ گئی، کیونکہ آنٹی کے لنچ کا ٹائم ہو رہا تھا، جاتے وقت اس نے پھپھو کے ہاتھ میں سفید لفافہ تھمایا تھا، جسے تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد انہوں نے لے لیا تھا، ازمیر حیران رہ گیا، پرسوں ہی اس نے سحاب کو پے دی تھی اور اس نے بالکل اسی طرح بند لفافہ لا کر اپنی پھپھو کو دے دیا تھا۔

"کیوں کرتی ہو تم ان کے لیے یہ سب، بہت قدر کرتے ہیں وہ تمہاری؟" بات حیران کن تھی مگر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اس کے منہ سے نکلے یہ الفاظ سحاب کو مسکرانے پر مجبور کر گئے۔

"وہ میرا نصیب ہے، مگر وہ ہیں تو میرے اپنے، ان کے لیے کچھ کرتی ہوں تو خوشی ہوتی ہے"۔ جواباً اس نے مخصوص انداز میں گھورا تھا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔ رمضان شریف کا چاند نظر آتے ہی گھر کا ماحول بدل گیا، گھر میں روزہ صرف ازمیر کا یا اس کا ہوتا تھا، آنٹی کی میڈیسن ضروری تھیں اور رحیم بھائی شوگر کے مریض تھے، اکثر بیمار رہتے تھے، روزہ ہونے کے باوجود وہ اپنے تمام کام روٹین کے مطابق کرتی تھی، بلکہ اب شام میں کچن میں اضافی دو گھنٹے مسٹ تھے اس کے کہ صبح میں رحیم بھائی ازمیر حیدر کی روز کی نئی فرمائشی لسٹ اسے تھما دیتے تھے۔

"اوہ گاڈ! کس قدر چٹورا ہے یہ شخص، اتنی چٹ پٹی چیزیں تو لڑکیاں بھی نہیں کھاتیں"۔ عصر کی نماز ادا کر کے وہ کچن میں جاتی تھی اور افطاری سے بیس منٹ پہلے وہ کچن سے نکلتی تھی، خود افطاری وہ کچن میں اکیلے کرتی تھی، اور آج شاید گرمی زیادہ تھی کہ اس کے سر میں شدید درد تھا، وہ سوائے کھجور اور پانی کے کچھ بھی نہ کھا سکی اور نماز پڑھتے ہی لیٹ گئی۔

"تم ٹھیک ہو سحاب؟" خلافِ معمول اسے بیڈ پر لیٹے دیکھ کر وہ فکر مند ہوئیں۔

"ہاں بس سر میں درد ہے"۔

"کوئی ٹیبلٹ وغیرہ لے لو بچے!"

"جی اچھا"۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے لیٹی رہی مگر باہر سے جب ازمیر کے تیز لہجے میں بولنے کی آواز آئی تو اُٹھ بیٹھی، اور سر پیٹ لیا، ازمیر نماز کے بعد کھانا کھاتا تھا، صبح ہی رحیم بھائی نے اسے کہا بھی تھا کہ بھیا نے کوفتے بنانے کا کہا ہے، مگر وہ بھول گئی، سر میں درد ہی اتنا تھا، وہ فٹافٹ اُٹھی اور کچن میں بھاگی۔

"آئی ایم سوری، میں ابھی تیار کر دیتی ہوں، مجھے یاد نہیں رہا"۔

"میڈم! آپ کو پے یہ کام کرنے کی ہی ملتی ہے، آرام کرنے کی نہیں"۔ اس کا غصہ عروج پر تھا، ایک تو سر درد اوپر سے اس کی پھٹکار، سحاب کا دل بھر آیا۔

"ریئلی سوری!"

"بھیا! سحاب بیٹی کی طبیعت اچھی نہیں تھی، اس لیے شاید وہ بنا نہ سکیں"۔

"رحیم بھائی! میں آپ کو اس کی فیور کے لیے تنخواہ نہیں دیتا، آپ اپنے کام سے کام رکھیں"۔ وہ انہیں بھی سناتا مما کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، مما جانتی تھیں یہ اس کی شروع کی عادت تھی کہ کھانے میں دس منٹ بھی دیر ہو جائے وہ یوں ہی شروع ہو جاتا تھا۔

"ازمیر! اپنا لہجہ نرم کر لو، ٹھیک ہے تم انہیں رقم دیتے ہو ہماری خدمت کی، مگر مت بھولو کہ سحاب یہاں ٹک کے لیے نہیں آئی تھی۔ اگر اس نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے تو تم یوں توہین مت کرو"۔

"یو نو مما! کہ مجھ سے بھوک نہیں سہی جاتی"۔

"مگر تم نے افطاری میں کچھ تو کھایا ہوگا؟"

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں ناں، جس دن کوفتے بننے ہوں میں کوئی اور چیز نہیں کھاتا، میں نے صرف جوس لیا تھا، افطاری میں اور ویسے بھی آپ کی جیٹھی نے آج پکوڑوں میں نمک بھی زہر سے زیادہ تیز کیا ہوا تھا، حلق سے اترے کب؟"

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی، اس کے سر میں درد ہے، تم بھی احساس کر سکتے ہو اس تکلیف کا، کیونکہ تم سے تو سر درد برداشت بھی نہیں ہوتا ناں؟" خالی پیٹ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، جب سحاب نے کھانا تیار کیا وہ بھوک سے نڈھال ہو چکا تھا، مگر سالن اتنا ٹیسٹی تھا کہ وہ ساری جھنجھلاہٹ بھول گیا اور مزے سے کھانا کھایا۔

☆.....☆.....☆

پندرہ روزے گزر چکے تھے، مگر مجال ہے جو گرمی میں ذرا بھی کمی واقع ہوئی ہو، سحاب حقیقتاً شام تک نڈھال ہو جاتی تھی، آنٹی کو احساس تھا کہ گرمی کے روزے اور اوپر سے اتنا کام، مگر اس کی خندہ پیشانی تھی کہ کبھی بھی اُکتاہٹ و بیزاری تک محسوس نہ ہونے دیتی، ان کے ساتھ ساتھ ازمیر کو بھی ہر کام، ہر چیز وقت پر چاہیے ہوتی تھی، رحیم بھائی تو بیمار تھے سو اس گھر کے نوے فیصد کاموں کی ذمہ داری اس پر آن پڑی تھی، لیکن اسے پھپھو بہت یاد آ رہی تھیں، کل اس نے انہیں فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں، ظاہر ہے کہ پھر گھر میں کتنی تنگی ہو رہی ہوگی، پھپھو کی محنت پر تو گھر چلتا تھا، اور آج صبح جب ازمیر نے اسے سفید لفافہ تھمایا تو اسے بہت حیرت ہوئی، ابھی تو دس دن باقی تھے، اس نے ازمیر کو دیکھا تو اُلجھن چہرے سے ظاہر تھی۔

"مما نے عید کی تیاری کے لیے دیئے ہیں، تمہیں جو خریدنا ہو لے آنا"۔

"مگر مجھے خر....."

"جو کہنا ہو مما سے کہنا"۔ اس نے لفافہ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور تیز قدموں سے چلا گیا، اس کی عید کی تیاری سے زیادہ اہم پھپھو تھیں، اس کے پاس تو پھر بھی کچھ پیسے تھے کہ وہ ہر پے سے اپنی ضرورت کے لیے رقم نکال کر باقی پھپھو کو دے آتی تھی، وہ تیزی سے ازمیر کی طرف بھاگی تھی، کہیں وہ چلا نہ جائے، شکر تھا کہ وہ ابھی تک تھا، اسے یوں تیزی سے اپنی اور آتے دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رُکا تھا۔

"وہ.....آپ مجھے پھپھو کی طرف چھوڑ دیں گے؟"

"ملازم ہوں تمہارا میں، کہ اپنا آفس چھوڑ کر تمہیں سیر کراتا پھروں؟" اس سے زیادہ اچھے لہجے کی اُمید رکھنا بھی بے سود تھا، وہ مایوسی سے پلٹ گئی۔

"آ جاؤ، چھوڑ دوں گا"۔ شاید ابھی تک اس کا دل مکمل طور پر پتھر نہیں بنا تھا، اب اگر وہ منع کرتی تو ازمیر نے اسے ذلیل کر دینا تھا، سو وہ اپنی عافیت اسی میں جان کر فوراً گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"صبح صبح کون سی آفت آ گئی تھی پھپھو سے ملنے کی؟"

"وہ بیمار ہیں"۔ مختصر سا جواب دے کر چپ ہو گئی، تمام سفر خاموشی سے کٹا تھا، مگر جب پھپھو کے گھر پہنچے تو وہ بولا۔

"صرف دس منٹ ہیں تمہارے پاس، کیونکہ مجھے دس بجے میٹنگ میں جانا ہے، تمہیں گھر چھوڑ کر"۔ وہ فرمانبرداری سے اندر آ گئی، پھپھو واقعی کافی نڈھال لگ رہی تھیں، مگر وہ تو جاب کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔

"آپ کی طبیعت خراب ہے، آج نہ جائیں چھٹی کر لیں"۔

"گھر کیسے چلے گا سحاب! مہینہ یوں ختم ہو جاتا ہے جیسے ہفتہ گزرا ہو، کرائے کے لیے مالک مکان دروازہ پیٹنے لگتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"کتنی بار کہا ہے آپ کو، دفعہ کریں اس مکان کو، آپ ابو کے گھر میں شفٹ ہو جائیں، یہ کرائے کے عذاب سے تو جان بچے گی آپ کی، مگر آپ نہیں مانتیں، پھپھو! پلیز مجھے اس گھر سے وابستگی ہے، میں اسے پُر رونق اور آباد دیکھ کر زیادہ خوش رہوں گی"۔

"سحاب! تجھے پتہ ہے ناں کہ تیرے پھپھا پہلے ہی اس مکان پر نظریں لگائے بیٹھے ہیں"۔

"جتنا میرا حق ہے اس گھر پر اتنا ہی آپ کا ہے، پلیز پھپھو! کیوں ضد پر اڑی ہیں، مجھ سے آپ کی یہ تکلیف نہیں دیکھی جاتی، اتنی بیماری میں آپ کی نوکری کرنا مجبوری ہے، اچھا یہ لیں کچھ پیسے ہیں"۔ اس نے ازمیر کی دی رقم ان کے ہاتھ پر رکھی تو کچھ فاصلے پر بیٹھا ازمیر غصے سے دانت کچکچا کر رہ گیا، وہ جب بھی اسے پیسے دیتا سارے لا کر وہ پھپھو کو تھما دیتی تھی، واپسی پر وہ اس کی کلاس لے رہا تھا۔

"میری ضرورت ہی کیا ہے، تین وقت روٹی وہ آپ کی مہربانی سے مجھے مل جاتی ہے، مگر پھپھو کو اس تین وقت کی روٹی کے لیے کتنی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے وہ آپ نہیں سمجھ سکتے"۔

"وہ رقم تمہیں تمہاری محنت کے بدلے ملتی ہے اور تم....."

"مجھے جس چیز سے اطمینان اور خوشی ملتی ہے میں وہی کرتی ہوں"۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم اسی مشن پر میری مما کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا رہی ہو کہ دھیرے دھیرے اپنی پھپھو کی....."

"میں اپنی محنت سے کمائی رقم انہیں دیتی ہوں، آپ سے مانگ کر نہیں دیتی"۔ پہلی بار ازمیر کے سامنے اس کا لہجہ قدرے سخت ہوا تھا، اس کے بعد ازمیر تلخ باتیں سناتا رہا مگر اس نے خاموشی نہیں توڑی تھی، رات میں عشاء کی نماز کے بعد وہ مما کو سحاب کی باتیں بتا رہا تھا۔

"میں اسے عید کے لیے خود کپڑے وغیرہ دلوا دوں گی"۔

"وہ جانتی تھی کہ آپ اس کی ضرورت پوری کر دیں گی تبھی وہ تمام پیسے ہر ماہ جا کر اپنی پھپھو کے ہاتھ پر رکھ آتی ہے، اب پتہ چلا آپ کو کہ کیوں بھیجا ہے انہوں نے سحاب کو یہاں؟"

"وہ بہت خوددار بچی ہے، اتنے ماہ ہو گئے، آج تک کبھی اس نے اپنی اتنی سی ضرورت کا اظہار نہیں کیا مجھ سے، تم اسے پے دیتے ہو اس کی محنت کے بدلے، اگر وہ اپنی خوشی سے وہ رقم اپنی پھپھو کو دیتی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟ اسے تمہاری دولت کا لالچ نہیں ہے ازمیر!"

"آپ اب تک اس کی پلاننگ نہیں سمجھ رہیں"۔

"سب سمجھتی ہوں میں، اگر وہ لالچی ہوتی یا محض ہماری دولت کی وجہ سے اس گھر میں ہوتی تو وہ کبھی اس گھر کو اپنا سمجھ کر تمام ذمہ داریاں نہ اٹھاتی، کیونکہ وہ اس گھر میں صرف میرے لیے آئی تھی، تمہارے لیے یا اس گھر کے باقی کاموں کے لیے نہیں"۔

"مجھے اپنے کسی کام کے لیے اس کی قطعی ہیلپ کی ضرورت نہیں ہے، میں خود کر سکتا ہوں"۔

"ضرور..... تبھی تو اگر تمہاری افطاری میں تمہاری فرمائشی لسٹ میں ایک چیز کی بھی کمی رہ جائے تو تم اس پر چلاتے ہو"۔

"ہاں کیوں کہ کوکنگ وہ کرتی ہے"۔

"کیا تم اسے یہ کہہ کر اس گھر میں لائے تھے کہ کچن کا کام بھی اس کی ڈیوٹی میں شامل ہے؟"

"آپ مجھ سے کیوں اس کے لیے بحث کر رہی ہیں؟"

"کیونکہ وہ مجھے تمہاری طرح عزیز ہے"۔

"مما! میں آپ کا بیٹا ہوں، اور وہ آپ کی کچھ نہیں لگتی"۔

"وہ میری بہت کچھ لگتی ہے"۔ مما کے لہجے میں خفگی اُتر آئی۔

"یوں اب میں خود چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے چلی جائے"۔

"واٹ؟ اور آپ..... کتنا بہتر ہو گئی ہیں اس کے آنے سے، مما! کوئی اور اس طرح آپ کی کیئر نہیں کر سکتا، جیسے وہ کرتی ہے"۔ وہ انجانے میں سہی مگر اعتراف کر گیا تھا اس کی نیک نیتی کا۔

"ہاں مگر مت بھولو کہ اس نے اپنی عمر بھر گنوانے کا ٹھیکہ نہیں لے لیا، اصل میں مجھے تم سے بات کرنی ہے، مسز وسیم آئی تھیں، انہیں سحاب اتنی پسند آئی کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے اس کا پرپوزل لے کر آئی تھیں"۔

"مما! یہ ہمارا ہیڈک نہیں ہے، اس کی شادی کرنا، ہم نے اسے صرف ایز اے سرونٹ رکھا ہے، شادی کی فکر اس کی پھپھو کریں، جو ہر ماہ صرف پیسے لینے کے لیے اسے یاد کرتی ہیں"۔

"جن کا اپنا گھر اس لڑکی کی محنت پر چلتا ہو وہ کبھی اس کی شادی کا نہیں سوچیں گی، اگر پھپھو نے سوچ بھی لیا تو اس کا لالچی شوہر کبھی نہیں مانے گا"۔

"مما! یہ مسئلہ ہم کیوں ڈسکس کریں؟ میرے لیے اس بات کو ایشو بنانا غیر اہم ہے"۔

"مگر میرے لیے بہت اہم ہے اور میں چاہتی ہوں کہ سحاب کی شادی ہو جائے، میرے دل میں اس کے لیے وہی فیلنگز ہیں جو تمہارے لیے ہیں"۔

"بٹ مما! میرے لیے ہر ایشو سے اہم آپ کی ذات ہے، جب تک آپ مکمل طرح ٹھیک نہیں ہوتیں وہ لڑکی یہاں سے کہیں نہیں جائے گی، آپ کے اچھے ہونے کے بعد میرے لیے اس کی ذات قطعی غیر اہم ہے"۔

"میرا بیٹا اس قدر سیلفش کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے یقین نہیں آتا، تم وہی ازمیر ہو، جو ایک راہ چلتے انسان کے دکھ کو بھی اپنا محسوس کرتا تھا، اور سحاب کے لیے تم اتنے سیلفش..... اگر ہم اتنے عرصے کسی جانور کو بھی اپنے ساتھ رکھیں ناں تو ہمارے اندر اس کے لیے بھی ہمدردی و محبت جنم لے لیتی ہے اور تم..... دن رات وہ تمہارے سامنے ہے، کیا اتنا عرصہ کافی نہیں ہے کسی کو جاننے کے لیے؟"

"مجھے اس کو جاننے میں قطعی دلچسپی نہیں ہے، وہ آپ کی ضرورت ہے، اس لیے میں اسے یہاں برداشت کرتا ہوں، اینڈ لیٹس"۔ وہ سخت خراب موڈ لیے باہر نکلا تھا، باہر اسے سحاب مل گئی جو مما کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آ رہی تھی۔

"مائنڈ اِٹ سحاب بی بی! میں تمہیں یہاں اپنی مما کی کیئر کے لیے لایا تھا، تمہارا رشتہ کرانے نہیں، جس کام کے لیے یہاں ہو صرف اس پر توجہ دو، امیر لڑکے پھنسانے کا کام تم اپنے گھر لوٹ جانے کے بعد بھی کر سکتی ہو"۔ سحاب اس کی ہر بات برداشت کرتی تھی، اس کا مزاج سمجھ کر، اس کے دل پر لگی چوٹ کو جان کر، مگر وہ اس حد تک اس کی تذلیل کرے گا یہ نہیں سوچا تھا اس نے۔

"میں یہاں آپ کی سرونٹ ہوں مسٹر ازمیر حیدر! مجھے اس بات سے کبھی انکار نہیں رہا، مگر میرے کردار پر اُنگلی اُٹھانے کا حق نہیں دیا میں نے آپ کو"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جسٹ شٹ اپ! اچھی طرح سمجھتا ہوں میں تم جیسی لڑکیوں کو، اپنی یتیمی کا رونا رو کر تم کس طرح دوسروں کو پھنساتی ہو، تم نے کوششیں کر ڈالیں، مجھ پر بس نہ چلا تو تم نے فیضی پر تیر چلا لئے، اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے؟" اس نے سحاب کی ذات کے پرخچے ہی اُڑا دیئے تھے۔ سحاب سے مزید وہاں رُکنا مشکل ہو گیا تھا، وہ آنٹی کے لیے اس کے ہر رویے کو برداشت کرتی رہی مگر کب تک؟ اسے نہ دولت کا لالچ تھا، نہ محبت کا، دولت انسان کی ضرورت ہو سکتی ہے اور بس وہ ضرورت کے لیے ہی پیسے کو اہم سمجھتی تھی، دولت کبھی بھی اس کے لیے سب کچھ نہیں رہی تھی، اس لیے تو اس کی ہر طنزیہ بات سہتی رہی، جب اس کے نزدیک یہ چیز اتنی اہم تھی ہی نہیں پھر بُرا کیا ماننا، مگر وہ ان روپوں پیسوں کے لیے اپنی ذات پر انگلی نہیں سہہ سکتی تھی، آنٹی پر اس نے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا، ان کو دودھ پلا کر، میڈیسن دے کر معمول کے مطابق اس نے تمام کام کیے تھے، سحری بھی بنائی تھی، مگر سورج کے نکلتے ہی وہ خود بھی اس گھر سے نکل گئی تھی، اسے دکھ تھا کہ وہ آنٹی کو بتا کر بھی نہ آئی تھی۔ وہ سیدھا اپنے گھر آ گئی تھی، جو اس وقت اُجاڑ کسی کھنڈر کی صورت بکھرا پڑا تھا اس کی ذات کی طرح، روزہ ہونے کے باوجود اس نے صفائی کی ٹھانی اور دوپہر ہو گئی اسے گھر کو صحیح روپ میں لاتے لاتے، ظاہر ہے ان کا گھر دو کمروں پر مشتمل تین مرحلے کا چھوٹا سا گھر تھا، کبھی یہ گھر اسے محلوں سے زیادہ عزیز تھا، کیونکہ ابو نے جس محنت اور محبت سے بنایا تھا، اسے وہ عزیز تھی، گھر کھلا دیکھ کر اس کے پڑوس کی خالہ وحیدہ بھی آ گئیں۔

"سحاب! تم واپس آ گئیں؟"

"ہاں خالہ! کب تک کسی پر بوجھ بنتی؟ جب زندگی گزارنی ہی اکیلے ہے تو پھر آج سے ہی سہی"۔

"تمہارا روزہ ہے بچے؟" اس کی تھکن اور گرمی سے ہوتے بُرے حال کے پیشِ نظر پوچھا تھا انہوں نے، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا افطاری تم ہمارے ساتھ کرنا آج"۔

"جی اچھا!" وہ ان کی محبت کو دیکھتے ہوئے مان گئی۔

☆.....☆.....☆

صبح جب وہ سو کر اٹھیں انہیں لگا سحاب کچن میں ہو گی، مگر جب دس بج گئے تو انہیں لگا شاید ان کے سوتے میں وہ پھپھو سے ملنے گئی ہو، اس کی پھپھو کی طبیعت جو خراب تھی، سارا دن گزر گیا تو ان کی فکر بھی بڑھ گئی اور ازمیر کو شاک جب لگا، جب افطاری پر ٹیبل پر اس کی فرمائشی کوئی چیز نہ تھی، فروٹ چاٹ، پکوڑے اور جوس کے علاوہ، وہ چیخ اُٹھا۔

"رحیم بھائی! میں صبح آپ کو کیا کہہ گیا تھا؟"

"بھیا! مجھے جو بنانا آتا تھا میں نے بنا دیا، سحاب بیٹی صبح سے گھر نہیں ہے"۔

"کیا....؟" وہ یکدم اُچھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سحاب گھر نہیں ہے، تو کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں"۔ ازمیر افطاری بھول کر مما کے روم میں آیا تھا۔

"مما! سحاب کہاں ہے؟"

"یہ سوال تو مجھے تم سے کرنا چاہیئے"۔

"مجھے کیا علم وہ کہاں ہے؟"

"مگر یہ ضرور پتہ ہے کہ وہ کیوں گئی ہے؟" مما کا لہجہ کھردرا اور الفاظ چبھتے ہوئے تھے، وہ ہڑبڑا گیا۔

"مجھے نہیں پتہ کہ وہ کیوں گئی اور کہاں گئی؟"

"تم نے کل رات اسے کیا کہا تھا ازمیر! یقیناً ایسی کوئی بات کہی ہے تم نے جو وہ سہہ نہ سکی"۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا اُسے کہ وہ یہ ڈرامہ کرے، اس قدر غیر ذمہ دار لڑکی، بتا بتائے کیسے جا سکتی ہے؟"

"تم جا کے روزہ افطار کرو"۔ مما کو اس وقت اس کے ساتھ بحث کرنا مناسب نہ لگا، وہ بھی خاموشی سے چلا گیا، مگر عشاء کی نماز کے بعد وہ اور مما پھر سے اس بحث کو لے کر بیٹھے تھے۔

"اندازہ ہوا آپ کو اس سے؟ وہ کتنی سیلفش تھی؟"

"اور تم.... تمہیں اس بات پر غصہ ہے کہ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر بنا بتائے چلی گئی، اس بات کی فکر نہیں ہے کہ وہ کہاں گئی ہے؟"

"آف کورس وہ اپنی پھپھو کے گھر ہو گی"۔

"نہیں گئی ہے وہ وہاں"۔ ان کے ٹھہرے لہجے میں عجیب سا سرد پن اُتر آیا۔

"آپ نے...."

"میں نے فون کیا تھا، مگر انہیں یہ نہیں بتایا کہ سحاب یہاں بھی نہیں ہے، مگر انہوں نے فون اُٹھاتے ہی پہلا نام اس کا لیا کہ سحاب تم ٹھیک ہو، مجھے بہانہ بنانا پڑا کہ میں نے تو آپ کی طبیعت پوچھنے کو کال کی ہے، سحاب سو رہی ہے"۔

"پھر کہاں ہے وہ؟" ازمیر کتنا بھی سخت دل سہی، غصے اور تنفر میں اس نے جانے اسے رات کیا کہا، مگر اسے فکر ہوئی تھی کہ وہ تنہا لڑکی تھی، بہت زیادہ بہادر بھی نہیں تھی۔

"تم نے میرا دل دکھایا ہے ازمیر! بہت گہرا صدمہ دیا ہے مجھے"۔ مما کا لہجہ بھیگ گیا اور وہ بُری طرح رو دیں، اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ مما سحاب سے اس قدر محبت کرنے لگی ہیں، اتنی اٹیچ ہو گئی ہیں اس سے کہ اس کے لیے یوں روئیں گی، وہ تو محض ضرورتاً اسے اس گھر میں برداشت کر رہا تھا، مگر اب لگا کہ وہ اس گھر کی ضرورت نہیں گھر کا حصہ بن چکی تھی۔

"آئی ایم سوری مما! میں سمجھ ہی نہ سکا کہ آپ اسے اتنا چاہتی ہیں"۔ مما کی وجہ سے ہی وہ اسے لایا تھا، اب خود ہی ان کے دکھ کا سبب بن گیا۔

"میں اسے ڈھونڈ کر لاؤں گا مما! آپ کے پاس"۔

"میں جانتی ہوں وہ کہاں ہو گی، لیکن مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ وہ اب نہیں آئے گی، تمہاری باتوں نے اس کی خودداری اور انا کو ٹھیس پہنچائی تھی، اس کے پاکیزہ کردار کو الزام دیا ہے تم نے، وہ نہیں آئے گی، اور اچھا ہے نہ آئے، کتنے دعوے سے لائی تھی میں اسے کہ اس کا خیال رکھوں گی، حفاظت کروں گی، کیا فرق رہا اس کی نظر میں، ہمارے اور اس کی پھپھو کے گھر میں، وہاں اس کی پھپھو کا شوہر اس معصوم کا دل چھلنی کرتا تھا اور یہاں میرا اپنا بیٹا، اسے بات بے بات ضرب لگاتا رہا، ازمیر! تم نے کبھی سوچا کہ وہ کیوں تمہاری ہر تلخی خاموشی سے سہہ لیتی ہے، کیوں کسی بھی بات کا بُرا نہیں مناتی تھی، ہر طعنہ، ہر طنز نظر انداز کرتی تھی، مجرم نہ ہوتے بے قصور ہوتے ہوئے وہ کبھی تمہارے سامنے کھڑے ہو کر نہ پوچھ پائی کہ کیوں تم اسے اس قدر نفرت سے دیکھتے ہو، کیوں اسے بُرا سمجھتے ہو؟ میں بتاتی ہوں تمہیں کہ وہ کیوں چُپ تھی، اس لیے ازمیر! کہ وہ تمہارے اندر کی توڑ پھوڑ سے واقف تھی، تمہارے دکھ کو سمجھتی تھی اور اس کے دل میں تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے کو لے کر بہت ہمدردی تھی، وہ تمہارے دکھ میں شامل تھی، احساس تھا اسے کہ تم کیوں اس طرح بی ہیو کرتے ہو، ارے! اگر وہ چاہتی تو تمہارے سامنے کھڑے ہو کر پوچھ سکتی تھی تانیہ نے جو کیا، اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی سزا تم اسے کیوں دے رہے ہو، وہ تانیہ نہیں تھی ازمیر! اگر تم نے تانیہ کے کیے ہر فعل کا بدلہ اس معصوم سے لیا، ہر روز اپنے لفظوں کے تخت تیر چلا کر اسے زخمی کرتے رہے اور وہ سہتی رہی، مگر کب تک؟ وہ انسان تھی، بے زبان جانور نہیں، اور پھر بھی اس کی اعلیٰ ظرفی دیکھو کہ وہ بنا کسی شکایت کے کچھ کہے بنا چلی گئی، حالانکہ وہ چاہتی تو تمہارے بدصورت رویے کا جواب تمہارے منہ پر مار کر جا سکتی تھی، یہ اس کی اعلیٰ تربیت تھی ازمیر! جس نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا، خدا کے لیے اپنے دل، دماغ سے تانیہ کو نکال دو، بھول جاؤ اس منحوس عورت کو، جس نے ہم سے ہماری ہر خوشی چھین لی، ہمارے گھر کا سکون چھین لیا، ہر لڑکی میں تانیہ نظر آتی ہے تمہیں، مگر ازمیر! ابھی دنیا میں سحاب جیسی لڑکیاں بھی ہیں، اپنی آنکھوں سے نفرت کی یہ پٹی اُتار کر دیکھو، پلیز ازمیر! تمہاری یہ نفرت تمہارا کہیں بہت بڑا نقصان نہ کر دے''۔ وہ مما کو ایک لفظ بھی جواب میں نہ کہہ سکا تھا، مگر سحاب کو اس نے ہر حال میں تلاش کرنا تھا، وہ کیسے اتنی خودسر ہو سکتی تھی کہ اسے بتائے بنا ہی چلی گئی؟ عید سے پہلے اسے گھر واپس لانے کی قسم کھائی اس نے کہ اپنی مما کی خوشی سے بڑھ کر اسے کچھ عزیز نہ تھا، خود اپنی ذات بھی نہیں، وہ اس کی پھپھو کے گھر گیا، انہیں ساری حقیقت بتائی تو وہ رونے لگیں۔

''پلیز روئیں مت، مجھے بتائیں وہ کہاں جا سکتی ہے؟ اس کا کوئی ٹھکانہ، کوئی اور رشتہ دار؟''

''وہ کہاں جا سکتی ہے بیٹا! سوائے اپنے گھر کے، وہیں گئی ہوگی، میرے پاس آتی تو پھر وہی کل کل، اس لیے وہاں چلی گئی ہوگی''۔

''اپنے گھر، اس کا گھر کہاں ہے؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا تھا اور جیسے ہی اسے ایڈریس ملا وہ سیدھا سحاب کے گھر پہنچا تھا، بنا ناک کیے سیدھا اندر چلا گیا، وہ نماز پڑھ رہی تھی، ازمیر نے پہلی بار اس کی خوبصورتی اور معصومیت کا اعتراف دل میں کیا تھا، اس نے دعا ختم کر کے جائے نماز سمیٹی تو سیدھی نظر ازمیر پر ٹھہری تھی۔

''آپ..... یہاں؟'' اس کے لہجے میں غصہ نہیں تھا صرف سنجیدگی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی مما کو اکیلے چھوڑ کر آنے کی؟ بغیر بتائے تم گھر چھوڑ کر آ گئیں؟ مجھے بتایا تھا تم نے؟''

''مسٹر ازمیر حیدر! میں آپ کی جاگیر نہیں ہوں، محض ملازمت کرتی تھی آپ کے گھر، جس کے عوض تنخواہ لیتی تھی، جب مجھے لگا کہ اب مزید میں وہاں نہیں رہ سکتی تو آ گئی''۔

''میں یہاں تمہاری تقریر سے متاثر ہونے نہیں آیا، تمہیں لینے آیا ہوں، ابھی اور اسی وقت تم میرے ساتھ چل رہی ہو بس''۔ کیا اجارہ داری تھی اس کی، جب جی چاہا ذلیل کر دیا اور جب جی چاہا..... کتنا عجیب شخص تھا یہ۔

''میں کہیں نہیں جا رہی ہوں''۔

''تم سے پوچھ نہیں رہا ہوں میں، بتا رہا ہوں کہ گھر لاک کرو اور چلو''۔

''میں کہہ چکی ناں کہ مجھے کہیں نہیں جانا''۔ وہ بھی اڑ گئی، ازمیر کا پارہ ہائی ہو گیا، اس نے سختی سے اس کی نرم کلائی مضبوط ہاتھ میں تھامی اور زبردستی اسے باہر گاڑی تک لے آیا۔

''بیٹھو شرافت سے''۔

''یہ کیا زبردستی ہے، جب میں نہیں جانا.....''

''جسٹ شٹ اپ! تم جاؤ گی، میری مما کی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، وہ تمہارے بنا نہیں رہ سکتیں، اور ان کے لیے تو مجھے ساری دنیا کو آگ بھی لگانی پڑ جائے تو لگا دوں گا، تم کیا چیز ہو، معمولی سی لڑکی، اب مزید تماشہ بنانے سے بہتر ہے خاموشی سے گاڑی میں بیٹھو، مجھے یہاں کے لوگوں کے فضول سوال نہیں سننے''۔ سحاب کا دل بھر آیا، اس شخص نے کتنا گرا دیا تھا، کیا سمجھا تھا اسے، محض اپنے گھر اور ماں کی ضرورت، اس کی اپنی کوئی حیثیت نہ تھی، وہ بے جان

نہیں تھی، جیتی جاگتی انسان تھی۔

''ارے سحاب بچے! تم کہیں جا رہی ہو؟'' وحیدہ خالہ اس کے لیے شاید کچھ لے کر آئی تھیں، اسے یوں گاڑی کے قریب کھڑا پا کر فکرمند سی ہو گئیں۔

''یہ کون ہے؟'' ان کا اشارہ اب ازمیر کی طرف تھا۔

''زہرہ آنٹی کے بیٹے ہیں، آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے خالہ! میں ان کو دیکھنے جا رہی ہوں، آپ پلیز گھر کو تالا لگا دیں، میں آپ سے چابی بعد میں لے لوں گی''۔ یہاں مزید کھڑے ہو کر واقعی تماشہ بننا تھا، ازمیر حیدر نے کرنا تو وہی تھا جو اس نے سوچا تھا، سو وہ اپنی بے بسی پر روتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''آپ فائدہ اُٹھا رہے ہیں میرے اکیلے ہونے کا، میرے سر پر کوئی سائبان نہیں ہے، بے آسرہ ہوں ناں اس لیے''۔ وہ بُری طرح رو رہی تھی، مگر ازمیر نے اس کی فضول سی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، وہ لب بھینچے تیزی سے گاڑی بھگا رہا تھا، گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اس کے لب ہلے تھے۔

''مما کے سامنے جانے سے پہلے یہ چہرہ دھو لینا اور انہیں قطعی یہ پتہ نہ چلے کہ میں تمہیں تمہاری مرضی کے بنا لایا ہوں''۔

''میں آپ کے کسی بھی حکم کی پابند نہیں ہوں''۔ جانے اس شخص کے لیے جو خوف تھا دل میں کہاں سو گیا تھا۔

''ہونا پڑے گا تمہیں میرے حکم کا پابند، کیونکہ یہ میرا گھر ہے اور تم جانتی ہو یہاں صرف میری چلتی ہے''۔

''میں نہیں رہنا چاہتی آپ کے اس گھر میں''۔

''تم یہیں رہو گی اور میں دیکھتا ہوں تم کیسے اس گھر سے قدم بھی باہر نکالتی ہو، مس سحاب ریاض! ٹانگیں توڑ ڈالوں گا تمہاری''۔

''کس حیثیت سے حکم دے رہے ہیں، ہم میں ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں آپ کی ہر بات مانوں، میں اپنی مرضی کی مالک ہوں، انڈر اسٹینڈ؟'' وہ اپنی ہمت پر خود حیران تھی۔

''تم صرف میری مرضی کی تابع ہو اور بس''۔ وہ انگلی اُٹھا کر اسے وارن کرنے والے انداز میں بولا تھا پھر گاڑی سے اُتر گیا۔

''بہتر ہوگا اندر جانے سے پہلے اپنا چہرہ اور لہجہ دونوں درست کر لو، تمہاری اتنی بکواس صرف مما کے لیے برداشت کی ہے میں نے، آئندہ نہیں کروں گا''۔

''پھر عادت ڈال لیں ازمیر صاحب! اس بکواس کی، کیونکہ اب سحاب ریاض بھی پہلے کی طرح ہر بات نہیں سہے گی''۔ اسی کے انداز میں جواب دیتی وہ آگے بڑھی مگر اس کی بازو پر سخت گرفت نے روکنے پر مجبور کر دیا۔

''میرے ساتھ دوبارہ اتنی زبان چلائی ناں تو منہ توڑ دوں گا تمہارا، ایڈیٹ لڑکی''۔ وہ بُری طرح غرایا تھا، مگر سحاب ڈری نہیں تھی، زبردستی بازو چھڑاتی اندر چلی گئی تھی، اور سیدھی آنٹی کے پاس جا کر رُکی تھی، جو اسے دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں اور بیٹھنے کی کوشش کرنے لگیں، سحاب نے ان کی مدد کی اور پھر ان کے سینے میں سر چھپا کر رو دی۔

''بس بچے! روزے کی حالت میں نہیں روتے''۔

''آئی ایم سوری آنٹی! میں بہت بُری ہوں ناں، صرف اپنی ذات کے سکھ کے لیے آپ کو دکھ دیا، معاف کر دیں مجھے''۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کیا ہو سحاب! یہ میرے دل سے پوچھو میری جان! تم چلی گئیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ تمہارے بنا جینے کی تو مجھے عادت ہی نہیں رہی تھی، میں ادھوری ہوں تمہارے بغیر"۔ وہ کافی دیر ان کی گود میں سر چھپائے لیٹی رہی۔

"اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر کے دل ہلکا ہو چکا ہو تو مس سحاب! افطاری بنا دیں، صرف ڈیڑھ گھنٹہ ہے روزہ کھلنے میں"۔ وہ بازو سینے پر لپیٹے اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مخاطب تھا، سحاب نے اس سے نہ ڈرنے کا عہد کر لیا تھا، مگر وہ آنٹی کے سامنے اس شخص کو کچھ بھی کہہ کر آنٹی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ازمیر! ابھی تو وہ آئی ہے"۔

"مما! ڈیوٹی از ڈیوٹی، یہ اس کی جاب کا حصہ ہے، پلیز! اسے کرنے دیں، اُٹھیں میڈم! رحیم بھائی کچن میں آپ کا ویٹ کر رہے ہیں"۔ وہ اسے سخت لہجے میں حکم دیتا پلٹ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بیس روزے گزر چکے تھے اور آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا، ساتھ مبارک طاق راتیں، جب سے اس نے رمضان المبارک کے روزے باقاعدگی سے رکھنا شروع کیے تھے، اسی عمر سے وہ طاق راتوں کی عبادت بھی نہیں چھوڑتی تھی۔ آج اکیسویں رات تھی اور اپنے تمام کام انجام دے کر وہ جائے نماز سنبھال کر باہر آ گئی تھی، کیونکہ اگر رات بھر لائٹ آن رہتی تو آنٹی ڈسٹرب ہوتیں، اسے لگا سکون سے عبادت کرنے کے لیے اسٹڈی روم بہترین ہے، سو وہ وہیں آ گئی اور اپنی عبادت میں لگ گئی تھی، ڈیڑھ بجے اسٹڈی کی لائٹ آن دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا، شاید رحیم بھائی لائٹ آف کرنا بھول گئے ہوں، مگر جب وہ اندر آیا تو ٹھہر سا گیا، وہ جائے نماز بچھائے دونوں ہاتھ پھیلائے جانے اللہ سے کیا طلب کر رہی تھی، اس کے چہرے پر پھیلے آنسو اور ہلکی ہلکی سسکیاں وہ صاف سُن اور دیکھ سکتا تھا، اس لمحے سحاب ریاض کے چہرے پر اسے ایک انجانی سی چمک نظر آئی تھی، ایک ایسی کشش کہ کئی لمحے وہ نظریں نہ ہٹا سکا، اسے لگا کہ اس وقت سحاب کو ڈسٹرب کرنا ٹھیک نہیں ہے، وہ خاموشی سے مڑ گیا، مگر سحری تک وہ اس لمحے کی گرفت سے نہ نکل سکا تھا۔ آنسوؤں سے تر وہ معصوم و پُرکشش چہرہ، کیسا نور، کیسی چمک تھی اس لمحے اس چہرے پر کہ اس کا سحر اب تک نہیں ٹوٹا تھا۔

"رات ڈیڑھ بجے تم اسٹڈی میں کیا کر رہی تھیں؟" سحری میں عموماً وہ دونوں ہی اُٹھتے تھے، تو اسے اس وقت سحاب سے ڈائریکٹ بات کرنی پڑتی تھی عموماً وہ ہر آرڈر رحیم بھائی کے ذریعے اس تک پہنچا دیتا تھا۔

"اکیسویں رات تھی، اس لیے نوافل اور قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہی"۔ اس کے لہجے میں اب وہ ڈر نہیں ہوتا تھا جو پہلے ہوا کرتا تھا، اب وہ سہمی سہمی نہیں بلکہ پورے اعتماد سے اسے جواب دیتی تھی، اور اس کے جواب پر ازمیر حیدر کی نگاہیں پھر سے لمحہ بھر کو اس کے چہرے پر بھٹکی تھیں، اس کی آنکھوں میں واقعی رات بھر جاگنے کی گواہی تھی، وہ خاموشی سے سحری کرنے لگا۔

"چائے لیں گے آپ؟"

"نہیں"۔ اس کا جواب سن کر وہ کچن میں چلی گئی اور خود بھی سحری کرنے لگی تھی۔

"سنو! تم سحری کے بعد جا کر سو جاؤ، باقی کام رحیم بھائی کر لیں گے، تم رات بھر سے جاگی ہوئی ہو"۔

"میں یہاں کام کے لیے ہی لائی گئی ہوں، یہ میری ڈیوٹی ہے جسے انجام دینا میرا فرض ہے، آپ کی ہمدردی کا شکریہ، مگر مجھے مفت کی روٹی منظور نہیں ہے"۔ اتنے نرم لہجے کے جواب میں اتنے سخت الفاظ اس کا استقبال کریں گے قطعی امید نہیں تھی اسے، اس کے اندر کا ضدی بچہ پھر سے جاگ گیا۔

"کہا تھا ناں تم سے کہ مجھ سے زبان نہ چلانا، ورنہ بہت بُرا ہو گا تمہارے حق میں"۔

"اس سے زیادہ اور بُرا کیا کر سکتے ہیں آپ جو آپ کر رہے ہیں؟" اس نے چائے کا کپ پٹخا تو ازمیر کے دماغ کی رگیں تن گئیں۔

"تم قطعی اس قابل نہیں ہو کہ تم سے جھوٹی ہمدردی کی جائے، سرور میری بلا سے"۔ سحاب کو اس کے موڈ کی، غصہ کی قطعی پرواہ نہیں رہی تھی، اس نے کچن کا کام سمیٹا، نماز ادا کی، کچھ دیر تلاوت کی اور پھر لیٹ گئی، کچھ دیر بعد وہ قطعی غافل تھی، اسے احساس نہ ہوا کہ وہ کب تک سوئی، وہ اب بھی شاید سوتی رہتی، مگر اسے لگا کہ ازمیر حیدر کی آواز اس کے قریب ہی گونجی ہے، اس کی ساری نیند بھک سے اُڑ گئی، اور آنکھیں کھولیں تو وہ واقعی روم میں موجود تھا، مگر قطعی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، بلکہ مما کو ایکسرسائز کروا رہا تھا، سحاب یکدم اُٹھ بیٹھی اور سب سے پہلے سر بانے دھرا دوپٹہ اُٹھا کر کاندھوں پر اور سر پر پھیلایا تھا، پھر گھڑی دیکھی جو ڈیڑھ بجا رہی تھی۔

"اوہ گاڈ! میں اتنا بے خبر سوئی، جانے آنٹی نے ناشتہ بھی کیا ہو گا کہ نہیں؟"

"اگر آپ کی نیند پوری ہو چکی ہو تو پلیز مما کے لیے لنچ بنا دیں"۔ وہی طنزیہ لہجہ تھا مگر اس کی نظریں اس پر نہیں تھیں، وہ کپڑے درست کرتی اُٹھ گئی، عجیب سی جھجک و شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا اسے، وہ بے خبر سوتی رہی، نیند میں انسان کو قطعی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس طرح سے سو رہا تھا اور وہ دوپٹے سے بے نیاز لیٹی سوتی رہی۔

"آئی ایم سوری آنٹی! میری آنکھ نہیں کھلی، آپ نے ناشتہ کیا؟ آپ مجھے جگا دیتیں"۔ وہ گھنے سلکی بالوں کو کیچر میں جکڑ رہی تھی مگر اس طرح کہ دوپٹہ بھی سر سے نہ ہلے۔

"اِٹس او کے جانو! آئی نو، تم رات بھر سوئی نہیں تھیں، اسی لیے جگانا مناسب نہیں لگا، رحیم بھائی نے مجھے ناشتہ بنا دیا تھا، ڈونٹ وری، اور سنو! ابھی لنچ کے لیے کچھ مت بنانا، مجھے قطعی بھوک نہیں ہے"۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی، حکم بھرا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

"مما کے لیے سوپ بنا لاؤ"۔

"جی!"۔ کہتی وہ اگلے پل ہی کمرے سے باہر تھی، ازمیر حیدر کے سامنے دوپٹے سے بے نیاز بے خبر سوتے رہنا، وہ یہ سوچ کر ہی بہت شرمندگی محسوس کر رہی تھی، حالانکہ اتنے عرصے کے ساتھ میں ازمیر حیدر کے اعلیٰ کردار کی ضمانت وہ آنکھیں بند کر کے دے سکتی تھی، غصہ، نفرت، روکھا پن، اجنبیت اس کی آنکھوں میں ہمہ وقت دیکھا تھا، مگر ان کے علاوہ کسی اور نظر سے کبھی سامنا نہیں ہوا تھا اس کا، وہ پھر اپنی سوچوں میں غلطاں سوپ بنا رہی تھی کچن میں، جب وہ بھی آن پہنچا۔

"رحیم بھائی! آج افطاری میں صرف جوس لوں گا میں اور کچھ نہیں بنائیے گا"۔

"جی بھیا!"

"رحیم بھائی! کھانے میں کیا بنانا ہے؟" اکثر ہی وہ ان ڈائریکٹ بات کرتے تھے اور ذریعہ رحیم بھائی ہوتے تھے، بے چارے وہ خوامخواہ پس جاتے تھے۔

"کچھ نہیں بنانا، اپنے لیے جو بنانا ہو بنا لینا، میں کھانے میں کچھ نہیں لوں گا"۔ اس قدر چٹورہ انسان اگر منع کر رہا تھا ہر چیز سے، ضرور وجہ تو ہو گی، جانے انجانے وہ بھی اس کی فکر کرتی تھی، روز دہی بڑے، پکوڑے، سموسے، آلو چھولے اور جانے کیا کیا بنوانے والا آج صرف جوس سے افطار کرے گا؟ امیزنگ.... سارا دن وہ حیران ہوتی رہی، اس کے منع کرنے کے باوجود بھی سحاب نے تھوڑے سے فروٹ اور جوس افطاری کے وقت ٹیبل پر سجا دیئے تھے، مگر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے واقعی صرف جوس پیا تھا، اور نماز پڑھنے چلا گیا، یہ بات فکرمندی کی تھی، وہ نماز ادا کر کے لوٹا تو اس نے خود ہی مخاطب کرلیا۔

"کچھ بناؤں آپ کے لیے کھانے میں؟"

"تمہارے کان خراب ہیں یا یادداشت؟" اس کا لہجہ درشت تھا، وہ پچھتانے لگی اپنی ہمدردی پر، اس کے سامنے سے ہٹ گئی، یہ شخص اس کے ساتھ کتنا بھی بُرا سہی، مگر وہ دل سے کبھی اس سے نفرت نہیں کر پائی تھی، ایک ہمدردی تھی اسے ازمیر حیدر سے کہ اس کے ساتھ جو حادثہ ہوا بہت بُرا ہوا۔ آنٹی نے تو خود کو سمجھا لیا تھا مگر وہ اپنا اعتماد کھو بیٹھا تھا انسانوں پر سے، کبھی کبھی یہ ہمدردی بہت اپنے پن کا روپ دھار لیتی مگر اگلے ہی پل ازمیر کا لہجہ، اس کے لفظ پھر سے اس کے جذبات بدل دیتے، دونوں ہی سرد جنگ لیے ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ آج چھبیسواں روزہ تھا اور حسب معمول سحری کے بعد کچھ گھنٹے آرام کر کے وہ آفس جانے کو تیار تھا، سحاب مما کے لیے ناشتہ لے کر جا رہی تھی، جب ازمیر عین اس کے سامنے آن رُکا۔

"مما کو بتا کر دو منٹ میں آؤ، میں گاڑی میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں"۔

"مگر کیوں؟"

"ہر بات کے جواب میں سوال مت کیا کرو، جتنا کہا ہے اُتنا کرو، جسٹ ٹو منٹس، او کے؟" وہ سر جھٹکتی آنٹی کو ناشتہ دے کر، انہیں بتا کر آ گئی کہ وہ ابھی آ رہی ہے، روزے میں جھوٹ بھی کیا بولتی اور سچ تو یہ تھا خود بھی وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کہاں جانا ہے؟ وہ بالکل خاموشی سے اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی تھی تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"کہاں جانا ہے اب مجھے؟"

"پلیز اسٹاپ اِٹ، میرے سر میں شدید درد ہے، اس لیے اب دوبارہ مت بولنا"۔ وہ خاموشی سے ونڈو سے باہر بھاگتی دوڑتی گاڑیاں دیکھنے لگی، اسے قطعی اندازہ نہیں تھا ازمیر اسے کہاں لایا ہے، جھٹکا اس وقت لگا جب اس نے کورٹ میں خود کو پایا۔

"نیچے اُترو"۔ سرد لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

"مگر ہم یہاں؟"

"خاموشی سے اُترو"۔ ترش انداز پر وہ جھنجھلاتی دروازہ پٹخ کر باہر آ کر کھڑی ہو گئی، وہ گاڑی لاک کر کے اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ لایا تھا اور یہاں آ کر جو حقیقت اسے معلوم ہوئی وہ سحاب کی دنیا ہلانے کو کافی تھی، وہ شاکڈ تھی بالکل ساکت، اس حد تک کی امید نہیں تھی اسے ازمیر حیدر سے۔

"سحاب! سائن کرو پلیز!" وہ شاید لوگوں کے خوف سے نرم لہجہ اپنائے ہوئے تھا۔

"بیٹی! سائن کرو"۔ اس آواز پر وہ چونکی، اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا رہا تھا، یہ کیسے کر سکتی تھی وہ اس کی اجازت کے بنا، اس کی مرضی کے قطعی خلاف وہ اتنا بڑا قدم اُٹھا لے گا، زبردستی کرے گا، لاچار اسے سائن کرنے پڑے، مگر واپسی پر وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی آپ اتنا گر جائیں گے، میری مجبوری کا فائدہ اُٹھائیں گے"۔

"اب تو تم خود سوچ سکتی ہو کہ تم میری مرضی کی تابع ہو، اور میری اجازت کے بغیر تم میرے گھر سے ایک قدم بھی نہیں نکال سکتیں"۔

"صرف اس لیے کہ میں اپنے گھر چلی گئی تھی آپ نے مجھے اتنی بڑی سزا دی؟"

"یہ سزا تمہیں تمہاری زبان درازی کی وجہ سے ملی ہے، مسز سحاب حیدر! اب تو تم یہ نہیں کہہ سکتیں کہ میرا کوئی حق نہیں ہے تم پر حکم چلانے کا"۔ اس کے چہرے پر طنزیہ اور فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"میں کبھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ آپ کے اندر اتنا گرا ہوا انسان بستا ہے، ایک کمزور لڑکی کی بے بسی سے فائدہ اُٹھایا ہے آپ نے، اللہ بھی کبھی آپ کو معاف نہیں کرے گا"۔

"میرا سر مت کھاؤ، خاموشی سے بیٹھو"۔ وہ اسے ڈانٹتا ہوا بولا اور گھر کے گیٹ تک ڈراپ کر کے خود آفس چلا گیا تھا، وہ خود نہیں جانتا تھا اس نے ایسا کیوں کیا، صرف اتنا تھا ذہن میں مما اس کے بنا نہیں رہ سکتیں، کل مسز وسیم کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بعد اس نے یہ ڈی سی ژن لیا تھا۔ مسز وسیم بضد تھیں اپنے بیٹے کے لیے سحاب کو بہو بنانے کے لیے اور مما مان جاتیں کیونکہ وہ سحاب سے محبت کرتی تھیں، اسے خوش دیکھنا چاہتی تھیں، اور وہ.....ازمیر حیدر اپنی مما کو خوش دیکھنا چاہتا تھا اور مما کی خوشی کا نام سحاب تھا، اسے اس کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا سحاب کو مستقل اپنے گھر میں روکنے کا، سو اس نے رات بھر جاگ کر یہ فیصلہ کیا اور صبح ہوتے ہی سحاب کو لے کر کورٹ میں پہنچ گیا، جہاں اس نے بنا سحاب کی مرضی جانے اس سے نکاح نامہ پر زبردستی سائن کرائے تھے، مگر اب وہ مطمئن تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت سحاب کو اس گھر سے نہیں لے جا سکتی، وہ ہمیشہ مما کے پاس رہے گی۔ وہ اپنی من مانی کر کے خوش تھا، مگر سحاب کے لیے پل پل سانس لینا مشکل ہو رہا تھا، اتنا بڑا فیصلہ، وہ آنٹی کو بتائے تو کیسے؟ کہ ان کے بیٹے نے تو اس کی ساری زندگی تباہ کر دی، اپنی انا کی تسکین کے لیے، عمر بھر کے لیے غلام بنا ڈالا تھا، مگر وہ آنٹی سے کچھ نہ کہہ پائی، ہاں ازمیر حیدر سے نہ ڈرنے کا جو عہد اس نے کیا تھا وہ اب مضبوط ہو گیا، اس نے ازمیر کے ہر کام سے بائیکاٹ کر دیا، شام میں افطاری پر صرف فروٹ چاٹ کی پلیٹ اس کا منہ چڑا رہی تھی، وہ خاموشی سے سہہ گیا، مگر نماز کے بعد آیا تو علم ہوا کہ کھانا آج بنایا ہی نہیں گیا، غصے سے اس کے اعصاب تن گئے اور جیسے ہی سحاب مما کے لیے دودھ لینے رات کو کچن میں آئی تھی، وہ اس کے پیچھے وہاں موجود تھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ اب بھی تمہارا نخرہ اور غرور نہیں ٹوٹا؟ حالانکہ اب تو تمہیں مزید دل جمعی سے میری خدمت کرنی چاہیئے کہ میں تمہارا مجازی خدا ہوں اب"۔ وہ اسے چڑا رہا تھا، خون جلا رہا تھا، اس نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر رکھی تھیں، اس کا اندازہ ازمیر کو تب ہوا جب اس نے ازمیر کو زہریلی نظروں سے گھورا، وہ پتھر دل نہیں تھا، لمحہ بھر اسے بہت افسوس ہوا کہ اس نے اپنی ضد کے لیے ایک لڑکی کی زندگی تباہ کر ڈالی، اس کی ہر خوشی چھین لی، مگر کیا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ تھا سحاب کو یہاں روکنے کا؟

"تمہارے گھورنے سے میرا پیٹ نہیں بھرے گا، مجھے بہت بھوک لگی ہے"۔ وہ اب بھی اَن سُنی کرتی نکل رہی تھی کہ اس نے راستہ روک لیا۔

"میری شرافت کا ناجائز فائدہ مت اُٹھاؤ سحاب!"

"شرافت.... اچھی طرح جان گئی ہوں آپ کو بھی اور آپ کی شرافت کو بھی"۔

"رئیلی! یہ تو اچھی بات ہے ناں کہ تم مجھے اچھی طرح جان گئی ہو، آگے تمہیں مشکل نہیں ہو گی"۔ وہ قدرے اس کی طرف جھک کر بولا۔

"میری بے بسی کا اتنا مذاق نہ اُڑائیں ازمیر حیدر! کہ میں جان دینے پر مجبور ہو جاؤں، میری ذات کا وقار اور میرا فخر تو آپ نے چھین لیا ہے، صرف جسم میں جان ہی بچی ہے میرے پاس، وہ بھی نکال لیں، اگر آپ کی جھوٹی انا کو تسکین اسی طرح ملتی ہے تو"۔ اس کی بات کے جواب میں ایک زوردار تھپڑ ملے گا اسے، یہ اس کے ذہن و گمان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا۔

"یہ لاسٹ وارننگ تھی، اس کے بعد اگر تم نے میرے سامنے یہ لہجہ اور آواز تیز استعمال کی تو..." وہ مٹھیاں بھینچتا وہاں سے ہٹ گیا، اس کے مضبوط اور سخت ہاتھ کا نشان اس کے سفید گال پر ثبت ہو گیا تھا۔ دوپٹے سے کور کرتی وہ آنٹی کو میڈیسن دے کر اسٹڈی میں چلی گئی تھی، آج ستائیسویں شب تھی، وہ اپنے ربّ کے حضور حاضر تھی، مگر آج اس کے اندر مایوسی تھی، وہ جو مایوسی کو گناہ گردانتی تھی آج خود کو ہارا ہوا، بے بس و لاچار محسوس کر رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا میرے ربّ! جو ہوا وہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟ مگر میرا دل اسے قبول نہیں کر رہا، اے مالک! تیری رضا کے بنا تو پتہ بھی نہیں حرکت کر سکتا، پھر ازمیر حیدر جیسا انسان اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتا ہے؟ میں جانتی ہوں تُو رحمٰن ہے، میری صرف تیری ذات سے اُمید ہے اور تُو ہی میرے حق میں بہتر سوچنے والا ہے، میں تیری رضا میں راضی ہوں"۔ ایک پھندا سا اس کے گلے میں اٹک گیا، وہ مزید کچھ کہے بنا پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، ساری رات اس نے اللہ سے رو رو کر دُعا کی تھی، سحری میں وہ اس کے لیے ٹیبل پر تمام چیزیں رکھ کر خود صرف چائے کا کپ بنا کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی، ازمیر آیا تو سحری ٹیبل پر تیار تھی مگر وہ خود نہیں تھی، اس نے کچن میں جھانکا تو ندارد، پھر وہ مما کے روم میں آیا تو وہ بیڈ سے ٹیک لگائے نیچے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو جاری تھے، ایک انجانی کیفیت سے دوچار ہوا تھا وہ، اس کے آنسو ازمیر کے دل پر بھاری بوجھ بن کر جیسے ٹھہر گئے، وہ سحری کے لیے بیٹھا، مگر اس سے ایک نوالہ تک نہ کھایا گیا، وہ پانی کا گلاس پی کر اُٹھ گیا، اذان ہوئی تو مسجد چلا گیا، سحاب اس کے جانے کے بعد باہر آئی تو ٹیبل پر تمام چیزیں جوں کی توں رکھی تھیں، اس نے کسی چیز کو چھوا تک نہیں تھا، وہ گہری سانس خارج کرتی ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگی، پہلے نماز ادا کی پھر واپس آ کر برتن دھونے لگی، اتنے میں وہ بھی آ گیا تھا، برتنوں کی کھٹ پٹ سن کر سیدھا کچن میں آیا تھا۔

"تم نے روزہ رکھا ہے؟" حالانکہ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ روزہ نہیں قضا کرتی تھی، اس نے محض سر کو اثبات میں ہلایا تھا۔

"پھر سحری کیوں نہیں کی، کچھ کھایا بھی نہیں؟"

"کھایا تو آپ نے بھی کچھ نہیں ہے"۔ انجانے میں ہی دونوں ایک دوسرے کی فکر کرتے تھے، اس کا جواب ازمیر کو مسکرانے پر مجبور کر گیا، حالانکہ کچھ دیر پہلے وہ بہت دکھی ہو کر گھر سے نکلا تھا۔

"رئیلی! تم اتنی فکر کرتی ہو میری، تو مجھے بھی تو کچھ نہ کچھ تمہارا خیال رکھنا چاہیئے ناں، تم بھوکی رہو تو میں کیسے کچھ کھا سکتا ہوں؟" اس نے سرد نظروں سے گھورا، وہ یکدم سنجیدہ ہو گیا۔

"رات غصے میں تم پر میرا ہاتھ اُٹھ گیا، اس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں"۔

"کیوں یہ تو آپ کا حق تھا ناں؟ اسی حق کو جتانے کے لیے تو آپ کو اتنا اہم فیصلہ کرنا پڑا، اب شرمندگی کیسی؟"

"تم نہیں سمجھو گی"۔ پہلی بار اس نے ازمیر کا لہجہ اتنا کمزور دیکھا تھا۔

"میں سمجھنا چاہتی بھی نہیں ہوں"۔ وہ اس کے برابر سے نکل کر کمرے میں جا گھسی تھی۔ سارا دن وہ بہت خاموش رہی، زہرہ آنٹی نے کئی بار پکارا، وہ یوں چونک جاتی جیسے کسی گہری نیند سے جاگی ہو، ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو پھر سے آنکھیں بھر آئیں۔

"میں کیا مانگوں تجھ سے اے میرے ربّ! تُو میری ذات کو، میرے من کو سکون عطا کر، میرے دل کی یہ بے چینی، یہ مایوسی دور فرما دے مالک! زندگی تیری دی ہوئی ایک عظیم نعمت ہے، میں اس سے انکاری نہیں ہوں، مگر زندگی کے ان

تلخ تجربوں سے تھک چکی ہوں، بہت کمزور ہوں میں، اے میرے اللہ! مجھے ہمت دے حالات سے لڑنے کی، اپنے حق کے لیے بولنے کی، تُو جانتا ہے کل سے اب تک میری شناخت بدل گئی، مگر اب مجھ میں زمانے کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے، تُو مجھے حوصلہ دے، آنے والا وقت جانے میرے لیے کیسے سوال اُٹھائے، مجھے اس وقت کا ہمت سے مقابلہ کرنا ہے"۔ اس نے مزید اپنے ربّ سے گڑگڑا کر دعا کی پھر جائے نماز سمیٹ کر باہر آ گئی، لاؤنج میں اس ظالم انسان کو موجود پا کر اسے پتہ چلا کہ وہ آفس سے آج جلد آ گیا ہے، وہ مڑ کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی، جہاں آنٹی شاید اس کی منتظر بیٹھی تھیں۔

"سحاب! ازمیر آفس نہیں گیا؟"

"صبح گئے تو تھے شاید جلدی آ گئے"۔

"پتہ نہیں مجھے وہ پریشان سا لگ رہا ہے کل سے، جانے کیا بات ہے؟" ان کی فکرمندی پر وہ حیران رہ گئی اور سوچ تلخ ہو گئی۔

"میری زندگی کا سکون برباد کر کے وہ خوش ہے، آنٹی کو وہ پریشان لگ رہا ہے"۔ وہ تو اس کی چُپ بھی نوٹ کر رہی تھیں۔

"سحاب! تم دونوں میں پھر سے کوئی بات تو نہیں ہوئی؟ کیونکہ تمہارا چہرہ بھی اُترا اُترا سا ہے، آنکھیں تم نے لاکھ کوشش کی چھپانے کی مگر تمہارے رونے کی گواہ ہیں"۔

"نہیں، انہوں نے مجھے کیا کہنا ہے؟ میں تو اپنی قسمت پر رو رہی تھی آنٹی!"

"پھر رات تمہارے چہرے پر نشان کیسا تھا جو تم چھپا رہی تھیں مجھ سے؟" وہ اتنی بے خبر نہیں تھیں جتنا سحاب سمجھ رہی تھی۔

"پلیز آنٹی! مت پوچھیں کچھ"۔

"ٹھیک ہے، مجھے باہر لے چلو، میں ازمیر سے ڈائریکٹ پوچھ لیتی ہوں"۔

"میں یہیں حاضر ہوں مما جانی! کیا پوچھنا ہے آپ کو؟" وہ بہت لائٹ موڈ میں ان کے کمرے کے دروازے کے بیچ کھڑا تھا، اس کی شکل دیکھتے ہی سحاب کا موڈ خراب ہو گیا اور جیسے ہی وہ اندر مما کے پاس آیا، سحاب باہر نکل گئی۔

"برائے مہربانی جاتے جاتے دروازہ بند کر دینا"۔ روکھی پھیکی آواز پر اس نے ڈور دھڑ سے بند کیا تھا اور خود کو خوامخواہ مصروف کرنے کے لیے رحیم بھائی کے کام میں ہیلپ کرانے لگی۔

☆.....☆.....☆

"میں صرف آپ کا نہیں اس کا بھی مجرم ہوں، مجھے اندازہ ہے مما! کہ میرے اس قدم نے اس کا بھی اعتماد انسانیت سے ختم کر دیا ہوگا، وہ کتنی مایوسی کے احساس سے دوچار ہے، بے بس و لاچار محسوس کر رہی ہے خود کو، مگر مما! مجھے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نظر نہیں آ رہا تھا سحاب کو اپنے گھر میں روکنے کا، میں خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ پھر سے چلی گئی تو کہیں آپ کی طبیعت مزید نہ بگڑ جائے، میں نے آپ کی اور مسز وسیم کی ساری باتیں سن لیں تھیں، مجھے لگا اگر میں نے یہ فیصلہ نہ لیا تو آپ مسز وسیم کو ہاں کر دیں گی، میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہاں سے جائے، اس کے آنے سے آپ میں جو امپروومنٹ مجھے نظر آئی ہے، اس کے بعد یہاں سے سحاب کا جانا مجھے قطعی منظور نہ تھا، مگر مما! کل سے اب تک جب جب اس کا مرجھایا چہرہ میری نظروں کے سامنے آتا ہے تو میں خود کو پستی میں اُترتا محسوس کرتا ہوں، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا، وہ سچ ہی تو کہتی تھی، وہ میری جاگیر نہیں تھی کہ میں اس کے بارے میں جو بھی ڈی سی ژن لوں وہ مان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی لے گی، وہ بھی انسان ہے، اس کے بھی خواب ہوں گے، مگر میں نے سب چکنا چُور کر دیئے، پلیز مما! میں آپ سے بھی بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کی اجازت کے بنا یہ قدم اُٹھایا، شاید میں نے غصے میں بہت غلط فیصلہ لے لیا ہے"۔

"یہ سب کرنے سے پہلے ایک بار مجھ سے ذکر تو کرتے، مجھے بتاتے تو کہ تمہارے دل میں کیا ہے، تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے، اب علم ہوا مجھے کہ کل سے سحاب مرجھا کیوں گئی ہے، ازمیر! یہ بندھن زور زبردستی سے نہیں جوڑے جاتے، یہ تو خوشی کے بندھن ہوتے ہیں، دونوں فریقین کی رضامندی، ان کی خوشی ہی اس رشتے کی مضبوطی کی بنیاد ہوتی ہے، اور اس رشتے میں نہ تمہاری خوشی شامل ہے اور نہ سحاب کی رضامندی، ایسا بندھن رمز بھر دکھ اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں دیتا"۔

"پلیز مما! ٹیل ہی، اب میں کیا کروں؟ میرے معافی مانگنے سے یہ سب ختم نہیں ہوسکتا، ورنہ میں ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگ لیتا"۔ وہ زہرہ حیدر کی گود میں سر رکھے ان سے اپنے دل کی تمام کیفیت بیان کر رہا تھا، اس کا لہجہ بہت کمزور اور بکھرا بکھرا سا تھا، وہ قطعی وہ ازمیر حیدر نہیں لگ رہا تھا، جسے خود کو کمزور ظاہر کرنا آتا ہی نہیں تھا۔

"ازمیر! میں تم سے ایک بات کہوں، مانو گے؟" انہوں نے دھیرے دھیرے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"پلیز مما! کہیں ناں"۔

"کسی بھی طرح کا فیصلہ لینے سے پہلے تم اپنا دل ٹٹولو، اپنے اندر جھانکو کہ کیا واقعی تم نے اتنا بڑا فیصلہ صرف میری خوشی کے لیے کیا ہے، نکاح وقتی جذباتی بندھن نہیں ہے ازمیر! عمر بھر ساتھ نبھانے کا عہد ہے، اور تم صرف میرے لیے یہ کیسے کر سکتے ہو کہ تم نے نہ صرف سحاب کی بلکہ اپنی زندگی بھی داؤ پر لگائی ہے، تم یہ بھول گئے تھے شاید نکاح سے تم سحاب کو تو عمر بھر کے لیے اس گھر میں روک لو گے، مگر تم بھی اس عہد کے پابند ہو گئے ہو، وہ لڑکی صرف اس گھر میں ہی نہیں تمہاری اپنی زندگی میں اب بہت اہم ہو گئی ہے، تمہارے ہر سکھ دکھ میں، کیا تم اس بات سے بے خبر تھے کہ نکاح کے بعد صرف ذمہ داری اس کی نہیں، تمہاری بھی بڑھ گئی ہے، اس رشتے کے معنی جانتے ہو تم ازمیر! پوچھو خود سے، جھانکو اپنے دل میں کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ پتہ ہے ازمیر! سحاب صرف میری ہی نہیں تمہاری بھی ضرورت بن گئی تھی، تم اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ تم اس کے عادی ہو گئے، تم محض انا کی تسکین کے لیے یہ کہتے ہو کہ تم نے یہ قدم میرے لیے اُٹھایا ورنہ حقیقت میں خود تمہیں اس کے بنا رہنے کی عادت نہیں رہی، ورنہ تم تین دن میں اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ کر واپس نہ لاتے، جب تمہیں وہ گھر میں نظر نہیں آئی تو تم بوکھلائے بوکھلائے پھرتے تھے، کیونکہ تمہیں آفس سے آ کر اسے دیکھنے کی عادت ہو گئی تھی، زور زبردستی سے ہی سہی تم کو اپنا ہر کام اس سے کرانا پسند تھا، تم اسے ضد کہتے رہے مگر یہ ضد نہیں ہے میرے بچے! کچھ اور ہے، پوچھو خود سے، جواب مانگو دل سے اپنے، تم نفرت نفرت کے اس کھیل میں بہت آگے جا چکے ہو"۔ حالانکہ اس کا دماغ مما کی باتوں سے اگیری نہیں تھا مگر پھر بھی وہ خاموش رہا، کم از کم ان سے ہر بات شیئر کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

"اچھا اُٹھو، جا کے ہاتھ لو، فریش محسوس کرو گے خود کو"۔ انہوں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"ہوں..... آج ویسے بھی گرمی بہت زیادہ ہے"۔ وہ ان کی گود سے سر اُٹھاتا سیدھا ہو بیٹھا، پھر ہاتھوں سے بال درست کیے۔

"تھینکس مما! آپ سے شیئر کرنے کے بعد مجھے بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا ہے"۔ وہ صرف مسکرا دیں۔ ازمیر

کمرے سے باہر نکلا تو اسے کچن سے رحیم بھائی کے ساتھ باتوں میں مصروف سحاب نظر آئی تھی، وہ اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ کینسل کرتا ان کی طرف آ گیا۔

"ارے بھیا! ہم ابھی آپ کو ہی یاد کر رہے تھے"۔

"مجھے بھی کوئی یاد کرتا ہے رحیم بھائی؟" اس کا انداز چڑانے والا تھا۔

"وہ بھیا! دراصل آپ نے بتایا نہیں تھا صبح کہ آج شام میں کیا بنانا ہے ڈنر اور افطاری کے لیے؟" رحیم بھائی کی بات سے اسے یاد آیا۔

"اوہو..... ہاں رحیم بھائی! آج میں آپ کو چھٹی دے رہا ہوں، مزے کریں، دراصل مجھے آج افطار پارٹی میں جانا ہے اپنے فرینڈ کے ہاں"۔ وہ شاید احسان کر رہا تھا مگر ساتھ وضاحت بھی پیش کر رہا تھا۔ رحیم بھائی کچھ کہتے تبھی زہرہ حیدر کی آواز پر انہیں باہر جانا پڑا۔ ازمیر نے پیٹھ کیے کھڑی سحاب کو مخاطب کرنا چاہا، مگر اسے جانے کیوں الفاظ نہیں ملے اور وہ لب کچلتا، اپنے کمرے میں چلا گیا، عصر کے بعد وہ تیار ہو کر چلا گیا تھا، سحاب کو کچھ اطمینان ہوا کہ اس کے ہوتے وہ خود کو پُرسکون اور ایزی محسوس نہیں کرتی تھی۔ افطاری کے نام پر اس نے صرف دو کھجوریں اور جوس لیا تھا، وہ بھی آنٹی کے کہنے پر، کیونکہ آج آنٹی اس کے پاس ہی بیٹھی تھیں، پھر وہ نماز کے لیے اُٹھ گئی، مغرب کیا عشاء کی نماز کے بعد تک اس نے کچھ نہیں کھایا، زہرہ حیدر اصرار کرتی رہیں مگر اس کا ایک ہی جملہ تھا کہ بھوک نہیں ہے، وہ چُپ ہو گئیں، انہیں میڈیسن وغیرہ دے کر وہ کچن میں آئی تھی، سحری کے لیے بھی تو کچھ نہ کچھ بنانا تھا، اس نے رحیم بھائی کی ہیلپ سے ازمیر حیدر کی پسند معلوم کر کے سالن بنا کر رکھ دیا تھا، حالانکہ وہ دو دن سے سونہ پائی تھی اس کے باوجود جب لیٹی تو نیند نہیں تھی آنکھوں میں، اس نے گردن موڑ کر بیڈ کے دوسری طرف لیٹی آنٹی کو دیکھا، وہ پُرسکون سو رہی تھیں، سحاب اُٹھ کر اسٹڈی روم جانے کے ارادے سے نکلی تھی، گھڑی میں گیارہ بج رہے تھے، مگر رستے میں اسے ازمیر مل گیا۔ وہ شام سے گیا اب لوٹا تھا، سحاب نے کترا کر گزرنا چاہا مگر ازمیر نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اسے اپنے کمرے میں لایا تھا، اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے ازمیر حیدر کا بیڈ روم دیکھا تھا، ورنہ وہ تو اس طرف سے گزرتی تک نہ تھی۔

"بیٹھو"۔ اس نے بہت نرم انداز میں سحاب کو صوفے پر لا کر بٹھایا تھا۔

"مرنا چاہتی ہو تم؟" غیر متوقع سوال پر وہ اُسے دیکھنے لگی۔

"کمزور ہوں مگر بزدل نہیں"۔

"پھر بھوکا رہنے کا کیا مقصد ہے؟ کل سے تم نے کچھ نہیں کھایا، خالی پیٹ روزہ رکھا، اور رحیم بھائی کہہ رہے تھے کہ تم نے افطاری میں بھی صرف پانی پیا تھا، اور بس"۔

"مجھے بھوک لگی تو کھا لوں گی"۔ وہ رکھائی سے کہتی اُٹھ کھڑی ہوئی، مگر اس نے پھر سے بٹھا دیا۔

"یہ کھانا ختم کرلو، پھر تم جا سکتی ہو"۔ اس کی نظر ٹیبل پر رکھی ٹرے پر تو اب گئی تھی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا ہے کچھ کھانے کو"۔

"تھوڑا سا کھا لو، دیکھو اگر تم یوں خالی پیٹ روزے رکھو گی تو بیمار پڑ سکتی ہو"۔

"آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"دیکھو سحاب! مجھے غصہ مت دلاؤ، کھانا کھاؤ"۔ اس کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ تھوڑا سا حکم بھی تھا۔

"آپ ہر کام اپنی مرضی سے کرانا چاہتے ہیں، کیا آپ کو لگتا ہے زور زبردستی سے کیے گئے کام سے آپ کے دل کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تسکین مل جاتی ہوگی؟"

"فی الوقت میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں، کھانا کھالو اور جا کر سو جاؤ، بہت رات ہوگئی ہے"۔

"میں کھالوں گی، اپنے کمرے میں جا کر"۔ اس کے سامنے بیٹھ کر کھانا کیسے کھا سکتی تھی وہ۔

"پرامس؟" اس کے اس قدر دوستانہ انداز پر وہ بہت حیران تھی مگر خوش فہم نہیں۔

"ڈونٹ وری اگر مجھے کچھ ہوا تو آپ پر الزام نہیں آنے دوں گی"۔ وہ رکھائی سے کہہ کر ٹرے سمیت اس کے کمرے سے نکل آئی تھی، عجیب شخص تھا، جینے کا ہر ہنر چھین کر مرنے بھی نہیں دیتا تھا۔

"اگر میری ذات کی قربانی سے تمہیں لگتا ہے ازمیر حیدر! کہ تم نے تانیہ جیسی ہر لڑکی سے بدلہ لے لیا تو میں خود کو تمہارے ہر ستم کے لیے تیار کرتی ہوں، مگر ایک دن ضرور تم مانو گے کہ تانیہ کی غلطی کی سزا تم مجھے دے تو رہے تھے، مگر میں مجرم تھی نہیں، جانے وہ کیسی لڑکی تھی، جس نے محبت کی قدر نہ کی، چاہنے والے شوہر کو مار گئی"۔ یہاں تو دل میں غبار ہی غبار تھا مگر لب تھے کہ ازمیر حیدر کے لیے بددعا تک کرنے کو تیار نہ تھے۔ عید میں صرف دو دن باقی تھے مگر اس گھر میں عید کی خوشی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، زہرہ حیدر، سحاب کے چہرے کی سوگواری اور من کی بے چینی دیکھ رہی تھیں۔

"مان لو ناں سحاب! کہ وہ ضدی ہے، انا پرست ہے، ہٹ دھرم ہے، مگر تم تو ایسی نہیں ہو، تمہیں تو وہ آئیڈیل انسان لگا کرتا تھا ناں، اب وہ آئیڈیل انسان تمہارا ہے، صرف تمہارا"۔ وہ بولیں۔

"مگر میرا آئیڈیل یوں کرچی کرچی میری آنکھوں کے سامنے بکھر گیا ٹوٹ کر جب ازمیر نے مجھ سے نکاح نامے پر زبردستی سائن کرائے تھے"۔ اس نے خفگی سے جواب دیا۔

"وہ تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا اور احمق اتنا ہے کہ جذبوں کے اظہار تک کا نہیں پتہ"۔

"وہ صرف مجھے اپنا غلام بنا کر اپنی انا کو اونچا رکھنے کا خواہش مند تھا، میرا اعتماد، میرا وقار اسے بُرا لگتا تھا"۔

"وہ ایسا نہیں ہے سحاب!"

"بیٹا ہے ناں آپ کا، سائیڈ اسی کی لیں گی"۔

"تم بھی تو بیٹی ہو میری"۔

"پھر آپ نے اسے ڈانٹا کیوں نہیں، اتنے غلط ڈی سی ژن پر؟"

"میرے اپنے دل کا ارمان تھا تم ہمیشہ میرے پاس رہو، مجھے راستہ نظر نہیں آ رہا تھا، ازمیر نے وہ راستہ....."

"آنٹی پلیز!"

"اچھا اُٹھو، بازار چلتے ہیں، تمہاری پہلی عید ہے اس گھر میں اور اب تو تم اس گھر کی بہو ہو"۔

"مجھے روزے میں کہیں نہیں جانا"۔ جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ آنٹی ہر بات سے واقف ہیں اور ازمیر کے حق میں ہیں، وہ ان سے بھی خفا خفا تھی، وہ سمجھ تو رہی تھیں، مگر جانے ازمیر اپنے دل کا حال کب سمجھتا؟ رات میں وہ ان کے پاس بیٹھا تو وہ بولیں۔

"کل آخری روزہ ہے ازمیر! سحاب کی اس گھر میں وہ بھی خاص کر تمہارے حوالے سے پہلی عید ہے، مگر وہ کچھ بھی خریدنے کو تیار نہیں ہے، اب تو وہ مجھ سے بھی خفا ہے"۔

"ہونے دیں کب تک رہے گی؟ سچ تو یہ ہے کہ اب وہ بھی آپ کی محبت کے بنا نہیں رہ سکتی مما! واقعی آپ ٹھیک تھیں آپ نے سحاب کو بالکل ٹھیک پہچانا تھا، میں ہی غلط تھا، سراسر غلط، مما! اس نے کھانا کھایا؟" وہ دوبارہ اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا، مگر فکر بہر حال تھی، مما نے اثبات میں سر ہلایا تو پُرسکون ہو گیا۔

"مما! مجھے کہیں جانا ہے، تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گا"۔ اچانک ہی اسے یاد آیا تھا، وہ مما کو بتاتا اُٹھا اور سیدھا گاڑی لے کر نکل گیا۔ آخری روزہ افطار ہوا تو کچھ دیر بعد ہی پٹاخوں اور ہوائی فائرنگ سے چاند رات ہونے کا پختہ اعلان ہو گیا، وہ نماز ادا کر کے سیدھا اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔

"چاند رات مبارک ہو سحاب!"

"مجھے پھپھو سے ملنا ہے"۔ اس کے لہجے کی مٹھاس اگنور کرتی وہ مطلب پر آئی تھی۔

"مما کو بتا دو، میں گاڑی نکالتا ہوں"۔ حیرت اور صدمے سے برتن ہی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے، ازمیر اتنی شرافت سے مان گیا، بنا ڈانٹ پھٹکار کیے اسے لے جانے کو تیار تھا وہ، اس نے لمحہ لگایا تھا کچن سے کمرے تک جانے میں، مگر ازمیر کو حیرت تب ہوئی جب سحاب کے ساتھ مما بھی آتی نظر آئیں، سحاب انہیں دھیرے دھیرے چلاتے ہوئے گاڑی تک لائی تھی، اور مما کے جانے کا مقصد انہیں تب سمجھ آیا، جب مما نے پھپھو سے بات کی تھی ازمیر کے لیے سحاب کے رشتے کی، یہ بات ان کے لیے قطعی انہونی تھی، پر وہ خوش تھیں اپنی بھتیجی کے نصیبوں پر، ان کی بہت سی دعائیں سحاب کے ساتھ تھیں۔

"کل عید ہے پھپھو! اور میں آج آپ سے کچھ مانگنے آئی ہوں"۔

"مجھ سے..... کیا میرا بچہ؟"

"میری خواہش پوری کر دیں ناں پھپھو! میرے ابو کے مکان کو آباد کر کے اسے گھر بنا دیں، وعدہ کریں ناں پھپھو! آج منع نہیں کریں گی"

"سحاب ٹھیک کہتی ہے، پھر اب تو سحاب کے لیے وہ گھر بالکل بھی ضروری نہیں رہا، آپ کیوں خود کو کرائے کے مکان میں خوار کرتی ہیں؟" زہرہ حیدر کے سمجھانے پر اور سحاب کی ضد پر وہ مان گئیں، سحاب کے دل سے ان کے لیے جو فکر تھی وہ بہت حد تک کم ہو گئی، واپسی پر مما نے لاکھ کہا کہ بازار چلتے ہیں مگر وہ نہیں مانی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے، سب کچھ ہے میرے پاس"۔

"مہندی ہی لگوا لو اچھا"۔

"مجھے پسند نہیں ہے"۔ اس نے قصہ ہی ختم کر دیا، مما بہت اُداس سی ہو گئی تھیں، ازمیر دیکھ چکا تھا گھر آ کر جب سحاب نماز پڑھنے گئی تو وہ ان کے پاس آیا تھا، ان کے لیے عید کی شاپنگ جو کی تھی وہ سامان لے کر، وہ خوش ہو گئیں۔

"اور سحاب.....؟"

"جب وہ ضدی ہے تو ازمیر کم تھوڑا ہی ہے، یُو ڈونٹ وری مما!" اس نے تسلی دی، سحاب نماز پڑھ کر سونے کے لیے آئی تو آنٹی کو سوتے پایا، آج وہ بنا دودھ لیے سو گئی تھیں، وہ رحیم بھائی سے صبح کے کام کی تفصیل پوچھنے آئی تو ازمیر، رحیم بھائی کو صبح کے لیے ہدایات دے رہا تھا، اور وہ 'جی بھیا، جی بھیا' کہہ کر سر ہلا رہے تھے، وہ مڑ گئی۔

"سحاب پلیز! جسٹ اے منٹ"۔ وہ یکدم اس سے مخاطب ہوا تھا، رحیم بھائی کو تمام بات سمجھا کر اب وہ اس کی طرف آیا تھا، جو اس کے روکنے پر کھڑی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے"۔

"کہیں، میں سن رہی ہوں"۔

"یہاں نہیں، میرے بیڈ روم میں"۔

"مجھے نہیں جانا، جو کہنا ہے یہیں کہہ دیں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم شرافت سے چلو گی یا پھر رحیم بھائی کی موجودگی کا لحاظ کیے بنا میں تمہیں گود میں اُٹھا کر لے جاؤں؟'' اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ یہ شخص ضد پر آ جائے تو کرتا تھا ہر ضد پوری۔

''مگر مجھے چائے بنانی ہے اپنے لیے''۔ اس نے بہانہ گھڑا۔

''گڈ آئیڈیا، رحیم بھائی دو کپ مزید اری چائے میرے کمرے میں لے آئیے گا پلیز!'' اس نے نازک ہاتھ تھاما اور رحیم بھائی کو ہدایت کرتا سیڑھیاں چڑھنے لگا، سحاب نے ہاتھ کھینچا اور اس کے پیچھے چلتے ہوئے اس کے کمرے میں آئی تھی۔ ازمیر نے ایک بڑا سا شاپر اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''ہماری شادی کا پہلا گفٹ، یُو نو، کل عید ہے اور میں نے زندگی میں پہلی بار لیڈیز شاپنگ کی ہے تمہاری فضول سی ضد کی وجہ سے، دیکھو تو پلیز!'' وہ یوں مخاطب تھا جیسے ان میں برسوں کی دوستی رہی ہو، بہت اچھا رشتہ ہو ان کے بیچ، سحاب کے چہرے پر اجنبیت کے رنگ برقرار تھے۔

''سحاب پلیز!''

''اور اگر میں یہ سب یہیں پھینک کر چلی جاؤں تو.....؟''

''آئی نو، تم ایسا کبھی نہیں کرو گی، بی کوز یہ تمہاری نیچر کا حصہ نہیں ہے، تمہارا دل تو بہت پیارا ہے، نازک اور نرم، صرف محبت کرنے والا''۔

''آپ نے میرے دل کی ساری نرمی ہی چھین لی ہے''۔

''آئی ایم سوری!'' وہ قدم اُٹھاتا اس کے قریب آیا تھا، مگر تبھی دروازہ ناک کر کے رحیم بھائی چائے لے کر اندر آئے تھے۔

''تھینک یُو رحیم بھائی! اور ہاں یہ آپ کا عید کا گفٹ ہے''۔ اس نے بیڈ پر سے ایک شاپر اُٹھا کر انہیں تھمایا تو وہ شکریہ ادا کرتے باہر چلے گئے، وہ پھر سے سحاب کی طرف متوجہ ہوا، جو اب تک شاپر تھامے کھڑی تھی، اس نے کندھوں سے تھام کر اسے بٹھایا، پھر خود ہی تمام چیزیں کھول کر دکھانے لگا، سوٹ، جوتے، چوڑیاں، جیولری ہر چیز تھی جو ایک لڑکی کے سجنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

''مجھے علم نہ تھا تمہیں مہندی پسند نہیں، میں یہ لے آیا تھا''۔

''آپ کو یہ علم کیسے ہوا کہ مجھے یہ سب چیزیں پسند ہوں گی؟''

''آئی رئیلی ڈونٹ نو، مگر مجھے اتنا پتا ہے کہ جب میں تمہارے لیے یہ سب خرید رہا تھا تو مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا''۔

''میں آپ کی اس تبدیلی کی وجہ جان سکتی ہوں؟'' اس نے ازمیر حیدر کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا، جہاں بے پناہ چمک اسے تادیر نظریں ملانے نہ دے سکی۔

''بی کوز..... آئی لَو یُو''۔ یکدم ہی اس کا لہجہ دھیما ہو گیا، بے انتہا نرم اور محبت سے بھرا۔

''یس سحاب! آئی رئیلی لَو یُو''۔ سحاب کے سارے وجود میں ایک عجیب سا احساس سرائیت کر گیا، وہ مزید یہاں نہیں بیٹھ سکتی تھی، مگر ازمیر حیدر نے اس کے جانے کا ارادہ جان کر، اس کے منصوبے پر پانی پھیر دیا، اور اس کے جانے کا راستہ روک لیا۔

''میری بات ابھی ادھوری ہے مسز! اور آج تم مکمل بات سنے بنا یہاں سے نہیں جاؤ گی''۔

''میں آپ کے کسی حکم کی پابند نہیں ہوں''۔

''کم از کم اب تو یہ ضد چھوڑ دو، اب تو تمہارا یہ دعویٰ بھی میں نے غلط ثابت کر دیا ہے''۔

''بہت خوش ہیں ناں آپ مجھے جھکا کر، آپ کو لگتا ہے آپ فاتح ہیں؟''

''ہاں میں خوش ہوں تمہیں پا کر، جھکا کر نہیں، جب میں نے یہ فیصلہ لیا اور یہ انتہائی قدم اُٹھایا تھا تو مجھے خود نہیں علم تھا کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں، صرف میرے دل و دماغ میں ایک ہی بات گڑ کر رہ گئی تھی کہ تم اس گھر سے چلی جاؤ گی، اور میں ہرگز تمہیں یہاں سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا سحاب! تمہارے آنے سے اس گھر میں میری اور مما کی زندگی میں جو تبدیلی آئی تھی، وہ مجھے بہت اچھی لگی تھی، ہم سب تمہارے عادی ہو گئے تھے، ہاں یہ بھی سچ ہے کہ جب تم اس گھر میں آئی تھیں تو مجھے تم پر ذرا بھی اعتبار نہ تھا، مجھے عورت سے نفرت تھی، اور اس کی وجہ تم اچھی طرح جانتی ہو، تانیہ بھابی ہمارے ساتھ جو کر گئی تھیں وہ بھولنا بہت مشکل ہے سحاب! اور جب تم مما کی طرف بڑھیں تو مجھے لگا شاید تم مما کو ذریعہ بنا کر ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتی ہو، شاید میں کچھ غلط تھا مگر میں ایک بار یہ دھوکہ کھا چکا تھا اس لیے مجھے ہر انسان کو شک کی نظر سے دیکھنا پڑتا تھا، مما نے جب اپنی کیئر کے لیے تمہارا نام لیا تو میں قطعی راضی نہ تھا مگر مما نے خود تمہاری گارنٹی لی تھی، میں ان کی ضد کے آگے چُپ کر گیا، تمہیں لے تو آیا، مگر تمہارے ہر فعل پر میری نظر ہوتی تھی، میں تمہیں ہر ہر قدم پر پرکھتا تھا اور تم ہر بار میرے شک کو جھوٹ میں بدل دیتیں، تمہیں تمہاری پھپھو کے گھر لے جانے کی ذمہ داری بھی اسی لیے لی تھی میں نے کہ میں یہ ثابت کر سکوں مما کے آگے کہ تم بھی تانیہ کی طرح فراڈ ہو، بٹ آئی واز رانگ! تم نے اپنی نیک نیتی، اپنی سادہ دلی اور محبت کرنے والی فطرت سے نہ صرف مما بلکہ میرے پورے گھر کو اپنا بنا لیا مجھ سمیت، مگر شاید مجھے ادراک نہ ہو سکا، اس رات جب میں نے تمہاری انسلٹ کی تو بلیو می! رات بھر نہ سو سکا تھا میں، سحری میں یہ سوچ کر تم سے ایکسکیوز کر لوں گا، میں کچھ مطمئن تھا مگر جب مجھے پتا چلا کہ تم چلی گئی ہو تو میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی، تم اسے میری ضد، میرا غصہ، یا ایگو جو بھی کہہ لو، مگر مجھے آج اس چیز کا اعتراف ہے کہ یہ گھر تمہارے وجود سے مکمل لگنے لگا تھا مجھے، اپنے گھر میں دن رات تمہیں دیکھنے کی اس قدر عادت ہو گئی تھی کہ وہ تین دن تمہارے بن پتا نہیں کیسے گزرے، مما نے مجھ سے کہا تھا تم نہیں آؤ گی، کسی بھی صورت، اس لیے مجھے اپنا رویہ بہت سخت کرنا پڑا کہ میرے نرم انداز پر شاید تم نہ آتیں اور مجھے ہر صورت تمہیں یہاں لانا تھا اور تمہارے آنے کے بعد میرا گھر پھر سے مکمل لگنے لگا تھا مجھے، بٹ مسز وسیم نے پھر سے میرا دماغ ہلا دیا، اس دن بھی وہی تمہارے جانے کی وجہ بنی تھیں، وہ تو مما کے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں کہ انہیں ہر حال میں اپنے بیٹے کے لیے تمہیں ہی بہو بنا کر لے جانا ہے، میں اپنی فیلنگز سے قطعی بے خبر تھا مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی تمہیں اس گھر سے لے جائے، مجھے لگتا تھا کہ تم میری مما کی ضرورت ہو، بس تمہیں یہاں عمر بھر روکنے کے لیے مجھے یہ کرنا تھا، بلیو می مسز! میرا مقصد تمہیں جھکانا نہیں تھا، غصے میں، تمہاری بات کے جواب میں یہ میں نے کہا تھا، بٹ بائی گاڈ! تم میری ضد نہیں تھیں''۔

''مسز وسیم مجھے میری مرضی کے بغیر اپنے بیٹے کے لیے زبردستی تو نہیں لے جا سکتی تھیں ناں؟''

''میں جانتا تھا، مما نے تمہارے لیے جو فیصلہ بھی کرنا تھا وہ تم چپ چاپ مان جاتیں''۔

''مان تو میں آپ کی زبردستی پر گئی تھی، میرے اپنے وجود کی تو اہمیت ہے ہی نہیں، میرے ماں باپ تو میرا سب کچھ بھی ساتھ لے گئے تھے، مگر مجھے جینا تو ہے ناں، جب تک سانسیں باقی ہیں، آپ جانتے تھے کہ پھپھو کے گھر میں میری حیثیت کیا ہے، میں قطعی تنہا تھی، اور آپ نے میری اس بے بسی کو اچھا یُوز کیا تھا، آپ کو پتا تھا مجھے پوچھنے والا تو کوئی ہے نہیں، بے آسرا لڑکی ہے، جو آپ کی مرضی ہوئی آپ نے میری زندگی کا فیصلہ کر دیا، آفٹر آل میں آپ کے گھر میں سرونٹ تھی، آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے مالک تھے، مجھے کھانے کو روٹی دیتے تھے، پے دیتے تھے، بھلا آپ کو تو یہ حق تھا ناں کہ آپ میرے لیے جو چاہیں سوچ لیں اور جب چاہیں جو دل میں آئے فیصلہ کرلیں، میں تو بولنے کا حق نہیں رکھتی تھی ناں، یوں بھی آپ کے بقول کہ میں تو یہاں دولت کے لالچ میں آئی تھی، آپ کو پھنسانے، آپ تو خود کو بہت سمجھدار سمجھتے ہیں، اور اب آپ کے اس قدم نے کیا ثابت کیا، اگر میری خواہش آپ کی دولت یا آپ کو پانا ہوتا تو مجھے اس فیصلے پر اتنا شدید صدمہ نہ ہوتا، میرے نزدیک دولت بہت کچھ ہے مگر سب کچھ نہیں، میرے اندر انسانیت زندہ ہے مسٹر ازمیر! مجھے آنٹی سے اُنسیت تھی، وہ اچھی لگتی تھیں، بس اس لیے ان کی خاطر میں یہاں آئی، آپ کا ہر رویہ سہا، آپ کی نفرت برداشت کی، کیونکہ آنٹی نے مجھے آپ کے اس بی ہیویئر کی وجہ بتادی تھی، میں سمجھ سکتی تھی کہ ہر انسان پر اعتبار کرنا آپ کے لیے بہت مشکل ہے، مگر آپ نے تو میرے وجود، میرے کردار کو الزام دے دیا، میں وہ بھی سہہ گئی اور چلی گئی، مگر پھر جو آپ نے میرے ساتھ کیا، مجھ سے بنا پوچھے میری مرضی کے خلاف آپ نے مجھ سے میری شناخت چھین لی؟"

"تمہاری شناخت چھینی نہیں ہے، تمہیں اپنا نام دیا ہے، احمق لڑکی! تمہیں اتنی سی بات سمجھ نہیں آرہی کہ میرے نام کے بنا تم اس گھر میں کیسے رہ سکتی تھیں؟ لوگ کبھی بھی یہ بات قبول نہیں کرسکتے تھے، اور کوئی راستہ تھا تمہاری نظر میں، اور سب سے بڑی بات جو اعتماد، جو بھروسہ مجھے تم پر ہے وہ کسی اور لڑکی پر کبھی نہیں ہوسکتا تھا۔"

"بہت سیلفش انسان ہیں آپ، صرف اپنی ذات اور خود سے جڑی خواہشیں عزیز ہیں آپ کو، کسی اور کی کوئی پرواہ نہیں"۔ سحاب نے پوری کوشش کی کہ کم از کم اس شخص کے سامنے کمزور نہ پڑے، مگر وہ ہار گئی اور بُری طرح سے رو دی۔

ازمیر حیدر جانتا تھا کہ اس کے دل و دماغ پر بہت بوجھ ہے، مگر سحاب کا رونا اسے تکلیف دے رہا تھا۔

"سحاب پلیز!" اس نے سحاب کی گود میں دھرے اس کے ہاتھ کو نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

"مجھے اپنی ہر زیادتی کا اعتراف ہے، اور میں اس سب کے لیے تم سے معافی مانگتا ہوں، پلیز مسز! آئی ایم سوری"۔

"کیا آپ کی سوری سے سب کچھ بدل جائے گا؟"

"نہیں، بٹ مسز! تمہارے جانے سے یہاں سب بدل جاتا، تم نے صحیح کہا، میں سیلفش ہوں، کم از کم مجھے یہ ضرور سوچنا چاہیئے تھا کہ میرا یہ قدم سراسر تمہارے لیے ظلم ہے، تم قطعی خوش نہیں، میں نے صرف خود کو اور مما کو سامنے رکھ کر ہی یہ قدم اُٹھالیا، تمہاری ذات، تمہاری رضا کو اہم نہ سمجھا، یہ تو یاد رہا کہ تم چلی گئیں تو ہم پھر سے ادھورے ہوجائیں گے، مگر یہ بھول گیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہو یا نہیں؟ تمہیں پاکر میں تو خوش ہوں، مگر تم..... تم تنگ آگئی ہو ناں میری ضد سے؟ میرے غصے نے تمہیں متنفر کردیا ہے، اور....."

"مجھے نفرت کرنا نہیں آتی ازمیر حیدر! اور نہ میں آپ کی طرح سخت دل رکھتی ہوں"۔ اس نے ازمیر کے دونوں ہاتھوں میں دیا اپنا ہاتھ چھڑایا اور آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کیا۔

"مگر مجھے کسی پر بوجھ بننا منظور نہیں"۔

"ایسا کیوں سوچا تم نے کہ تم..... مسز! پلیز یار! بس بھی کردو، کیوں بھگو بھگو کر جوتے مار رہی ہو؟ جو چاہے سزا دے دو مگر....."

"اگر آپ زہرہ آنٹی کے بیٹے نہ ہوتے تو میں آپ کو اچھی طرح پوچھتی، مگر اب میرا کوئی بھی غلط قدم انہیں ہرٹ کرسکتا ہے"۔

"اچھا جی، تم بھی مما کو ہی ایشو بنا کر مجھ پر احسان کرنا چاہتی ہو؟"

"یعنی آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے؟"

"اوں ہوں، محبت کی ہے، بس اظہار کا طریقہ نہیں آیا تھا، سمجھ نہ سکا کہ میرا دل کیا چاہتا ہے؟"

"یوں کہیں ناں، انا پر ضرب لگتی تھی ایک لڑکی سے یہ کہتے ہوئے کہ آپ مجھ سے ہار گئے، آپ غلط تھے"۔ اس نے ازمیر حیدر کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے چڑانے والے انداز میں کہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں اُتری محبت اور انوکھی شرارت نے اسے جلد ہی آنکھیں جھکانے پر مجبور کردیا۔

"میں تم سے ہار گیا، میں مانتا ہوں میں غلط تھا، تمہاری سچائی نے ازمیر حیدر کو فتح کرلیا، سحاب! تم میرا بھروسہ ہو، میرا یقین....." دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا پاکیزہ چہرہ لئے وہ اعتراف کررہا تھا۔

"میرا فخر بھی تم ہو اور انا بھی، تم سے زیادہ مجھے کچھ عزیز نہیں، مجھے خود پتا نہیں چلا مسز! تم نے کب دھیرے دھیرے مجھے مجھ سے چھین لیا، اور اب یہ حال ہے کہ خون کی جگہ میرے رگ و پے میں تم دوڑ رہی ہو، ہاں مجھے قبول ہے یہ کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں، آئی لو یُو سو مچ، اور یہ کہتے ہوئے مجھے نہ کوئی شرمندگی ہے اور نہ ہی کسی انا کی فکر"۔

اسے توقع نہ تھی کہ اس کے جواب میں ازمیر حیدر کا ری ایکشن یہ ہوگا کہ اس کی جان عذاب میں آجائے گی، اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا اور آنکھیں کھولنے یا پلکیں تک جھپکنے کی ہمت نہ تھی اس میں۔

"ازمیر پلیز!"۔ بمشکل اس کے لب ہلے تھے، اس کی صورت دیکھ کر وہ اس کی کیفیت کا اندازہ بخوبی لگا سکتا تھا، اسے مزید تنگ کرنے کے بجائے اس نے نرمی سے ہاتھ ہٹا لیے تھے، مگر سحاب کے لیے تو نظریں اُٹھانا تک مشکل ہورہی تھیں۔

"میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں"۔ کچھ دیر بعد جب اسے لگا کہ اس کی ہمت مجتمع ہوگئی ہے اور وہ سامنے بیٹھے شخص سے بات کرسکتی ہے تو دھیرے سے آ بیٹھی تھی، مگر اسی پر ازمیر نے بازو دراز کرتے ہوئے کاندھے سے تھام کر اسے خود سے بالکل قریب کرلیا تھا۔

"جہاں تک میری نالج ہے تو نکاح کے بعد تمہارا اور میرا کمرہ ایک ہی ہوگا، تو یعنی تم اپنے کمرے میں ہو"۔ اس کی انتہائی قربت اور پھر شوخ و شرارتی لہجہ اور آنکھوں میں اُتری بے خودی سحاب کی بولتی بند کررہی تھی۔

"مجھے آنٹی کے پاس جانا ہے"۔

"اور اگر میں نہ جانے دوں تو؟"

"میں رونے لگوں گی اور چیخ چیخ کر سب کو بلالوں گی"۔

"رئیلی..... پھر کوشش کرلو، میرے پاس تمہیں چاہنے اور چھونے دونوں کا پکا سرٹیفکیٹ ہے ڈیئر مسز! تمہاری کوشش بے کار رہی ہوگی"۔

"ازمیر پلیز! مجھے جانے دیں"۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ بحث لاحاصل ہے تو منت کرنے لگی۔

"کم آن یار! چاند رات ہے آج، یُو نو، خوشیوں بھری رات، یہ رات ہمارے لیے مسرتیں لے کر آتی ہے، عید کے دن کی، اور تم بھی تو میری خوشی ہو اور میرے گھر کے لیے مسرت بن کر آئی ہو"۔

"تو.....؟"

"دیکھو ناں میں تمہارے لیے عید کا گفٹ لے کر آیا ہوں اور تم نے مجھے اخلاقاً بھی تھینکس تک نہیں کہا، مگر مجھے تم سے تھینکس نہیں گفٹ چاہیئے، محبت بھرا تحفہ، دو گی ناں؟" ازمیر نے چاہت سے اپنی گرفت مزید مضبوط کی تھی۔

"میرے پاس آپ کے لیے صرف دعائیں ہیں کیونکہ میرا آئیڈیل تھے آپ اور اب صرف میرے ہیں آپ"۔ اس کے ہت بھرے الفاظ واقعی تحفہ تھے ازمیر حیدر کے لیے۔ اس نے اُسے دونوں بانہوں میں بھر کے تھینکس کہا تھا اپنے رب کو۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تبسم فیاض

ناولٹ

محبت سا تو کوئی نہ

بھیگی آنکھوں سے لوبابہ اپنی ڈائری کھولے بیٹھی تھی رات کے تین بجے اس کی سسکی پر ایمن کی آنکھ کھل گئی' اس نے جو لوبابہ کو دعائیہ انداز میں بیٹھے ہوئے اور روتے ہوئے دیکھا تو چونک گئی۔

"لوبابہ کیا ہوا......؟" ایمن اسے یوں سسکتے دیکھ کر پریشان ہو گئی' لوبابہ جو کہ اپنے ٹوٹے دل اور بکھرتے جذبات سنبھالتے سنبھالتے تھک گئی تھی آخر کار ہمدردی پا کر بکھر گئی۔

"ایمی! جسے میں بچپن سے چاہتی آئی آج اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ ایمی! میں یہ یقین نہیں کر سکتی کہ زیان ایسا بھی کر سکتا ہے پھر وہ سب کیا تھا کہ جب میں روتی تھی تو وہ سب کچھ چھوڑ کر مجھے چپ کرانے میں لگا رہتا تھا' جب میں ناراض ہو جاتی تھی تو وہ اپنا کھانا پینا سب چھوڑ دیتا تھا اور جب تک میں مان نہیں جاتی تھی اس کے چہرے پر کوئی خوشی کی رمق نظر نہیں آتی تھی' پھر وہ کیوں کہتا ہے کہ میں نے کبھی تمہیں اس نظر سے نہیں دیکھا تم صرف میری دوست ہو کیوں ایمن؟ کیوں......؟"

لوبابہ سسکتی رہی اور ایمن کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اسے پتہ تھا کہ آج زیان کے جواب نے لوبابہ کو توڑ کر رکھ دیا ہے اور وہ کر بھی کیا سکتی تھی' سوائے لوبابہ کی دلجوئی کرنے کے۔ نہ جانے اور کتنے دکھ ہیں اس پیاری لڑکی کے نصیب میں ایمن سوچ کر رہ جاتی۔

☆

جواد احمد کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھیں بڑے بیٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زوہیب احمد جس کے دو بیٹے عزیز، زبیر اور ایک بیٹی ایمن تھی جبکہ شعیب احمد کے ایک بیٹا زیان اور ایک بیٹی زوبیہ تھی۔ جواد احمد کی بیٹی جو کہ شعیب اور زوہیب سے چھوٹی صوفیہ تھیں جن کی ایک ہی بیٹی لوبابہ تھی۔ جواد احمد اور صالحہ جواد اپنے حلقے احباب میں بہت سلجھی ہوئی شخصیت اور بردبار مشہور تھے ان کی محبت اور خوش اخلاقی کی مثالیں دوسرے گھرانے کے لوگ دیتے تھے۔ بہت محبت سے انہوں نے اپنے آشیانے کا نام "احمد ولا" رکھا تھا۔ اس احمد ولا کو نہ جانے کس کی نظر لگی کہ ہر وقت ہر دم ہنستے مسکراتے ہونٹوں پر تالے لگ گئے۔ ایک دن صوفیہ اور ان کے شوہر شاپنگ کی غرض سے جا رہے تھے کہ پیچھے سے آنے والا ٹرک بے قابو ہو گیا اور وہ ان کی کار کو اپنے بھاری پہیوں تلے دباتا چلا گیا۔ ٹرک کے دھکے نے صوفیہ کی ڈھائی سالہ بیٹی کو گاڑی سے باہر اچھال دیا اور وہ دونوں موت کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے چلے گئے۔ لوبابہ کو کسی مہربان ہاتھوں نے سنبھال لیا اور یوں وہ بغیر کسی آنچ آئے اپنے ماں باپ کی لاش کے ساتھ "احمد ولا" پہنچ گئی۔ احمد ولا میں کہرام مچ گیا، ہر کوئی اس ننھی بچی کو پیار کرتا اور پھر افسوس کرتا۔

یوں لوبابہ اپنی ممانیوں اور ماموں کی آنکھ کا تارا بن کر رہنے لگی۔ جواد احمد اور صالحہ بیگم کی تو لوبابہ میں جان تھی لاڈلی تو وہ سب کی تھی لیکن زیان اس کی زیادہ کیئر کرتا تھا۔ لوبابہ بس ایمن سے بڑی تھی اور اپنے باقی سارے کزنز سے چھوٹی، اس کی معصومیت اور اس کے گھنے بال زیان کو بہت متاثر کرتے تھے، زیان کی اٹیچ منٹ دیکھتے ہوئے جواد احمد اور صالحہ بیگم نے اسے بچپن ہی سے زیان سے منسوب کر دیا تھا اور اس فیصلے میں کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا۔

آج اس گھر میں پھر بھونچال آ گیا۔ زیان کا فیصلہ سن کر خود شعیب احمد کو بھی توقع نہیں تھی کہ بڑے ہو کر زیان ان کے فیصلے کی نفی بھی کر سکتا ہے اور وہ یہ سوچ کر زیادہ پریشان تھے کہ وہ بابا کو کیا جواب دیں گے انہیں کس طرح بتائیں گے کہ آج ان کے لاڈلے پوتے نے ان کے فیصلے کو ایک جذباتی فیصلہ قرار دیا ہے۔

"ماما پلیز! آپ لوگ میری مرضی کے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں اور دادو کو کیا حق ہے کہ میرے بارے میں میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کریں"۔ زیان کا لب و لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا۔

"زیان....." سارہ بیگم چیخ پڑیں۔

"ہمیں تم سے اتنی نافرمانی کی امید نہیں تھی، مانا کہ تم UK سے پڑھ کر آئے ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس گھر کی دی ہوئی تربیت کی دھجیاں بکھیر دو"۔ وہ شدید غصے میں تھیں۔ لیکن انہیں یہ پتہ نہیں تھی کہ باہر لوبابہ اور صالحہ بیگم کھڑی ہیں صالحہ بیگم اپنے بیٹے کے پاس لوبابہ کے ایڈمیشن کے سلسلے میں آئی تھیں سن کر پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اپنے لاڈلے پوتے کے منہ سے اپنے بارے میں ایسے الفاظ سن کر چکرا گئیں، وہ تو لوبابہ نے انہیں سنبھالا، مسلسل زیان کے الفاظ لوبابہ کے کان میں سیسہ گھولتے چلے گئے۔

"لوبابہ صرف میری دوست ہے، وہ میرے معیار کی لڑکی نہیں، مجھے اس طرح کی لڑکیاں پسند نہیں ڈرپوک اور شرمیلی، مجھے بولڈ لڑکیاں پسند ہیں، میں نے کبھی اس کے بارے میں ایسے نہیں سوچا، میں بے شک آپ لوگوں کی پسند کی شادی کروں گا لیکن پلیز مجھے میری مرضی کے مطابق لڑکی چاہیے"۔ زیان سفاکی سے بولا۔

"لیکن بیٹا! وہ سب کیا تھا؟ تم تو لوبابہ کو بچپن سے بہت چاہتے تھے"۔ سارہ بیگم بولیں۔

"مما! یہ سب آپ لوگوں کی سوچ ہے، چاہت اور ہمدردی میں فرق ہے۔ وہ چاہت نہیں ہمدردی تھی، جسے آپ لوگوں نے غلط سمجھ کر ایک رشتے کی شکل دے دی، یہ سب آپ لوگوں کا قصور ہے، بچپن کے رشتوں کو میں نہیں مانتا اور اگر آپ لوگوں نے زیادہ زور دیا تو میں ابھی تو پڑھائی کی غرض سے باہر گیا تھا اب میں ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا"۔ زیان یہ کہتے ہوئے جیسے ہی

باہر نکلا دادا کو کمرے کے باہر سر پکڑے بیٹھے ہوئے دیکھا تو گھبرا گیا۔

"دادا! کیا ہوا آپ کو.....؟" چونکہ لاڈلا ہونے کی وجہ سے اس کی بھی دادا میں جان تھی۔ دادا نے ایک نظر اسے دیکھا اور بولیں۔

"لوبابہ بیٹا! مجھے میرے کمرے میں لے چلو، مجھے چکر آ رہے ہیں"۔ زیان کے دادا کے مخاطب کرنے پر لوبابہ کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ انہوں نے ساری باتیں سن لی ہیں۔

"لوبابہ! میری بات سنو....." وہ بولا لیکن لوبابہ نے بغیر جیسے تیسے دادا کو کمرے میں چھوڑ کر روتی ہوئی اپنے روم میں آ گئی۔

"ماما! کیا میرے نصیب میں کوئی محبت نہیں.....؟ کیا یہ سب بھی مجھ سے ہمدردی کرتے ہیں، آپ لوگ جو میرے پاس نہیں"۔ لوبابہ، صوفیہ اور ذیشان کی تصویر ہاتھ میں لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

☆

زیان کی بات سے گھر میں ایک بھونچال آ گیا۔ جواد احمد کو بھی سکتہ سا ہو گیا، آج انہیں اپنے اس فیصلے پر بہت پچھتاوا ہو رہا تھا۔

"ہم نے یہ کیا غلطی کر دی، بچپن سے اب تک ہم اسی خوش فہمی میں رہے کہ ہمارے بنائے ہوئے قاعدے قانون کی پاسداری ہمارے بچے اسی طرح سے کرتے رہیں گے، اپنی زندگی میں تصویر کا یہ دوسرا رخ، ہم نے کبھی سوچا ہی نہ تھا"۔ جواد احمد بہت دلبرداشتہ تھے، زیان کی باتیں سن کر۔

"پلیز بابا! میں اسے سمجھا لوں گا"۔ شعیب احمد شرمندہ سے بولے۔

"نہیں شعیب! یہ زندگی بھر کے معاملے ہیں، رشتوں میں زبردستی کرنا ان کی زندگیوں کو اور خراب کرنا ہے۔ یہ ہماری غلطی ہے بڑے ہونے سے پہلے ہمیں لوبابہ میں اس رشتے کا احساس نہیں ڈالنا چاہئے تھا، اب تو ہم کو لوبابہ کا سامنا کرنا بھی جرم لگے گا"۔ شعیب احمد اور سارہ بیگم پر گھڑوں پانی پڑ گیا انہوں نے کبھی اپنے سسر کو اتنا پشیمان نہیں دیکھا تھا، جتنا آج اپنے بیٹے کی وجہ سے انہیں دیکھا۔ خود وہ لوبابہ کو دل سے چاہتی تھیں، آخر انہوں نے اسے اسی گود میں پالا تھا، بچپن ہی سے لوبابہ کے لئے ان کی نظر میں بہو کا تصور تھا، وہ بھی اسی محبت کے ساتھ اس بات کا برملا اظہار لوبابہ سے کر چکی تھیں۔ کس طرح وہ لوبابہ کا سامنا کریں گی.....؟ یہ سوچ سوچ کر وہ بھی پریشان تھیں۔

☆

"لابو! میری بیٹی اٹھو، بیٹا ایک پر تو دنیا ختم نہیں"۔ صالحہ بیگم نے بہت محبت سے لوبابہ کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"نانو! میں ٹھیک ہوں، زیان پر کوئی زور نہیں دے گا اس کو اپنی چوائس کا پورا حق حاصل ہے، یہ تو میرا ذہن ہی خراب تھا کہ میں اس کی ہمدردی کو کچھ اور سمجھ بیٹھی"۔ آنکھوں میں تیرتے پانی کے ساتھ لوبابہ، صالحہ بیگم کا کلیجہ چیر گئی۔

"بیٹا! تجھ میں تو صوفیہ جتنی ہمت اور سمجھ داری ہے، میری بچی آج ہماری وجہ سے تو ٹوٹی ہے نا جانے صوفیہ کی روح کتنی بے چین ہو گی، ہم اس کی امانت کو ایک خوشی نہ دے سکے"۔ صالحہ بیگم کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔

"نہیں نانو! آپ سب کی محبت میرے ساتھ ہے، مجھے اور کچھ نہیں چاہئے، بس مجھے تھوڑا سا وقت دیں سنبھلنے کے لئے"۔ لوبابہ، صالحہ بیگم کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی تو صالحہ بیگم نے اسے گلے لگا لیا۔

☆

"کاش زیان! میں نے کچھ نہ سنا ہوتا، تمہارے لفظ لہجہ اور میری ذات پر تمہاری جھنجھلاہٹ، میں ساری زندگی نہیں بھول سکتی لیکن اس دل کا کیا کروں کیوں میری دنیا میں تم آئے اور میرے دل و دماغ پر حکمرانی کی، کاش تم یہ سب کہہ کر منع نہ کرتے اگر میں تم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شرماتی تھی تو صرف اس لئے کہ میری نگاہوں میں اور دل میں اپنے اس رشتے کا احساس تھا۔ کاش زیان.....'' لوبابہ کی آنکھیں سوچ سوچ کر متورم ہوگئیں۔ پورا گھر زیان کے اس فیصلے سے ناخوش تھا کوئی بھی اس سے سیدھے منہ بات نہیں کررہا تھا' عزیز اور زبیر نے بھی اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اب وہ مزید اپنی ضد اور انا پر اڑتا جارہا تھا' سو سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا' لوبابہ کا بھی اس دن کے بعد اس سے سامنا نہ ہوا تھا۔

آخر کار زیان نے لوبابہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا' وہ گھر والوں کے رویئے سے اکتا چکا تھا۔

دروازے کی دستک سن کر لوبابہ نے اپنی ڈائری بند کی۔

''آجایئے''۔ اندر آتا زیان' لوبابہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا اس چہرے پر سرسوں کی پیلاہٹ تھی وہ پریشان ہوگیا۔

''کیا ہوا لابو.....؟ میں بہت برا ہوں ناں.....؟ میں نے تمہیں ہرٹ کیا' اچھا چھوڑو تم! مجھے یہ اپنی دوست کو پڑھواؤ تو''۔ زیان ہمیشہ اس کی ڈائری کو اس کی دوست کہا کرتا تھا اور لوبابہ کی عادت ہمیشہ ڈائری لکھنے کی تھی۔

''اس میں میری کتنی برائیاں ہیں' میں دیکھوں تو ذرا''۔ لوبابہ نے فوراً ڈائری کو پیچھے کرلی اور بولی۔

''نہیں زیان! نہ تم برے ہو اور نہ اس میں تمہاری برائیاں لکھی ہیں' تمہیں تو پتہ ہے مجھے شاعری کا کتنا شوق ہے بس وہی پرانی غزلیں نکال کر پڑھتی رہتی ہوں''۔ زیان بس خاموشی سے اسے دیکھے گیا' اس کی براؤن آنکھوں میں جانے کیا تھا لوبابہ گھبرانے لگی۔

''کیا بات ہے زیان! تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو.....؟'' لوبابہ کی گھبراہٹ ہمیشہ زیان کو مزہ دیتی تھی' لیکن آج اس کے سانولے چہرے پر پیلاہٹ اور بڑی بڑی کالی آنکھوں میں نمی دیکھ کر زیان کے دل کو کچھ ہونے لگا' اسے احساس ہوا کہ لوبابہ بہت شدت سے ہرٹ ہوئی ہے۔ اس کے لمبے گھنے بالوں کی چوٹی جسے وہ تین دن سے چھو بھی نہیں پائی تھی بری طرح بکھر ہوئی تھی' اس کا اجاڑ سراپا چیخ چیخ کر زیان کی محبت کی گواہی دے رہا تھا۔

''لابو! ادھر بیٹھو میرے پاس''۔ زیان گھمبیر آواز میں بولا۔ لوبابہ بنا دیکھے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

''ادھر دیکھو مجھے..... لابو! ہم آج بھی اچھے دوست ہیں اور کل بھی رہیں گے' یہ جو گھر میں لوگ ہیں میرے اور تمہارے چاہنے والے ان سب نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے' ہمیں ہمارے حق سے محروم کردیا ہے' نہ اس معاملے میں میری رائے کو اہمیت دی اور نہ تمہاری سو تم بے فکر رہو میں نے اپنا فیصلہ انہیں سنا دیا ہے اب تم میرے نام کے بندھن سے آزاد ہو''۔ لوبابہ نے ایک زخمی نگاہ زیان پر ڈالی۔

''چھوڑو یار! اب ان باتوں کو' اب تمہاری بات ہے ان لوگوں کو سمجھاؤ' یہ میرے ساتھ تیسرے درجے کا سلوک کررہے ہیں' میں یہ زیادہ دن برداشت نہیں کرسکوں گا' اب تمہاری دوستی کا امتحان ہے کہ مجھے ان لوگوں کی نظروں میں دوبارہ وہی زیان بنادو جیسا پہلے تھا''۔ زیان بولا' تو لوبابہ اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی' کبھی بھی اس کے چہرے پر لوبابہ کے لئے پشیمانی کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ الٹا اس کا انداز روٹھا پن تھا' لوبابہ الجھتی جارہی تھی' اس کے پل پل بدلتے انداز پر۔

''ٹھیک ہے زیان! میں سب سے بات کروں گی اب تم جاؤ''۔ لوبابہ یہ کہتے ہی رخ پھیر گئی۔

''واہ لابو! تھینک یو سو مچ.....'' زیان نے بولتے ہی لوبابہ کا رخ اپنی طرف کیا اور کہا۔

''بس اب یہ دوستی اور بس''۔ یہ کہتے ہی زیان اٹھ کر چلا گیا اور دو آنسو لوبابہ کے گالوں پر ڈھلک گئے۔

☆

''لوبابہ نے بہت جلد اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے جودی''۔ صالحہ بیگم ہمیشہ جواد احمد کو جودی کہہ کر پکارتی تھیں۔

''ہاں..... تم ٹھیک کہہ رہی ہو' بہت باہمت ہے ہماری لابو''۔ جواد احمد بہت محبت سے بولے۔

''کیوں نا ہم زبیر سے لوبابہ کی.....؟'' ادھوری بات کرکے صالحہ بیگم' جواد احمد کو دیکھنے لگیں' جواد احمد چونکے اور بولے۔

''لیکن صالحہ! اب میں کوئی فیصلہ لابو سے پوچھے بغیر نہیں کروں گا' اور نہ ہی زبیر سے''۔

''ٹھیک ہے لوبابہ کی تعلیم مکمل ہوتے ہی ہم اس کا انتظام کرتے ہیں۔ پہلے مرضی آپ لابو سے پوچھیں گے تاکہ اگر زبیر نے منع کردیا تو کم سے کم اسے اپنے ریجیکٹ ہونے کا احساس تو نہیں رہے گا''۔ صالحہ بیگم بولیں تو جواد احمد سر ہلا کر رہ گئے۔ آہستہ آہستہ زندگی اپنی ڈگر پر آرہی تھی' لیکن لوبابہ کی راتیں اب بھی زیان کی یاد سے جگمگاتی تھیں' جواد احمد نے لوبابہ کو بلایا۔

''بیٹا! میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں زبیر سے تمہاری بات.....''

''نہیں نانا نہیں پلیز..... اب اگر میں ٹوٹی تو پھر جڑ نہیں پاؤں گی پلیز اگر میں آپ کا بڑھاپا بنتی جارہی ہوں تو پلیز مجھے باہر رخصت کردیں' لیکن زبیر بھائی یا عزیز بھائی ان کے لئے تو میں تصور بھی نہیں کرسکتی' یہ رشتے میں زندگی بھر اپنی ساتھ رکھنا چاہتی ہوں''۔ لوبابہ' جواد احمد کی بات کاٹ کر التجائیہ انداز میں بولی۔ صالحہ بیگم تڑپ گئیں اور انہوں نے مزید کچھ کہنے سے جواد احمد کو روک دیا' انہیں لگا کہ ہم نے پھر سے لوبابہ کے زخم ادھیڑ دیئے۔

☆

ڈائری پڑھتے ہوئے ایک بار پھر لوبابہ کے آنسو چھلک گئے اسے احساس تھا کہ نانا نانو اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں اس نے اپنا دکھ اپنے چہرے کی مسکراہٹ کے پیچھے دھکیل کر بہت حد تک سب کو مطمئن کردیا تھا کیونکہ ان سب کی محبتوں کا قرض وہ اتارنا چاہتی تھی' اس نے خود کو بہت مصروف کرلیا تھا لیکن زیان تھا کہ جب بھی سامنے ہوتا کوئی نہ کوئی بات ایسی کردیتا جس سے لوبابہ تڑپ ہی جاتی بلکہ اگر وہ اس دن کی بات نہ سنتی تو خوش فہمیوں کا شکار ہی رہتی لیکن زیان کے انداز تخاطب پر کوئی فرق نہ تھا وہ تو بلکہ اور زیادہ ہی لوبابہ کے آگے پیچھے رہنے لگا تھا۔

''زیان..... اب کیوں بہلانے کی کوشش کرتے ہو.....؟ سب کچھ تو ختم کردیا' اب کیا ہے مجھ میں بچا دوستی کا ایک بہتا دھارا بھی ہیں سب کچھ تم نے اپنے اس طوفان میں بہا دیا' اب تو خالی اجڑا ہوا ساحل ہے اور پیچھے ان گنت یادیں''۔ لوبابہ شکستگی سے سوچ کر روتی چلی گئی۔

''تم کیا جانو زیان..... بچپن سے اس بوند بوند محبت نے دریا بنا دیا ہے میرے اندر' اب وہ سب ایک الاؤ کی طرح میرے اندر جل رہا ہے' میں تو تمہیں کوئی بددعا بھی نہیں دے سکتی کیونکہ میں جانتی ہوں میری طرح سب کی تمہارے اندر جان ہے''۔

☆

''دادو! آپ کا فون ہے''۔ زوبیہ نے جواد احمد کو فون دیا تو صالحہ بیگم بھی دیکھنے لگیں۔

''ارے زبیدہ تم.....؟'' جواد احمد کے چہرے کی خوشی اور لہجے کی کھنک نے صالحہ بیگم کو چونکا دیا۔

''جودی! مجھے فون دو''۔ ان کے بھی انگ انگ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جواد احمد نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا اور گھر کا ایڈریس سمجھانے لگے۔ دادو اور دادی نے گھر بھر کو ہلا کر رکھ دیا۔

کھانے سے لے کر گھر کی صفائی ستھرائی تک کے کام بہت خاص ہدایت پر ہورہے تھے' سب کو یہ تو پتہ تھا کہ یہ خاتون یقیناً کوئی خاص شخصیت ہیں اور یہ دادو اور دادی کی دوست ہیں' آخر کار دو دن بعد آنے والی شخصیت کے بارے میں جاننے کے لئے زیان' دادو اور دادی کے پاس آگیا' لوبابہ دادی کے پاس بیٹھی بال سلجھا رہی تھی' زیان کو دیکھ کر ہاتھ رک گئے۔

''یار دادا! یہ آخر ہیں کون محترمہ.....؟ اور آپ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسی نہیں ہو رہی کہ ان کے آنے سے دادو کتنے خوش رہنے لگے ہیں آج کل"۔ زیان' لوبابہ کو نگاہوں کے دائرے میں لیتے ہوئے بولا۔ داہنس پڑیں۔

"ارے پاگل! تو نے ان کی خوشی دیکھی لیکن میری نہیں"۔

"یہ ہیں کون.....؟" زیان بولا۔ صالحہ بیگم جیسے ماضی میں کھو سی گئیں اور بولیں۔

"یہ زبیدہ ہے"۔ لوبابہ بھی پرشوق انداز سے انہیں سننے بیٹھ گئی۔

"یہ ہمارے کالج کی فرینڈ ہے یعنی میری اور تمہارے دادو کی۔ ہم تینوں دوست تھے بہت اچھے اور بہت سچے' پہلے زبیدہ اور تمہارے دادو دوست تھے' پھر ان کی دوستی میں میں بھی شامل ہو گئی' سب تمہارے دادو کو ہماری وجہ سے چھیڑتے تھے جو کہ بہت خندہ پیشانی سے برداشت بھی کر لیتے تھے' ہم تینوں کی ایک دوسرے میں جان تھی' کالج لائف ختم ہونے کے بعد بھی ہم اسی طرح سے اکٹھے ہو کر ملتے تھے اور اپنی باتیں کرتے تھے۔ ایک دن اچانک زبیدہ کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ اس دنیا سے چلے گئے اس کے بعد زبیدہ اپنے چچا کے پاس چلی گئیں۔ اس سے کئی مہینوں تک تو فون پر رابطہ رہا پھر ایک دن تمہارے دادو نے مجھے پرپوز کیا' ہمارے گھر والوں کو ہماری دوستی کے بارے میں علم تھا لہٰذا انہیں میرے لئے یہی رشتہ موزوں لگا تو انہوں نے میری منگنی کی تاریخ رکھ دی۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ زبیدہ کو اس خوشی میں شامل کریں لیکن رابطہ نہ ہو سکا۔ عین منگنی کے دن ہماری اس سے بات ہوئی وہ بھی پریشان تھی کیونکہ اس نے خواب میں ہماری دوستی ٹوٹتے ہوئے دیکھی تھی لیکن ہم نے اس کے اس خدشے کو دور کر کے اسے ایک بہت بڑی خوشی کی خبر سنائی اور اپنی اور جواد کی منگنی کی جسے سن کر وہ بہت روئی اور بولی کہ دیکھو میں اس سیلیبریشن میں شامل نہیں ہو سکی مگر میں یہ دن بہت شدت سے یاد رکھوں گی اور اسے محسوس کروں گی'

اس کے بعد زبیدہ سے ہمارا رابطہ منقطع ہو گیا اور پھر بہت کوشش کے باوجود یہ رابطہ بحال نہ ہو سکا' نہ ہی یہ پتہ چل سکا اتنے برسوں میں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں' اس کی شادی کس سے ہوئی کتنے بچے ہیں کہاں ہے وہ کچھ پتہ نہیں اور آج جب اچانک وہ اتنے برسوں بعد ملی تو ہمارا وہ وقت نہیں بھول پا رہا جس کی ڈور سے ہم آج تک بندھے ہوئے ہیں' اتنے برسوں بعد کسی کا یوں ملنا کسی معجزے سے کم نہیں' اب تو بس انتظار ہے زبیدہ کے آنے کا"۔ دا خوشی سے بولیں ان کی خوشی دیکھتے ہوئے زیان اور لوبابہ مسکرا اٹھے۔

آج صبح سے چار بجے شام کا انتظار شروع ہو گیا تھا اور آخر کار وہ وقت بھی آ پہنچا' ایک نفیس سی خاتون اور ایک ڈیشنگ سا نوجوان احمد ولا میں داخل ہوئے' سب ستائشی نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے انہوں نے صالحہ بیگم کو دیکھتے ہی کہا۔

"ارے صالحہ تو ابھی تک زندہ ہے"۔ ان کے لہجے میں جانے کیسی کاٹ تھی کہ زیان چونکے بغیر نہ رہ سکا لیکن صالحہ بیگم محبت سے ان کے گلے لگ گئیں۔ جواد احمد کی بھی آنکھیں چمک گئیں وہ وفورِ مسرت سے گویا ہوئے۔

"زبیدہ! تم کہاں چلی گئی تھیں اور تمہاری شادی کب ہوئی.....؟ ہمیں اس خوشی میں شامل کرنا بھی تم نے مناسب نہیں سمجھا"۔ جواد احمد کی زبان پر شکوہ آ گیا زبیدہ صرف مسکرا کر رہ گئیں۔

"خیر یہ بتاؤ یہ کون ہیں تمہارا پوتا یا نواسہ.....؟"

"یہ میرا پوتا ہے سب سے لاڈلا پوتا انس مرتضیٰ"۔ اس طرح جواد احمد نے سب بیٹوں اور پوتے پوتیوں کا تعارف کرایا اور خاص کر لوبابہ کا تعارف بہت محبت سے اور لاڈ سے کرایا تو زبیدہ بیگم کو بھی وہ پرکشش اور حسین بالوں والی لوبابہ بہت بھائی اور اسے اپنے قریب بلا کر پیار کیا۔

"لگتا ہے صالحہ اور جودی کی تم میں جان ہے"۔ لوبابہ مسکرا اٹھی۔ باتوں کا سلسلہ چلتا رہا یہ لوگ اپنا پرانا وقت یاد کر کے ہنستے رہے اور ساتھ میں کھانے اور

چائے کا دور بھی چلا جبکہ اس کے برعکس انس مرتضیٰ آدم بیزار بیٹھا تھا حالانکہ زیان اور عزیز نے بھی اسے کمپنی دینے کی کوشش کی لیکن وہ تو لگتا تھا کہ ان سب کی گیدرنگ میں شامل نہ ہونے کی قسم کھا کر آیا ہے' چہرے کے زاویئے دیکھ کر عزیز بھی تھوڑی دیر میں اٹھ کر چلا گیا اور زیان بھی اسے زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا۔ زبیدہ نے بتایا کہ وہ چند مہینوں کے لئے لندن سے آئی ہوئی ہیں اور وہ اپنے اس پوتے کی شادی کر کے یہاں سے واپس جائیں گی' جاتے جاتے وہ لوبابہ کے لئے اپنی پسند کا اظہار کر گئیں اور ادھر صالحہ اور جواد نے بھی سوچ کر جواب دینے کی حامی بھر لی۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے دا! اتنا بورنگ شخص مجھے وہ لابو کے لئے ٹھیک نہیں لگتا' اس کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ زبردستی ان کے ساتھ آیا تھا"۔ زیان مخاطب کئے بنا نہ رہ سکا لیکن دادو اور دا کو اپنی دوستی پر زیادہ اعتبار تھا اور ویسے بھی لوبابہ نے باہر خصتی کے معاملے میں اپنا فیصلہ نانا اور نانو پر چھوڑ دیا تھا۔ شعیب احمد تو ویسے بھی بیٹے کے اس فیصلے سے شرمندہ تھے' جبھی وہ کوئی مخالفت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا انہیں اس رشتے سے کوئی اعتراض نہ تھا' زوہیب بھی راضی تھے' عزیز البتہ شش و پنج میں مبتلا تھا' کیونکہ اس دن کے رویئے سے اس کا امپریشن عزیز کی نظر میں کچھ اچھا نہ تھا خیر اگر چہ اس کوئی اور سامنے ہوتی تو ہرگز لابو کے لئے اس کو سلیکٹ نہ کرتا۔

انس مرتضیٰ کے بارے میں زبیدہ نے بتایا تھا کہ اس کے ماں باپ بچپن میں ہی انتقال کر گئے اور اسے زبیدہ نے پالا ہے' وہ لندن میں لیدر کا بزنس کرتا ہے وہ اور زبیدہ ایک ہی فلیٹ میں رہتے ہیں اور اب وہ اس کی شادی کسی میم سے کرنے کی بجائے اس کی کسی مشرقی لڑکی سے کرنا چاہتی ہیں اور ان کی مشرقیت پر لوبابہ پوری اترتی ہے۔

ادھر لوبابہ کے دل کی دنیا یہ خبر سن کر تہہ و بالا ہو گئی۔ اس نے تو تصور میں بھی زیان کے سوا کسی اور کو نہیں سوچا تھا اور وہ بھی اتنی جلدی۔ اسے اپنی قسمت پر رونا آنے لگا۔ انس مرتضیٰ کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا لوبابہ سنتے ہی ڈھے گئی اور اس کے پاس اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے بھی کچھ نہ بچا تھا۔

☆

شادی کی تاریخ رکھ دی گئی اور زیان کے لبوں پر چپ کی مہر لگ گئی' وہ بیزار نظر آنے لگا کیونکہ گھر میں ہر وقت لوبابہ کی شادی کی تیاریاں نظر آ رہی تھیں۔ ادھر بڑوں نے طے کر کے زوبیہ اور عزیز کو بھی اس بندھن میں باندھنے کا فیصلہ کیا اور لوبابہ کے ساتھ ہی زوبیہ کی بھی رخصتی طے پا گئی۔ لوبابہ کا سوگوار سانولا حسین چہرہ مایوں کے سوٹ میں خوب غضب ڈھا رہا تھا' ادھر زوبیہ بھی شرمائی شرمائی بیٹھی تھی۔ سبھی خوش تھے۔ زبیدہ کی آمد پر بھی نے خوشی خوشی والہانہ استقبال کیا۔ جودی اور صالحہ کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھ کر زبیدہ وہیں آ گئیں اور بولیں۔

"مجھے ایک بات کرنی ہے جودی! اصل میں انس کو بزنس میں کچھ نقصان ہوا ہے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد واپس لندن چلا جائے اس لئے اس نے ولیمے کے دوسرے دن کے ٹکٹ کر لئے ہیں"۔ اتنی جلدی لوبابہ کے دور جانے کا سن کر جواد احمد کے ماتھے پر پسینہ آ گیا جو کہ زبیدہ سے چھپا نہ رہ سکا وہ بولیں۔

"کم آن جودی! تم اتنے کمزور تو کبھی نہ تھے اور صالحہ کہاں تم رونے لگیں' کیا تم لوگوں کو مجھ پر بھروسہ نہیں"۔

"نہیں یہ بات نہیں زبیدہ! یہ بچی بہت نازوں کی پلی ہے میری صوفیہ کی واحد نشانی ہے۔ اصل میں ہم نے کبھی اسے اپنے سے الگ جو نہیں کیا بس اس کے جانے کا سوچ کر دل گھبراتا ہے' یہ تو معصوم بھی اتنی ہے کہ کسی سے کچھ کہتی بھی نہیں' نہ اپنا دکھ نہ اپنی تکلیف یہ بچی بہت صابر ہے زبیدہ! اس کا خیال رکھنا یہ ہماری اس دوستی کا حق نبھانے کے برابر ہے"۔ صالحہ بیگم بہت دکھ سے بولیں۔

"زبیدہ! میں اپنی بہت قیمتی بلکہ جان سے زیادہ عزیز ہستی کو تمہیں سونپ رہا ہوں اس کا خیال رکھنا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواد صاحب رو پڑے۔ زبیدہ نے دونوں کو تسلی دی اور مایوں کی رسم کا سلسلہ شروع کرنے کو کہا۔ انس ان رسموں سے عدم دلچسپی کا اظہار کرتا رہا۔ ادھر زیان موقع پاکر لوبابہ کے پاس آ گیا اور بولا۔

''لابو! تم خوش تو ہو......؟'' لوبابہ نظریں چرا گئی۔

''مجھے معلوم ہے لابو! تم خوش نہیں، تم چاہو تو یہ سب ابھی بھی رک سکتا ہے''۔ زیان اس کے سامنے آتے ہوئے بولا۔

''کیوں روکوں......؟ اب اور کتنی ہمدردیاں مجھ سے کرو گے زیان! تم نے تو دوستی کا رشتہ بھی نہیں چھوڑا' اپنی کیئرنگ کو ہمدردی کا نام دے کر سب ختم کردیا' میری ذات توڑ کر رکھ دی' مجھے منافق بننے پر مجبور کردیا' کیوں کیا زیان تم نے ایسا......؟ میں نہیں مان سکتی کہ وہ چاہت نہیں وہ ہمدردی تھی' میرا دل نہیں مانتا زیان! تمہاری آنکھیں کچھ کہتیں اور تمہارے لب کچھ اور کہہ رہے ہوتے ہیں میں تھک گئی ہوں تمہیں سمجھتے سمجھتے''۔ لوبابہ پھٹ ہی پڑی۔ آج اپنا ہر دکھ برداشت کرتے کرتے تھک سی گئی تو زیان پر یہ لاوا اگل ہی دیا۔

''آج سب کہہ دو لابو! پھر پتہ نہیں موقع ملے یا نہیں''۔ زیان نے نم آنکھوں سے کہا۔

''زیان پلیز...... کہہ دو وہ سب جھوٹ تھا' میں تمہارے لب و لہجے کی آگ میں اب تک جل رہی ہوں' میری روح کو قرار دے دو بول دو وہ سب مذاق تھا''۔ یہ کہتے ہوئے لوبابہ' زیان کے کاندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ جب خوب رو لی تو زیان نے کہا۔

''اب بس کرو لابو! وہ سب مذاق نہیں تھا میں تمہیں آسرے میں رکھنا نہیں چاہتا' تم اپنی زندگی بہت ہنسی خوشی شروع کرو' بس اگر تم مجھ سے ذرا بھی پیار کرتی ہو تو اپنے آپ کو ہمیشہ خوش رکھنا' یہی میری سب سے بڑی خواہش ہے اور ہو سکے تو اپنی اس دوست کو مجھے دے جانا''۔ زیان نے لوبابہ کی لکھی ڈائری کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں زیان! اس دوست کے تم ہی حقدار ہو لیکن یہ ابھی تمہیں نہیں ملے گی جب میں اپنے آپ سے لڑتے لڑتے تھک جاؤں گی تو یہ ڈائری تم تک پہنچ جائے گی' شاید اس کو پڑھ کر تم میرے جذبوں کی قدر کر سکو یا پھر میرے مرنے کے بعد یہ تمہیں......'' زیان دہل ہی تو گیا اور لوبابہ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بے وقوف لڑکی آئندہ ایسی بات نہ کرنا''۔ یہ کہتے ہی زیان لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور لوبابہ حیرت سے اس کے پل پل بدلتے انداز کو سوچتی رہ گئی۔

☆

ریڈ کلر کے شرارے میں بڑی بڑی سیاہ آنکھیں لئے لوبابہ ہرنی کی مانند سہمی ہوئی اپنے حسن سے سب کو حیران کررہی تھی۔ زوبیہ تو اس کے روپ کے آگے کچھ بھی نہیں لگ رہی تھی۔ نکاح سے پہلے زیان اس سے ملنے کی غرض سے آیا تو اس کا آنکھیں خیرہ کرنے والا حسن دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ گول چہرے پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور لب بھینچنے پر گال پر پڑتا ڈمپل اسے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق بنا رہا تھا۔ زیان کی آنکھوں میں کیا تھا لوبابہ زیادہ دیر اس کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔

''لابو! میں تم سے بس ایک بات کہنے آیا ہوں۔ زندگی میں کبھی بھی جب صبر و برداشت ختم ہو یا اتنی پریشانی ہو جائے کہ کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آئے تو مجھے پکار لینا۔ نہ تو میں تمہیں پہلے تکلیف میں دیکھ سکتا تھا اور نہ آنے والے وقت میں دیکھ سکتا ہوں' اب چاہے تم اسے میری طرف سے ہمدردی کہو یا کیئرنگ جذبہ' میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہوں''۔ اتنا سچا اور کھرا لہجہ لوبابہ کو پریشان کر گیا۔ زیان جانے کے لئے پلٹ گیا وہ زیادہ دیر لوبابہ کو دلہن بنے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ آج اسے لابو کے کھونے کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔ دو آنسو زیان کے گال پر پھیلے تو وہ رخ پھیر گیا کچھ دیر کے لئے رکا لوبابہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

زیان جا چکا تھا اور نہ جانے کب ساری رسمیں ہوئیں لوبابہ کو کچھ خبر نہ رہی' رخصتی میں نانو اور نانا کے گلے لگی لوبابہ سب کو رلا گئی' انس مرتضیٰ کے سنگ وہ ان کے ایک فلیٹ میں آ گئی یہاں پر استقبال کے لئے بھی کوئی نہ تھا۔ زبیدہ نے دروازہ کھول کر دونوں کو اندر بلایا اور انس کو کچھ ہدایات دیں اور بہت پیار سے لوبابہ کو انس کے روم میں لے آئیں جو کہ بہت معمولی انداز میں سجایا گیا تھا۔

بیڈ پر انتظار کرتے کرتے جب لوبابہ تھک گئی تو اس نے جائزہ لینا شروع کیا۔ روم میں بس ایک بیڈ ایک الماری اور ایک ٹی وی جو ٹرالی پر رکھا تھا' مناسب سے پردے اور نارمل سا کارپٹ' کہیں سے بھی لندن میں پلنے بڑھنے والے شخص کے ذوق کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ دروازہ کھولنے کی آواز پر لوبابہ چونک کر سیدھی ہو گئی اور آنے والے شخص نے اسے اپنے آپ میں سمٹتے ہوئے دیکھا تو قریب آیا اور کہا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں مجھے ان مشرقی رسموں سے بہت وحشت ہوتی ہے لہٰذا آج کے دن مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں اور آپ بھی چینج کر کے آرام کر لیں ایک دو دن کی بات ہے پھر لندن جا کر جیسے آپ کی مرضی''۔ لوبابہ کو انس سے اس کی توقع نہیں تھی۔ لیکن اس نے بھی شکر کا سانس لیا اور اس شخص کی الجھتی شخصیت کو سوچ کر رہ گئی۔

☆

دوسرے دن زبیدہ خود ہی لوبابہ کو اس کے گھر لے گئیں۔ چلتے وقت انس مرتضیٰ نے اسے ایک چین لاکٹ منہ دکھائی کے طور پر ہاتھ میں پکڑا دیا اور پھر لوبابہ چپ کی چادر اوڑھے اپنے گھر آ گئی۔ اس میں زیان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اور نہ ہی زیان گھر میں موجود تھا جبکہ لوبابہ کے برعکس زوبیہ شرمائی شرمائی سی بیٹھی تھی۔ ایک سے دو گھنٹے بعد یہ لوگ واپس اپنے فلیٹ میں آ گئے۔ گھر میں سب نے انس مرتضیٰ کی غیر موجودگی کو شدت سے محسوس کیا' جیسے تیسے ولیمہ ہوا اور لوبابہ آخری ملاقات کے لئے اپنے گھر آئی کیونکہ اسے دوسرے دن لندن روانہ ہونا تھا۔ سب نے بہت محبت سے لوبابہ کو الوداع کہا لیکن لوبابہ کی نظریں زیان کو تلاش کر رہی تھیں اور زیان کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ جواد احمد اور صالحہ بیگم نے زبیدہ کو پھر لوبابہ کا خیال رکھنے کی خاص ہدایات کیں جسے وہ بڑی خندہ پیشانی سے سنتی رہیں۔

اپنے کمرے کی کھڑکی سے لوبابہ کو اپنا آپ ڈھونڈتا پاکر زیان کی برداشت کی ساری حدیں ختم ہو گئیں۔ وہ بلک بلک کر رو پڑا۔ زبیر لوبابہ کی ڈھونڈتی نگاہوں کو محسوس کرتے ہوئے زیان کے روم کی طرف غصہ میں تیزی سے آیا تو دروازے پر ساکت ہو گیا۔ زیان کسی بچے کی مانند لوبابہ کی تصویر کو سینے سے لگا کر رو رہا تھا زبیر ایک لمحے میں اندر آ گیا۔ سناٹوں کی زد میں آیا زبیر سے زیان کی محبت چھپ نہیں پا رہی تھی' اس نے محبت اور جدائی کا عجب کھیل دیکھا۔

''زیان......'' زبیر نے زیان کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ زیان نظریں چرا گیا۔

''کیا بات ہے زیان! آج مجھے سچ سچ بتا دے میرے یار' تو کہیں اندر ہی اندر ختم کر رہا ہے اپنے آپ کو''۔ زبیر بولا۔

''کچھ نہیں وہ میرے بچپن کی ساتھی تھی نا اس لئے اس کی جدائی برداشت نہیں ہو پا رہی''۔ زیان نے جھوٹ بولنے کی ایک ناکام کوشش کی۔

''نہیں میں نہیں مانتا کہ یہ صرف دوستی ہو سکتی ہے اور تیرے بچپن سے آج تک لوبابہ کی اور تیری محبت کسی سے چھپی نہیں تھی' بتا کیوں تو نے اسے دکھوں کے کنویں میں دھکیل دیا؟ کیا ایسی مجبوری تھی تیری کہ روح کو جسم سے الگ کر دیا''۔ زبیر چیخ پڑا۔

''بتاؤں گا زبیر! زندگی کا ایک موڑ ایسا ضرور آئے گا کہ مجھے یہ بتانا پڑے گا لیکن ابھی نہیں' وقت آنے پر اور ویسے بھی جب میں خود سے لڑتے لڑتے تھک جاؤں گا تو مجھے بھی ایک مہربان کاندھا چاہئے میرے دوست میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تجھے ضرور بتاؤں گا' گھر میں کوئی تو ہو جو مجھے سمجھے گا"۔ زیان شکست خوردہ سا بولا۔ زبیر نے اسے دیکھا اور کہا۔

"مجھے اس وقت کا انتظار رہے گا"۔

☆

لندن ایئر پورٹ پر پہنچ کر زبیدہ نے لوبابہ کو انس کے ساتھ اپنے فلیٹ بھیج دیا اور خود شام میں آنے کا کہہ کر دوسری سمت چلی گئیں۔ فلیٹ کی حالت دیکھنے کے قابل نہ تھی ہر چیز بے ترتیب پڑی تھی۔ لوبابہ نے سامان رکھتے ہی صفائی کا سلسلہ شروع کیا انس اسے دیکھتا رہا اور بولا۔

"کیا کوئی کسی کے لئے اتنا بوجھ بھی ہوتا ہے جو کسی کو بناء پرکھے بنا دیکھے کسی کے بھی حوالے کردے"۔ لوبابہ ناسمجھی کے عالم میں پلٹ کر انس کو دیکھنے لگی۔

"مجھے تم سے ہمدردی ہے اور چونکہ مام گھر پر نہیں اس لئے میں تمہیں ایک حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم میری طرف بڑھنے سے پہلے دس مرتبہ سوچ لو"۔ لوبابہ کو اس کی باتوں سے خوف آنے لگا۔

"دیکھو! مام جو کہ میری دادی وادی نہیں ہیں لیکن مجھے اتنا پتہ ہے کہ انہوں نے مجھے یتیم خانے سے لے کر پالا ہے' انہوں نے یہ شادی اپنے لئے کی ہے' میری اور ان کی ایک کمٹمنٹ ہے' تم سے شادی کے بعد وہ میری شادی میری پسند کی لڑکی جویریا سے کرائیں گی جو کہ ایک بار ڈانسر ہے' تمہارا میرا رشتہ محض دکھاوا ہے اور اب جیسا مام کہیں گی ویسا ہی کرنا میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دوں گا اور نہ ہی مجھ سے کسی مدد کی توقع رکھنا"۔

لوبابہ ہکا بکا کھڑی اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ لندن آتے ہی اتنی بڑی بات کی اسے توقع نہیں تھی۔ انس یہ کہہ کر چلا گیا اور لوبابہ پریشانی کے عالم میں فون ڈھونڈتی رہی لیکن نہ ہی سیل فون اور نہ ہی کوئی اور فون 4 کمرے کے فلیٹ میں تھا' لوبابہ بے بسی سے رو پڑی۔ اسے یہ فکر کھانے لگی کہ اگر نانا' نانو کو پتہ چلے گا تو نہ جانے وہ کیسے برداشت کر سکیں گے۔

لوبابہ روتے روتے جانے کب سو گئی' آنکھ کھلی تو کسی کے چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں' گھبرا کر باہر بھاگی' دیکھا کہ زبیدہ آنٹی صوفے پر بیٹھی تھیں اور انس مرتضیٰ بڑبڑا رہا تھا۔ لوبابہ ناسمجھی میں دروازے کی اوٹ میں ہو گئی اور وہ یہ منظر خوف زدہ سی دیکھنے لگی۔ انس بار بار ان سے کچھ مانگ رہا تھا اور وہ چیخنے لگتیں۔

"میرے پاس ابھی نہیں ہے"۔ لوبابہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اچانک انس نے چیزیں اٹھا کر پھینکنی شروع کر دیں اور وہ عجیب کیفیت میں ہوتا چلا گیا۔ خوف سے کانپتی ٹانگوں سے لوبابہ واش روم میں بند ہو گئی۔ بے آواز آنسوؤں سے سسکنے لگی' ہوش تو جب آیا جب واش روم کا دروازہ بے دردی سے پیٹا گیا۔ گھٹی گھٹی آواز میں لوبابہ نے پوچھا۔

"کون......؟" زبیدہ آنٹی چیخیں۔

"کھولو......" اس کے لئے زبیدہ آنٹی کا یہ روپ بالکل نیا تھا' وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی محبت سے ملنے والی زبیدہ آنٹی اس طرح کی بھی ہو سکتی ہیں؟ ڈرتے ڈرتے لوبابہ باہر آئی تو زبیدہ آنٹی بولیں۔

"تمہاری ممانی کا فون ہے اور ہاں سنو یہاں کی کوئی خبر دی تو انجام کی تم ہی ذمہ دار ہو"۔ وہ کاٹ کھانے والی نظروں سے بولیں۔ لوبابہ سے بات کرنی مشکل ہو رہی تھی اور سارہ بیگم یہ سمجھتی رہیں کہ جدائی کے غم میں لوبابہ بات نہیں کر پا رہی۔ بات ختم ہونے کے بعد زبیدہ آنٹی نے فون چھین لیا۔

انس بے سدھ صوفے پر آڑا ترچھا پڑا تھا' لوبابہ کو اسے دیکھ کر وحشت ہونے لگی' خوف سے وہ ابھی تک اندر ہی اندر کانپ رہی تھی' پھر تو یہ ہر دوسرے دن کا معمول بن گیا کہ زبیدہ بیگم اسے طیش دلاتیں اور انس مرتضیٰ بکھر جاتا۔ ایک اچھائی انس مرتضیٰ میں یہ تھی کہ وہ اپنے اور زبیدہ آنٹی کے معاملے میں لوبابہ کو بیچ میں نہیں لاتا تھا۔ چند دنوں تک لوبابہ کا گھر سے رابطہ رہا پھر آہستہ آہستہ زبیدہ آنٹی نے فون دینا بھی بند کر دیا اور سم چینج کر لی۔

ایک دن زبیدہ آنٹی لوبابہ کے پاس آئیں اور بولیں۔

"آج تمہیں میرے ساتھ چرچ چلنا ہے......"

لوبابہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"لیکن کیوں......؟"

"اس لئے کہ ہم وہاں عبادت کرتے ہیں' اب تمہیں بھی وہیں عبادت کرنی ہے ہماری طرح"۔ زبیدہ عیاری سے مسکرائیں۔

"لیکن ہم تو مسلمان ہیں"۔ لوبابہ کی حیرت ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"ہم نہیں......تم"۔ زبیدہ جما جما کر بولیں۔

"اور اب تم ہم میں آ گئی ہو لہٰذا جیسے ہم ہیں ویسی تم ہو جن کو ہم مانتے ہیں ان کو تم بھی مانو گی"۔ لوبابہ ان کی بات پر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا مطلب آنٹی آپ آپ......؟" لوبابہ کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"ہاں ہم عیسائی ہیں"۔ انہوں نے انکشاف کیا۔ لوبابہ کی اس انکشاف سے آنکھیں پھٹ گئیں۔

"لیکن آپ نے یہ بات شادی سے پہلے کیوں نہیں بتائی اور کیوں چھپایا سب سے......؟" لوبابہ چیخ پڑی۔

"مجھے اونچی آواز سننا پسند نہیں' آج سے تم چرچ میں جا کر حلف لو گی"۔

"نہیں میں یہ نہیں کر سکتی' مجھے سب برداشت ہے لیکن اپنے مذہب میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں"۔ اتنے عرصے سے لوبابہ نے پہلی بار ان سے بدتمیزی سے بات کی۔

"ٹھیک ہے پھر اس انکار کا انجام میں آج ہی تمہیں دکھاتی ہوں"۔ زبیدہ آنٹی دھمکی آمیز لہجے میں بولیں۔ لوبابہ کے جسم میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔

"نہ جانے یہ کیا کریں گی......؟ یا اللہ! مجھے ثابت قدم رکھنا"۔ لوبابہ میں اپنے ساتھ اللہ کے ہونے کا احساس جاگ اٹھا اور وہ ثابت قدمی سے کھڑی ہو گئی۔

رات میں انس مرتضیٰ آیا تو حسب معمول زبیدہ آنٹی سے اس کی لڑائی شروع ہو گئی' اس دوران لوبابہ اپنے آپ کو واش روم میں بند کر لیا کرتی تھی' جب اسے محسوس ہوتا کہ سب نارمل ہو گیا ہے تو باہر آ جاتی' آہستہ آہستہ معاملہ بڑھا تو زبیدہ آنٹی نے کہا۔

"میں نے تمہاری دوائیں لوبابہ کو سونپ دی ہیں آئندہ اس سے لے لینا"۔ زبیدہ آنٹی کے کہنے پر لوبابہ ہکا بکا رہ گئی' اس سے پہلے کہ وہ منع کرتی' انس کے قدم لوبابہ کی سمت بڑھنے لگے اور وہ نشے میں دھت اپنی دیوانگی میں اتنا پاگل ہو جاتا تھا کہ اسے کچھ ہوش نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ لوبابہ واش روم کی سمت بھاگی' دیکھا کہ واش روم کا دروازہ لاک ہے' لوبابہ کانپتے ہاتھوں سے دروازہ جھنجھوڑ رہی تھی اور انس مرتضیٰ اس کے سر پر کھڑا تھا اور بولا۔

"دیکھو! میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے تم میرے بیچ میں نہیں آؤ"۔ زبیدہ آنٹی مسکراتی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھیں اور لوبابہ پر خوف اتنا حاوی ہوا کہ پیلے رنگ کے ساتھ آواز بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور انس مرتضیٰ نے اسے کسی روئی کی طرح دھن کر رکھ دیا۔

☆

زیان سوتے میں چونک کر اٹھا۔ اٹھتے ہی پہلا خیال لوبابہ کا آیا۔

"کیا بات ہے لابو! کیوں پریشان ہو یار......؟ کم از کم فون کر کے ہماری خیریت ہی معلوم کر لو"۔ زیان اس کی تصویر دیکھ کر بولا۔

"آج تم نے مجھے سوتے سے اٹھا دیا یار! خیر میں کل دا سے کہہ کر تمہیں فون کرتا ہوں"۔ زیان نے اپنے آپ میں ایک بے چینی محسوس کی۔ ادھر زبیدہ آنٹی فون کر کے لوبابہ کی خیریت سے آگاہ کرتی رہیں اور کہا لوبابہ اور انس ہنی مون ٹرپ پر 3 مہینے کے لئے گئے ہیں اور جیسے ہی ان کی خیریت کے فون آئیں گے میں آپ لوگوں کو بتاتی رہوں گی' لہٰذا گھر والوں نے بھی انہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

☆

دکھتے جسم اور نیل پڑے چہرے کے ساتھ لوبابہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر پانی بھی پی لیتی۔

"نانو...... زیان......" خشک زبان سے وہ پکار اٹھی۔ جیسے جیسے آنکھ کھلتی جارہی تھی وہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ رہی تھی' اسے سب یاد آرہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے' اپنے دکھ پر اس نے رونے کے ساتھ یہ بھی شکر بھیجا کہ انس نے ابھی تک اسے چھوا نہیں تھا اور نہ ہی زبیدہ آنٹی کا ذہن اس طرف گیا تھا' اب تو ساتھ ساتھ اسے اپنی عزت بھی بچانی تھی۔

"علم میں لائے بنا کسی نان مسلم سے شادی میں تسلیم نہیں کروں گی' مجھے اپنے آپ کو ان لوگوں سے بچانا ہے' مگر کیسے......؟" لوبابہ کی سوچ کی رفتار ہزار گنا تیز ہوگئی۔ اپنے دکھتے جسم کو گھسیٹتے ہوئے بمشکل لوبابہ فریج تک آئی اور اس میں سے پانی نکال کر پینے کو ہی تھی کہ زبیدہ آنٹی نے گلاس ہاتھ سے چھین لیا۔

"اب بتا لڑکی چرچ جائے گی یا نہیں؟" زبیدہ آنٹی ہذیانی انداز میں چیخیں۔

"نہیں میں نہیں جاؤں گی"۔ لوبابہ کمزور مگر پختہ آواز میں بولی۔

"ٹھیک ہے کل میں نے چند لوگوں کو دعوت پر بلایا ہے تجھے ان کے ساتھ رات گزرنی ہوگی"۔ زبیدہ آنٹی اتنا گر سکتی ہیں وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی یہ سنتے ہی لوبابہ کے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ تڑپ کر زبیدہ آنٹی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے تمہیں ہر حال میں عیسائی بنانا ہے تا کہ تمہارے نانا کا گھمنڈ توڑ سکوں"۔ زبیدہ عیاری سے بولیں۔

"تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے تم سوچ لو"۔ زبیدہ کہہ کر چلی گئیں' بمشکل لوبابہ اٹھی وضو کیا اور اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہوگئی۔ اپنے آپ کو بچانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ بہت دیر بعد دل کو کچھ سوچ کر سکون سا ملا اور اس نے زبیدہ آنٹی سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ چرچ جاؤں گی لیکن آپ مجھے آئندہ کسی کے سامنے پیش کرنے کی بات نہیں کریں گی"۔

☆

آج زیان صبح سے بے چین تھا اور لوبابہ کو بہت شدت سے یاد کر رہا تھا۔ جوں ہی وہ دادو سے لابو کی خیریت معلوم کرنے گیا' وہاں دادو کو فون پر روتے ہوئے دیکھا۔ صالحہ بیگم پریشان سی ان کی صورت تک رہی تھیں۔

"کیا بات ہے دادو......؟" زیان نے دادو کو جھنجھوڑا۔

"صالحہ اپنی لابو......" یہ کہہ کر دادو روتے ہوئے چلے گئے۔ زیان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

"کیا ہوا لابو کو......؟" دادو بولیں۔ زیان کے دیوانہ وار چیخنے پر گھر کے تمام افراد ہی دوڑے چلے آئے۔ دادو نے بتایا۔

"کچھ پتہ نہیں ابھی جس نے بھی فون کیا تھا صرف اس نے یہ بتایا ہے کہ لابو وہاں کے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے اور وہاں اسے تشدد کے بعد ایڈمٹ کرانے کے بعد کسی خاتون نے آج کی فلائٹ کی ٹکٹ کنفرم کی ہیں اور یہاں کا ایڈریس ہاسپٹل والوں کو دیا ہے"۔

"لیکن اس پر تشدد کیا کس نے......؟" زوہیب ماموں پریشانی سے بولے۔ صالحہ بیگم یہ سب سنتے ہی اپنا دل پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

ایمر جنسی میں انہیں کارڈیو شفٹ کیا گیا جس کی وجہ سے بروقت ٹریٹمنٹ نے صالحہ بیگم کو دل کے اٹیک سے بچالیا' لیکن انہیں کسی بھی بری خبر سے دور رکھنے کی انتہائی سختی سے تاکید کی گئی۔ گھر میں "یا سلام" کے ورد کا اہتمام کیا گیا اور سب دل سے لوبابہ کے لئے دعا گو تھے۔ گھر میں موت کا سا سناٹا تھا۔ جواد احمد دو تھے...... گئے۔ دو زبیدہ کو فون ملا ملا کر تھک گئے لیکن ان کا اور انس کا سیل فون بند جاتا رہا۔ لوبابہ کو بے ہوش حالت میں لایا گیا فوری آغا خان ہاسپٹل شفٹ کیا گیا' اس کے ہمراہ سامان بھی صرف اس کے ڈاکومنٹس اور اس کی ڈائری تھی' وہ کپڑے بھی نہ جانے کتنے دن پرانے ملگجے سے پہنے ہوئے تھی' لابو کو دیکھ کر سب کو دھچکا لگا' آنکھوں کے گرد کالے حلقے سوجی ہوئی آنکھیں' چہرے پر کھروجوں کے نشانات' ہاتھوں پر نیل کے نشانات اور ہونٹ جو کہ اوپر سے پھٹا ہوا تھا بالکل خشک سفید پڑا تھا۔ زیان اس کی یہ حالت دیکھ کر صدمے سے گنگ رہ گیا۔ سب کے الفاظ گم تھے ڈاکٹر نے کہا۔

"بے ہوش یہ تشدد سے نہیں' خوف اور ڈپریشن سے ہوئی ہیں ان پر کسی نے تشدد کے ساتھ ذہنی طور پر ٹارچر کیا ہے' جس کا اثر ان کے دل و دماغ پر گہرا پڑا ہے' بہر حال اصل صورتحال ان کے ہوش میں آنے پر ہی پتہ چلے گی"۔ زیان نے اس کے سامان سے اس کی ڈائری خاموشی سے اٹھالی اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ جوں جوں زیان ڈائری پڑھتا گیا' آنسوؤں میں ڈوبتا گیا۔ ڈائری میں شادی کے بعد کے دو تین دن خالی تھے پھر لندن جانے کے بعد کا احوال پڑھ کر زیان ٹھٹک گیا۔

"نانو آپ کو اگر پتہ چلے کہ آپ کی پیاری دوست زبیدہ آنٹی یہاں آ کر کتنی بدل گئیں تو شاید آپ کو یقین نہیں آئے' میں ان کی اصلیت بتا کر آپ کے اور نانا کے یقین کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتی"۔

"آپ لوگوں کا فون تھا اور میرے سر پر زبیدہ آنٹی سوار تھیں' میں آپ لوگوں سے کچھ کہہ بھی نہیں پا رہی تھی' میں کیا کرتی مجھے ان سے ڈر لگ رہا تھا عجیب گھر کا دہشت زدہ ماحول تھا بکھرا بکھرا سا اجڑا اجڑا سا"۔

"آج پھر انس مرتضیٰ کو دورہ پڑا اور یہ سب زبیدہ آنٹی کی وجہ سے ہوتا ہے وہ انہیں طیش کی بلندیوں اور غصے کی آخری حدود پر لے جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہ جنونی ہو جاتا ہے اور پھر اس کو نہ جانے کیا ہوتا ہے کہ اس کا چہرہ عجیب کیفیت سے دوچار ہوتا ہے تکلیف زدہ سا' لیکن مجھ سے نہیں دیکھا جاتا میں اپنے آپ کو واش روم میں بند کر لیتی ہوں"۔

ڈائری میں لوبابہ کے ساتھ گزرے ہوئے سارے دنوں کی کہانی لکھی ہوئی تھی وہ ورق پلٹتا گیا اور حقیقت اس پر کھلتی گئی۔

"نانو! آج زبیدہ آنٹی پھر مجبور کر رہی ہیں مجھے کرسچن کرنے پر' میں نے پھر منع کر دیا ہے لیکن پھر انہوں نے ایسی بات بولی میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے میں تھال میں کسی مردوں کے آگے پیش ہونے والی تھی جو کہ مجھے منظور نہیں تھا سو میں نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ان کو حامی دے دی لیکن دل سے نہیں خالی زبان سے بھلا میں اپنے اللہ اور پیارے نبیؐ سے کیسے منکر ہو سکتی ہوں مجھے بس اپنی عزت بچانی تھی"۔

"نانو! آج میں کرسچن کی حلف برداری کے لئے زبیدہ آنٹی کے گھر سے چرچ تک پہلی بار باہر نکلی اور پھر چرچ پہنچ کر حلف برداری شروع ہوئی مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کیا کہا بس میں اتنا جانتی ہوں کہ میں بند آنکھوں سے روضہ مبارکؐ اور خانہ کعبہ کا تصور کئے ہوئے اپنے رب کے حضور حاضر تھی' آنکھ تو جب کھلی جب زبیدہ آنٹی نے چلنے کے لئے کہا اور گھر آ کر وہ بہت ہنسی بھی اور روئیں بھی' میں تو زندہ لاش بنی ان کا تماشہ دیکھ رہی تھی اور پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں جودی اور صالحہ کو پہلے دن سے آج تک کی تمام باتیں بتاؤں جسے سن کر جودی اور صالحہ کی پریشانی میرے لئے تسکین کا باعث ہے' میں بھلا کیوں اپنے نانا نانو کو تکلیف دیتی سو میں نے انہیں منع کر دیا کہ میں گھر میں کچھ نہیں بتاؤں گی جس پر انہوں نے مجھے بیلٹ سے مارا اور جب میں گری تو میرے ہاتھ کی انگلیاں وہ اپنے سینڈل تلے روند کر چلی گئیں"۔

"زیان! دیکھو میں اپنی تکلیفوں میں تمہیں بھی بھول گئی' دس دن بعد لکھ رہی ہوں کیونکہ اس دن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد میرا ہاتھ نیلا پڑ گیا تھا میں نے ڈائری لکھنے کی کوشش بھی کی تو نہیں لکھ سکی' دو دن بعد ہاتھ میں بہت تکلیف بڑھ گئی تھی اب بہتر ہے۔ زیان! اب تم بھی شادی کرلو میں تو شادی کے بعد زندگی کی حقیقت سے آشنا ہوگئی"۔

"نانو! اب تک میں چھپ کر نماز پڑھ رہی تھی لیکن کل زبیدہ آنٹی نے مجھے تہجد پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور میری نماز توڑ کر مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچ لیا"۔

"سچ نانو! مجھے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ اس طرح پکڑی جاؤں گی' انہوں نے مجھے کہا کہ تو واقعی صالحہ کی نواسی نکلی بہت صبر و شکر والی لیکن میں اس دفعہ تیری نہیں چلنے دوں گی اس کے بعد جو ان کا بس چلا انہوں نے کیا اور وہ بھی اب تو میں عادی ہوگئی اس مار پیٹ کی' اب مجھے کوئی خوف آتا اور نہ ہی کوئی درد ہوتا ہے۔

"سوری زیان! بہت مجبور ہو کر اپنی دوست کو میں نے پھر ایک دفعہ سہارا بنایا ہے ایک ایسا سچ اس عورت نے اگلا ہے کہ اس نے اپنے 40 سال کا انتقام مجھ سے ان 4 مہینوں میں پورا کرلیا ہے آج میں جیت گئی اور یہ عورت 40 سال بعد بھی شکست کا ہار گلے میں پہنے ہوئے ہے"۔

"زیان آج میں ایسی کہانی تمہیں سنا رہی ہوں جسے سن کر تم حیران کیا پریشان ہو جاؤ گے' جواد اور زبیدہ ایک کالج فرینڈ تھے زبیدہ مطلب (زبل رابرٹ) جس نے نہایت عیاری سے اپنی ٹیچر سے اسلام سے محبت دکھا کر زبیدہ کے نام سے کال کرنے کی ریکویسٹ کی جسے پورا کرلیا گیا۔ جواد احمد کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ ان کے ساتھ ایک کرسچن لڑکی دوست کی حیثیت سے ہے' پھر ایک نیو ایڈمیشن لڑکی صالحہ جاوید کالج میں آئیں' اس کی باتوں سے ہی نہیں اس کی آنکھوں سے بھی ذہانت چھلکتی تھی اور ذہانت جواد احمد کو بہت اٹریکٹ کرتی تھی جواد کی فرمائش پر زبیدہ نے اسے اپنا اور جواد کا دوست بنایا چونکہ جواد اس سے متاثر تھے لہٰذا ان کی ہر بات پر جواد اسے سراہتے بھی تھے چونکہ زبیدہ کرسچن تھیں بظاہر اسلامیات جیسے سبجیکٹ وہ دنیا دکھاوے کو پڑھتی تھیں اس میں اس کی معلومات صفر تھی جبکہ صالحہ مذہبی ماحول سے تعلق رکھتی تھیں جس کی وجہ سے اسے معلومات بھی بہت تھیں' اکثر دونوں میں مذہبی بحث و مباحثہ چھڑ جاتا اور زبیدہ بیٹھ کر شکل دیکھتی رہتی کبھی لقمہ دینے کی کوشش کرتیں تو جواد اسے یہ کہہ کر چپ کرا دیتا کہ کبھی نماز ڈھنگ سے پڑھی ہو تو پتہ چلے۔ اندر ہی اندر زبیدہ صالحہ سے جیلس رہنے لگیں لیکن کبھی ظاہر نہیں کرتیں' اس طرح سے دن گزرتے گئے۔ اور فائنل ایئر بھی ہوگیا ادھر زبیدہ جواد احمد کی محبت میں پور پور ڈوب گئیں اور اس نے مسلمان ہونے کا سوچ لیا ادھر رابرٹ صاحب کو پتہ چلا کہ ان کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کیا کرنے جا رہی ہے تو انہیں یہ برداشت نہ ہو سکا اور ان کو ہارٹ اٹیک ہوگیا' اکیلی ہونے کی وجہ سے زبیدہ کو اس کے چچا اپنے گھر لے گئے کچھ دن تو انہوں نے زبیدہ کی دیکھ بھال کی پھر انہیں زبیدہ کی ایکٹی وٹیز کا علم ہوا کہ زبیدہ اسلام میں دلچسپی لے رہی ہے تو انہوں نے اس پر سختی شروع کردی اور اس کی شادی اپنے معذور بیٹے سے کرنا چاہی۔ ان تمام ٹینشن کے دوران ایک دن زبیدہ نے خواب میں جودی اور اپنی دوستی ٹوٹتے ہوئے دیکھی تو تڑپ گئی اور کسی طرح چھپتے چھپاتے فون کیا تو پتہ چلا کہ صالحہ اور جودی کی منگنی ہو رہی ہے زبیدہ یہ کیسے برداشت کرتیں جس کی خاطر وہ یہ سب کر رہی ہیں' کسی اور کا ہو رہا ہے۔ سنتے ہی روپڑیں صالحہ جودی نے ان کے رونے کو خواب کی وجہ یا منگنی میں شریک نہ ہونے کی وجہ سمجھی۔ آخر کار اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے زبیدہ آنٹی نے اپنے معذور کزن سے شادی کرلی اور جواد احمد کو اپنی اس خراب زندگی کا مورد الزام ٹھہرایا اس دن سے آج تک وہ اس الاؤ میں دہک رہی تھیں جو مجھ پر آ کر بجھ رہا تھا۔ کیا محبت آخر میں جا کر ایسا اثر بھی دکھاتی ہے' محبت کے اس روپ نے مجھے اندر تک ہلا کر رکھ دیا ہے' پھر آخری وار انہوں نے مجھ پر یہ کیا کہ واقعی کاری ضرب دے گیا' مجھ سے میری یہ

دوست چھین لینے کا جو میرے میکے سے آج تک میرے ساتھ ہے جو میرے یہاں رہنے کا میری ہر اذیت کا حساب اپنے اندر سموتی ہے میں اس سے کیسے دور جا سکتی ہوں.....؟"

"آج انس مرتضیٰ بھی زبیدہ آنٹی کو دھتکار کر اپنی اس بار ڈانسر کے ساتھ ہمیشہ کے لئے چلا گیا اور مجھے بھی اس جھوٹے بندھن سے آزاد کر گیا' آج زبیدہ آنٹی جنہوں نے اسے یتیم خانے سے 30 سال پہلے لے کر پالا تھا آج اس کے چلے جانے سے ٹوٹ گئیں ہیں اور انہوں نے اپنا سارا حساب کتاب ایک بار پھر میرے کھاتے میں ڈال دیا ہے اور مجھ سے میری دوست کو چھین لیا ہے"۔

"آج کا پلٹ ہوگئی وہ اپنا نفسیاتی پن مجھ پر نکال نکال کر تھک گئی ہیں اور آج انہوں نے مجھ سے کل کی مار کی معافی بھی مانگی اور مجھے یہاں سے چلے جانے کو کہا آخر میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے ساری حقیقت تمہارے گھر والوں کو بتا دی ہے جسے سن کر میرا دل و دماغ منجمد ہوگیا ہے۔ یا اللہ میرا صدمہ میرے نانا نانو کو برداشت کرنے کی ہمت دے لیکن میں بہت پریشان ہوگئی اس بات سے اور آج جب مجھے میری ڈائری انہوں نے واپس کی تو اس میں نانا اور نانو کے نام ایک لیٹر بھی ہے لیکن میں کیسے واپس جاؤں.....؟ کیسے سب کچھ ٹھیک ہوگا کچھ سمجھ نہیں آ رہا"۔

"زیان! میں دو دن سے نہیں سوئی پلیز کوئی مجھے اس ذہنی پریشانی سے نکال دو آ جاؤ زیان آ جاؤ' میں اندر سے مر گئی ہوں"۔ زیان کی ڈائری پڑھتے پڑھتے ضبط کی ساری حدیں ٹوٹ گئیں اور وہ بھاگتا ہوا دادو کے پاس جا پہنچا اور انہیں وہ ڈائری اور وہ لیٹر جو زبیدہ آنٹی نے لکھا تھا دے دیا اور کہا۔

"دادو! لابو اندر سے مر گئی ہے میں اسے زندہ کروں گا' اس کا ہر دکھ خوشی میں بدل دوں گا' وہ میرے لئے جیئے گی صرف میرے لئے' لابو نے میرے جسے کے کانٹے بھی اپنے پاؤں میں چبھو لئے ہیں' وہ کسی زخم کی مانند رس رہی ہے' اسے بچا لیں دادو"۔ زیان' دادو کی گود میں سر رکھ کر رو پڑا اور اس سے زیادہ محبت کا ثبوت جواد احمد کو کیا ملتا۔ جواد احمد نے کانپتے ہاتھوں سے خط کھولا اور پڑھنے لگے۔

"جواد اور صالحہ:

ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا میں نے اپنی زندگی بھر کے بدلے کی آگ کے لئے تمہاری سب سے عزیز از جان لاڈلی نواسی کا انتخاب صرف اپنے آپ کو پرسکون کرنے کے لئے کیا' لیکن کیا صالحہ کی صبر و قناعت ہوگی اور کیا تمہاری ہر بات کو انکور کرنے کی صلاحیت ہوگی جو اس لڑکی میں ہزار گنا موجود ہے' میں تھک گئی ہوں اسے ٹارچر کر کر کے' لیکن جوں جوں میں اسے اذیت دیتی یہ الٹا مجھے اپنی خاموشی سے ٹارچر کر جاتی' آج میں ہار گئی سب کچھ اپنی دوستی اپنے ہاتھوں سے پالا ہوا بیٹا اپنا مذہب اور اپنا آپ' تم لابو کی ڈائری پڑھو گے تو تمہیں ساری حقیقت کا پتہ چل جائے گی لیکن میں اس 20 سالہ لڑکی کے ہاتھوں آج صحیح سمت چل پڑی ہوں اور میں اپنے خدا سے سچے دل سے معافی مانگ کر مسلمان ہو رہی ہوں تمہاری وجہ سے نہیں صرف اپنی آخرت بچانے کے لئے' ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا کبھی نہ ملنے والی تمہاری بدنصیب دوست زبیدہ"۔

دادو یہ خط پڑھ کر کانپ گئے۔

"تو یہ سب زبیدہ نے.....؟" ایک بار پھر فیصلے کی سیاہی لوبابہ پر گر گئی۔

"یہ کیا کیا میں نے.....؟ دوستی کے اعتبار میں جھونک دیا اپنی بچی کو"۔ جواد احمد رو پڑے۔ ہاسپٹل سے لوبابہ کے ہوش میں آنے کی اطلاع آئی تو سب دوڑ پڑے' لیکن زیان نہ جا سکا۔

"میں کیسے سامنا کروں گا لابو کا' یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے' میں زندگی بھر کی محرومی دے دیتا لیکن اسے ظلم کی بھٹی میں نہیں چھوڑتا"۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ زیر آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زیان کیا ہاسپٹل نہیں چلنا''۔ زبیر نے حیرت سے اس کے روتے چہرے کو دیکھا۔

''نہیں میں اس کا سامنا نہیں کرسکتا کیونکہ میں اس کے کسی قابل نہیں ہوں''۔ زیان مایوسی سے بولا۔

''یار! آج مجھے بتا کیا بات ہے جو تجھے اندر ہی اندر کھا رہی ہے.....؟'' زبیر نے پرزور اصرار کیا۔

''ہاں زبیر! تو سن میری حقیقت' جب میں باہر سے پڑھ کر آیا تھا ناں اس دوران کینیڈا کی ایک جاب آئی تھی جس میں میں نے سب سے پوچھے بغیر اپلائی کردیا اور چونکہ میں پاپا کے بزنس میں نہیں لگنا چاہتا تھا کچھ الگ کرنے کے خیال سے وہ جاب کی انٹرویو کال بھی میرے پاس آ گئی اور میں سلیکٹ بھی ہوگیا' یہ سب میں اس لئے کرتا جارہا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ بعد میں سب مان جائیں گے اور پھر ان لوگوں نے میڈیکل مانگا جب میں نے میڈیکل رپورٹ دیکھی تو میں ڈس ایبل تھا۔ یہی بات مجھے لابو سے دور لے گئی کیونکہ اس کی بچوں میں جان تھی' بس یہی سوچ کر میں نے اس دن جان بوجھ کر لابو اور دادو کو وہ باتیں سنائیں تھیں''۔ زبیر یہ سن کر تشویش میں آ گیا اور کہا۔

''ٹھیک ہے تیرا ریزن بالکل جائز تھا لیکن تو نے اس رپورٹ کو کسی اور ڈاکٹر کو بھی دکھایا یا نہیں''۔

''کیا فائدہ بار بار زخم کھرچنے سے''۔

''لیکن یار! مجھے وہ رپورٹ دے میں اسے کسی اسپیشلسٹ کو دکھا کر مشورہ لوں گا''۔ زبیر نے کہا تو زیان وہ رپورٹ لے کر آ گیا' جوں ہی انولپ سے رپورٹ نکالی محیط شاہ نام دیکھ کر چونک گیا۔

''یہ یہ.....؟'' رپورٹ پر نام کی جگہ زیان کی بجائے محیط شاہ نام دیکھ کر زیان بھی اچھل پڑا اور اس کے ہاتھوں سے چھین کر بار بار پڑھا اور اپنی عقل پر ماتم کرنے بیٹھنے ہی والا تھا کہ زبیر نے اسے کانوں سے پکڑ لیا اور بولا۔

''گدے تو کینیڈا میں جاب کرنے جارہا تھا تو تجھے یہ علم بھی ہونا چاہئے کہ رپورٹ ہاتھ میں آنے سے پہلے نام پڑھا جاتا ہے' تیری اس بے وقوفی نے لابو کی زندگی تباہ کردی' اب چل کر اس سے معافی مانگ اور اسے اپنا''۔ زیان خوشی سے اٹھا دونوں ہاسپٹل جا پہنچے۔

☆

لوبابہ منتظر نظروں سے اسے تلاش کررہی تھی وہاں جا کر زبیر نے زیان کی حقیقت سب کو بتائی اور زیان سر جھکائے سب سے لعنت ملامت سنتا رہا' لابو کی زبانی پتہ چلا کہ ڈائری لکھتے لکھتے چکرا کر گر پڑی تھی کیونکہ وہ دو دن سے سوئی نہیں تھی۔ زبیدہ آنٹی اپنے کئے پر شرمندہ تھیں اس لئے انہوں نے ہی لوبابہ کو ہاسپٹل پہنچایا تھا سب نے لوبابہ کی جان بخشی پر اپنے رب کا شکر ادا کیا اور دادو نے کان سے پکڑ کر زیان کو اس کے آگے کردیا۔

''اب سزا کے طور پر اسے زندگی بھر اپنے ساتھ باندھ کر رکھو''۔ سب ہنس دیئے اور اسے لوبابہ کے پاس جان بوجھ کر تنہا چھوڑ گئے۔

''لابو! مجھے معاف کردو یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے''۔ وہ لوبابہ کا ہاتھ پکڑ کر شرمندگی سے بولا۔

''نہیں زیان! میں تو خوش نصیب ہوں کوئی تو 40 سال کی ریاضت اور اذیت کے بعد بھی تمام رشتوں کے معاملے میں خالی ہاتھ ہے اور میں جس کو اذیت کی مدت صرف چھ مہینے تھی آج بھی سب کی محبتوں اور چاہتوں کے ساتھ موجود ہوں یہ محبت ہی تھی جس نے مجھے وہاں کبھی تنہا نہیں ہونے دیا اور یہ محبت ہی ہے جس نے زبیدہ آنٹی جیسی عورت کو مسلمان اور انسان بنا دیا' اسی محبت کے طفیل میں سب کے ساتھ موجود ہوں' زیان اب مجھے کبھی نہیں چھوڑنا ورنہ میں جی نہیں پاؤں گی''۔ لابو کی زبان سے الفاظ اور آنسو دیکھ کر زیان تڑپ گیا اور اس نے لابو کے ہاتھوں کو لبوں سے لگا کر چوم لیا لوبابہ کی روح تک اندر سے سرشار ہوگئی۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سعدیہ عابد

قسط نمبر 2۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جاناں

''وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو، آج اُٹھنے میں بہت دیر کردی؟'' اُس کے ذرا سا جھکنے پر اُنہوں نے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

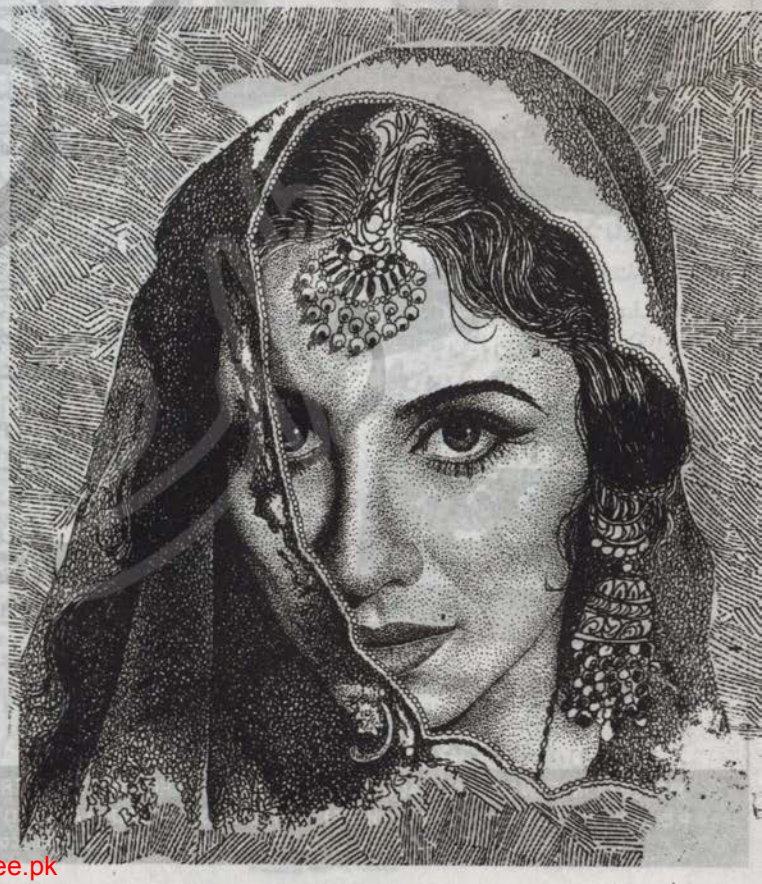

''بس مما! آج مجھے کچھ لیٹ جانا تھا، ناشتے میں کیا ہے؟ سخت بھوک لگ رہی ہے''۔ وہ سیدھا ہوتا ہوا مسکرایا تھا، وہ صبح جلدی اُٹھنے کا عادی تھا، مگر پچھلے 2 ماہ سے اس کی روٹین اتنی اَپ سیٹ ہوگئی تھی کہ حد نہیں، رات دیر تک سونا اور صبح جلدی اُٹھنا، آج موقع ملا تھا تو وہ دن چڑھے تک سوتا رہا تھا، اُسے ایک کیس کے سلسلے میں 2 بجے تک پولیس اسٹیشن پہنچنا تھا، اس لیے اس نے ساڑھے 12 کا الارم لگایا تھا تاکہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوکر آرام سے وہاں پہنچ جائے۔

''مائدہ بیٹا! پہلے بھائی کے لیے ناشتہ بنادو، دوپہر کے کھانے کی تیاری بعد میں کرلینا''۔ انہوں نے مائدہ کو بلا کر کہا تھا اور وہ دونوں ڈائننگ ہال میں ہی بیٹھ گئے تھے، مائدہ نے پہلے اس کے لیے چائے بنائی تھی اور اسے دے کر وہ پراٹھا بنانے لگی تھی، کیونکہ ارحم سلائس اور پاپے وغیرہ نہیں کھاتا تھا۔

''ارحم! تمہیں جیسے فراغت ملے اپنے ماموں کے گھر کا چکر ضرور لگالینا''۔

''آج تو ممکن نہیں ہے، کل کوشش کروں گا، ویسے کیا کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں خاص بات تو ہے، پچھلے کچھ ہفتوں سے تم اتنے مصروف رہے کہ میں تمہیں کچھ بتا ہی نہیں سکی اور جو کچھ بھی ہوا

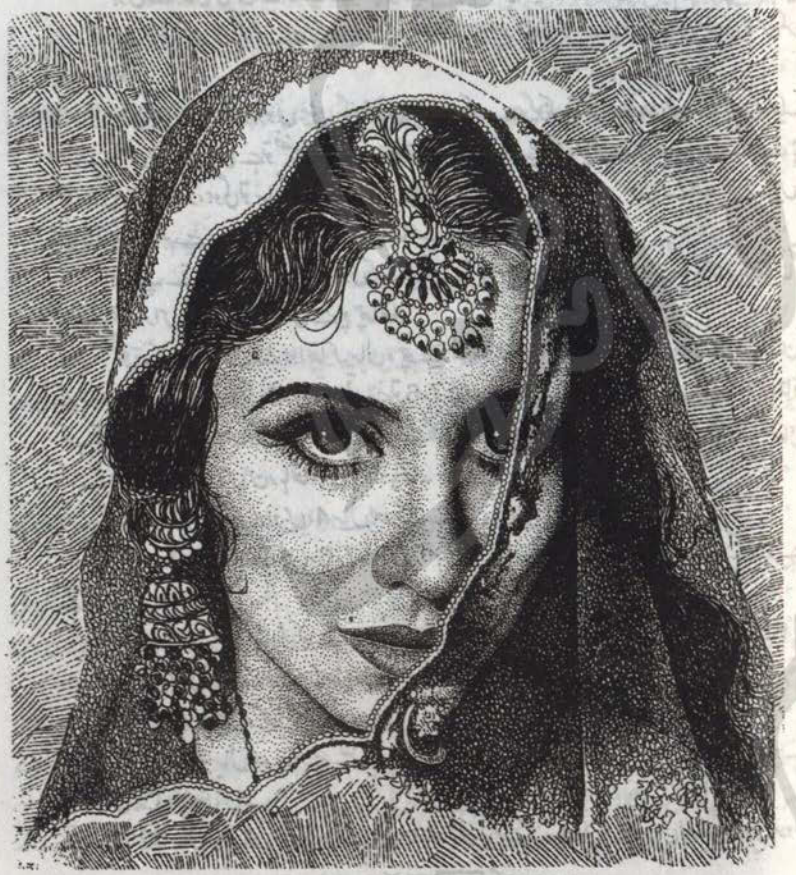

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت جلدی میں ہو گیا"۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ فریدہ اس کو اب کیا بتانے لگی ہیں، مگر اس نے ظاہر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ ماں کو ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔

"فضیل کا زرمین کے لیے مہوش نے رشتہ ڈالا تھا، فضیل گھر کا ہی دیکھا بھالا بچہ ہے، بھائی صاحب نے فضول کے جھنجھٹوں میں پڑنے سے بہتر مثبت جواب دے دیا"۔

"یہ تو اچھی بات ہے مما! اور ویسے بھی فضیل، زرمین کو پسند کرتا ہے، اچھا ہی ہے دونوں کی شادی ہو جائے"۔

"تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں بتایا کہ فضیل، زرمین کو پسند کرتا ہے، تو تم نے اسی لیے زرمین سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا؟"

"مما! مجھے لگتا تو تھا کہ فضیل انٹرسٹڈ ہے زرمین میں اور میں نے کبھی زرمین کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا تھا، اس لیے منع کیا تھا، فضیل کا ذکر میں نے اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ فضیل اپنے دل میں زرمین کے لیے سوفٹ کارنر رکھتا ہے تو خود ظاہر کرے، خیر! ان باتوں کو رہنے ہی دیجئے اور یہ بتایئے کہ شادی کا کب تک ارادہ ہے؟"

"مہوش کے بھائی کی طبیعت خراب ہے، انہیں بلڈ کینسر ہے، اس لیے وہ لوگ اسی ماہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں"۔

"رات کو ہی تو میری فضیل سے بات ہوئی ہے، وہ تو 3 ماہ بعد شادی کا کہہ رہا تھا"۔ اتنی جلدی کا سن کر وہ بے حد حیران ہوا تھا۔

"مہوش چاہ رہی ہے کہ دونوں بیٹوں کی شادی ساتھ ہی کر دے، کیونکہ فیاض بھائی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی اور جب فیصل کی ہو ہی رہی ہے تو فضیل کی بھی ساتھ ہی ہو جائے اور ویسے بھی فیاض بھائی سادگی کو پسند کرتے ہیں، شادی ابھی ہو گی یا سال بعد، ہو گی تو سادگی سے ہی، کیونکہ فیاض بھائی مہندی وغیرہ جیسی رسموں کے سخت خلاف ہیں، اس لیے میں نے بھابی بیگم سے بات تو کی ہے، دیکھو بھائی صاحب کا کیا فیصلہ ہوتا ہے"۔

"اور آپ نے مائدہ کی اور راحم کی شادی کب تک کرنے کا سوچا ہے؟" مائدہ ابھی اس کا ناشتہ رکھنے آئی تھی تو اُسے خیال آیا تھا اور اس کے جاتے ہی اُس نے پوچھا تھا۔

"منگنی کے وقت تو یہی طے ہوا تھا کہ سال، چھ مہینے میں مائدہ اور اسجد کی شادی ہو گی، اور راحم و شاز مین کی زرمین کے ساتھ ہو گی، زرمین کی ابھی شادی ہو جاتی ہے تو 6، 7 ماہ بعد ان بچوں کی بھی شادی کر دیں گے، تم اپنی بتاؤ، تمہارا اپنا کب تک شادی کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ بیٹے کے لیے گلاس میں جوس نکالتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھیں، وہ جو ناشتہ کرتے ہوئے غور سے انہیں سن رہا تھا، محض مسکرا دیا تھا۔

"مما! صرف 4 سال دے دیں، 4 سال بعد جس سے کہیں گی، شادی کر لوں گا"۔

"ارحم 4 سال بہت ہوتے ہیں، 6، 7 ماہ میں راحم کی شادی کر دی تو اس کے بچے جب تک کتنے بڑے ہو جائیں گے"۔

"اچھا ہے نا مما! راحم کی شادی کر کے بہلانے کا خواب پورا کریں اور اُس کے بچوں کو کھلا کر دادی بننے کا"۔

"اور تمہیں یونہی تمہارے حال پر چھوڑ دوں؟" وہ خفا ہوئی تھیں۔

"مما! مجبوری ہے ناں، سمجھا کریں"۔

"کیا سمجھوں؟ 4 سال بعد پتہ ہے کتنے برس کے ہو جاؤ گے؟ پورے 32 کے۔ اور بڈھے کو لڑکی کون دے گا؟" ان کی ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

"مما! 32 سال کی عمر میں کوئی بڈھا نہیں ہو جاتا، اور میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ 4 سال بعد ہی شادی کروں گا، میں تو

بس ٹائم مانگ رہا ہوں، لیٹ ہو جاؤں گا تو شادی کر لوں گا، ابھی آپ خود بتائیں، کتنے کتنے دن میں آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھ نہیں پاتا، میرے کھانے کی، آنے جانے کی بھی کوئی ٹائمنگ نہیں ہے، میری بیوی لے آئیں گی تو میری اس لف لائف سے وہ بے چاری کیسے کمپرومائز کرے گی؟ مجھے ابھی سیٹ ہو جانے دیجئے، پھر کر لوں گا شادی"۔ اُس نے نرمی سے کہتے ہوئے آہستگی سے ماں کے کاندھے پر دباؤ ڈالا تھا۔

"یہی بات ہے یا کسی لڑکی کا چکر ہے؟"

"خدا کو مانیں مما! ایسی کوئی بات نہیں ہے، باخدا کوئی لڑکی دل و نگاہ کو اچھی لگی تو ضرور بتاؤں گا، ورنہ آپ کی پسند کی لڑکی سے شادی کر لوں گا، ابھی آپ مائدہ اور راحم کی شادی کی تیاریاں کریں اور مجھے اجازت دیں، مجھے 2 بجے لازمی پہنچنا ہے اور ابھی مجھے تیار بھی ہونا ہے، ویسے یہ پاپا کہاں ہیں؟ دکھائی نہیں دیئے"۔ نکلتے ہوئے خیال آیا تو پوچھا تھا۔

"اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہوئے ہیں، تم جانے کی تیاری کرو جا کر، اور پلیز یاد سے ماموں کے ہاں چکر لگا لینا، بھائی صاحب تمہیں یاد کر رہے ہیں"۔ بیٹے کو ہدایت کی تھی۔

"او کے مما! ٹائم نہیں نکال سکا تو فون پر ان سے بات کر لوں گا"۔ وہ کہتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

"مائدہ بیٹا! یہ برتن اُٹھا لو، میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں، نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام کروں گی"۔

"مما! کھانا نہیں کھائیں گی؟"

"ڈھائی بجے تک راحم نے آنے کا کہا تھا، ساتھ ہی کھا لوں گی، تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لینا، صحت کا خیال رکھا کرو بیٹا!"۔ وہ اس کا گال تھپتھپا کر بہت پیار سے کہتی اپنے روم میں آ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

"آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟" وہ عموماً ایک ہی ریسٹورنٹ میں جاتے تھے، اس لیے وہ راستہ دیکھ کر بولی۔

"اغواء کر کے لے جا رہا ہوں"۔ وہ بڑے اطمینان سے بولا تھا اور اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

"آپ.... آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟"

"ہوں.... تم میری محبت میں جان دے سکتی ہو، تو کیا تمہاری محبت میں، میں اتنا سا بھی نہیں کر سکتا؟" مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے حواس باختہ آنسوؤں سے تر چہرے پر نظر ڈالی تھی، مستقل رونے سے آنکھیں سوجی ہوئی اور ناک سرخ ہو گئی تھی جبکہ آنکھوں کا کاجل بھی پھیل گیا تھا۔

"آپ مجھ سے محبت ہی کب کرتے ہیں؟"

"محبت نہیں کرتا، اسی لیے تو اغواء کر کے لے جا رہا ہوں"۔ اس کے ہوائیاں اُڑاتے چہرے کو دیکھ کر اسے مذاق سوجھا تھا جبکہ وہ اس کے مذاق کو سچ سمجھ بیٹھی تھی۔

"میں محبت میں جان تو قربان کر سکتی ہوں اسجد! مگر عزت نہیں"۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک اُٹھی تھی اور وہ تو پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے فرسٹریشن میں ایسی بات کر دی تھی کہ وہ اسے اغواء کر کے لے جا رہا ہے مگر وہ تو سیریس ہو گئی تھی۔

"یسریٰ! پلیز چپ کر جاؤ، تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں، میں تمہارے بارے میں ایسا ویسا سوچ بھی نہیں سکتا، اگر تمہیں لگتا ہے کہ میری نیت میں فتور ہے، تو میں تمہیں ایک لمحہ ضائع کیے بنا تمہارے گھر چھوڑ دوں گا"۔ اُسے چپ ہوتے نہ دیکھ کر اس نے گاڑی بیک کرنا چاہی تھی کہ وہ اسٹیئرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔

"میں نے کبھی آپ کو یا آپ کی محبت کو شک کی نظر سے نہیں دیکھا، پہلے آپ نے کہا کہ مجھ سے محبت نہیں فلرٹ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے تھے، بعد میں کہا کہ اغواء کر کے لے جا رہے ہیں، میں آپ کو کیا سمجھوں؟ آپ کا کون سا روپ سچا سمجھوں اسجد! وہ روپ جب آپ نے محبت کا اقرار کر کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں، مجھے اپنا بنا لینے کے وعدے کیے تھے، یا اس روپ کو حقیقت سمجھوں جو مجھ سے میری محبت چھین لینا چاہتا ہے"۔ وہ ہچکیوں کے درمیان لرزتے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تم پلیز! چپ کر جاؤ، میں تمہیں سب بتا دیتا ہوں، تم رونا تو بند کرو"۔ اس کا رونا اسجد کو ایری ٹیٹ کر رہا تھا۔

"آپ مجھ سے محبت تو کرتے ہیں نا اسجد!" وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے بڑی آس سے پوچھ رہی تھی، اس کے اس طرح پوچھنے میں کتنی بے چینی اور کرب چھپا تھا، اس نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

"فون پر آپ نے جو کچھ کہا...."

"وہ سب جھوٹ، بکواس تھی یسریٰ! میں تم سے فلرٹ نہیں کر رہا، ڈیم اِٹ! تم سے پیار کرتا ہوں، خود سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں"۔

"پھر ان سب باتوں کا کیا مطلب تھا، آپ نے مجھ سے وہ سب کیوں کہا؟ اب یہ مت کہیئے گا کہ میں مذاق کر رہا تھا، تمہیں آزما رہا تھا"۔ یسریٰ نے ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑتے ہوئے اُسے جھوٹ نہ بولنے کی تنبیہہ کی تھی۔

"میں نے وہ سب مذاق میں نہیں حقیقت میں کہا تھا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس شخص سے شادی کر لو جس سے تمہارے گھر والے کرنا چاہتے ہیں"۔ اسجد نے اس کے متورم چہرے سے نگاہ ہٹالی تھی، اس لڑکی کو وہ بہت چاہتا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا نہیں چاہتا تھا، مگر آج خود ہی اُسے رلا رہا تھا۔

"آپ اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں، میں ایسا کبھی نہیں کروں گی، محبت کسی سے اور شادی کسی اور سے.... جس سے محبت کی ہے اُسی سے شادی کروں گی"۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھی کہ اُس نے ٹوک دیا تھا۔

"مگر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا"۔

"3 سال بعد آپ کو خیال آ رہا ہے کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟"

"میں بہت مجبور ہوں یسریٰ! تم سے محبت کرتا ہوں"۔

"مگر اپنانے کا حوصلہ نہیں ہے، بزدلوں کے منہ سے محبت کے قصے اچھے نہیں لگتے اسجد! اور ایسی کیا مجبوری ہے آپ کی کہ آپ محبت کا دعویٰ تو کر رہے ہیں مگر اُسی محبت کو اپنا نہیں سکتے؟"

"میں تم سے محبت کا محض دعویٰ نہیں کرتا، محبت کرتا ہوں تم سے، مگر کیا کروں یسریٰ! میری منگنی ہو گئی ہے اور میں کچھ نہیں کر سکا کیونکہ...." وہ شکستگی سے اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا تھا کہ وہ جو اس کے انکشاف پر لمحہ بھر کو ساکت ہوئی تھی، چیخ اُٹھی تھی۔

"یہ ہے آپ کی محبت اسجد! کہ آپ نے کسی اور سے منگنی کر لی؟" وہ شکستہ نگاہوں سے بے بسی کی تصویر بنے اسجد کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کہتے ہیں آپ کچھ نہیں کر سکے، منگنی کر لی، شادی کر لیتے تب کہتے کہ آپ نے کچھ کیا ہے"۔ وہ تو اس کے انکشاف پر دہل کر رہ گئی تھی۔

"مجھے منگنی سے محض 3 دن پہلے ہی پتہ چلا تھا یسریٰ! کہ میری منگنی ہو رہی ہے"۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اُسے کیسے سمجھائے۔

"منگنی ہو رہی نہیں تھی ہو گئی، مجھے 3 سال تک لٹکا کر رکھا، میں نے اپنے لیے آنے والے ہر رشتے کو ٹھکرایا صرف آپ کی خاطر، خالہ جان کے طعنے سُنے کہ مجھے ان کے ٹکڑوں پر پلنے کی عادت ہو گئی ہے، خالہ کے بیٹے کو مایوس کیا آپ کی خاطر،

اور آپ نے منگنی کر لی.... جب میں اتنی کٹھنائیاں آپ کی محبت میں برداشت کر سکتی ہوں تو آپ اپنی منگنی ہونے سے نہیں روک سکتے تھے؟ روکنا چاہتے تو روک سکتے، مجھے اور میری محبت کو وقت گزاری ہی تو سمجھا تھا آپ نے، تو پھر کیا ضرورت پڑی تھی جو آپ میری خاطر اسٹینڈ لیتے"۔

"یسریٰ! میری منگنی پھپھو کی بیٹی سے ہوئی ہے، میں نے ابو سے بات کرنا چاہی تھی، مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، وہ بہن کو زبان دے چکے ہیں اور میں نے یہ منگنی نہیں کی تو وہ مجھ سے ہر تعلق ختم کر لیں گے، بات اتنی سی بھی ہوتی تو میں منگنی نہیں کرتا، مگر ابو نے اپنی جان لے لینے کی دھمکی دی تو میں مجبور ہو گیا، یقین کرو میرا یسریٰ! میں تمہیں بہت چاہتا ہوں، میں نے جو کچھ کیا مجبوری میں کیا"۔

"اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں تمہارا مجرم ہوں یسریٰ! جو چاہے سزا دے دو، مگر اتنا یاد رکھنا کہ میں نے تم سے محبت کی ہے، مگر شاید ہماری محبت کے نصیب میں وصل نہیں، ہجر لکھا گیا ہے، میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم جہاں رہو خوش رہو، میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی، مجھے معاف بھلے مت کرنا، مگر زندگی کے سفر میں کسی کی ہمرائی میں آگے بڑھ جانا، خواہش تو بہت تھی کہ تمہارا ہمسفر بنوں، مگر یہ خواہش.... خواہش ہی رہ گئی"۔

"آپ کسی کا بھی ہاتھ تھام کر زندگی گزار سکتے ہیں، مگر میں اتنی باہمت نہیں ہوں، مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا، میری جان مانگیں گے تو ہنستے ہنستے آپ کے قدموں میں جان دے دوں گی، مگر جو آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں، وہ میری زندگی سے بڑھ کر ہے، ہجر زدہ زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے میں اپنی جان دے دوں"۔ وہ ایک دم ہی بکھر گئی تھی، اُس کی شرٹ کا کالر سختی سے مٹھی میں دبوچے آنسو بھری آنکھوں سے اس کا مضمحل چہرہ تک رہی تھی۔

"یسریٰ! ایسی باتیں مت کرو"۔

"مجھے موت کا سندیسہ دے کر آپ کہتے ہیں میں زندگی کے گیت گاؤں، تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا"۔ وہ تڑپ رہی تھی اور تڑپ تو وہ بھی رہا تھا، مگر حوصلہ کیے بیٹھا تھا کہ اگر اُس نے بھی ہمت ہار دی تو وہ مزید بکھر جائے گی اور وہ اُسے بکھرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"زندگی میں انسان کو سب ہی کچھ نہیں مل جاتا اور تمہارے جینے کے لیے یہ احساس کافی نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟" اُس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اونچا کیا تھا۔

"نہیں، اسجد! میں کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتی، محبت آپ سے اور شادی کسی اور سے.... مجھے کیوں اذیت دے رہے ہیں؟ ایک دفعہ اپنے گھر والوں سے بات تو کر کے دیکھیں، بابا نہیں مان رہے تو مما سے بات کریں، میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتی"۔ وہ اُس کے کاندھے پر سر رکھ گئی تھی اور اُس کا شانہ اُس کے آنسوؤں سے بھیگنے لگا تھا۔

"تم سمجھ نہیں رہیں یسریٰ! میری کوئی بھی کوشش محبت سے بندھے رشتوں میں بے رُخی کی گانٹھ باندھ دے گی، مائدہ میری پھپھو کی بیٹی ہے اور مائدہ سے جڑا رشتہ توڑا تو کتنے ہی رشتے بکھر جائیں گے، بہن بھائی جدا ہو جائیں گے اور میری بہن.... اُس کا رشتہ ٹوٹ جائے گا وہ راحم سے بہت محبت کرتی ہے اور میری وجہ سے وہ کیوں جدائی کا درد سہے؟ میں اپنوں کو دکھ نہیں دے سکتا"۔ اُس نے بے بسی سے اُسے خود سے دور کیا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

"آپ کو سب کی پرواہ ہے، پرواہ نہیں ہے تو صرف میری، کسی کو دکھ نہیں دینا چاہتے اور میری پوری حیات دکھوں کے حوالے کر رہے ہیں، سب کو جدا ہونے سے بچا رہے ہیں اور مجھے جدائی کا پروانہ دے رہے ہیں، یہی ہے آپ کی محبت"۔ وہ اُس سے برگشتہ ہو رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اتنے لوگوں کی زندگی برباد ہونے سے بہتر ہے کہ ہم دونوں کے دل اُجڑ جائیں، زندہ رہنے کے لیے سانسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم بھی جی لیں گے، ابھی تم جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو میرا فیصلہ اتنا بُرا نہیں لگے گا"۔ اسے دیکھے بغیر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی اور ہلکی رفتار سے اُس نے گاڑی بیک کی تھی اور نارمل رفتار سے گاڑی یسریٰ کے گھر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

"میں جذباتی ہو کر سوچ رہی ہوں، تو ایسا ہی ہے اور میری جذباتیت ابھی آپ نے دیکھی نہیں ہے اسجد! اب بتاؤں گی کہ میری جذباتیت اور شدت پسندی کی حد کیا ہے، آپ کسی سے بھی شادی کریں، مگر میں ایسا نہیں کروں گی"۔

"پاگل مت بنو یسریٰ! تمہیں میری قسم ہے، خدارا! خود کو نقصان مت پہنچانا"۔

"آپ اپنی راہیں الگ کر چکے ہیں، اپنے لیے جیون ساتھی بھی منتخب کر چکے ہیں تو میری فکر اب کم از کم آپ کو نہیں کرنی چاہیئے، میں جیوں یا مروں آپ کی بلا سے"۔ وہ روتے ہوئے اُس کی گاڑی سے اُتر گئی تھی اور وہ اُسے روک بھی نہیں سکا تھا، یسریٰ نے بہت تیز آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا، وہ اُس کے گلی میں جانے کا منتظر تھا، مگر وہ کچھ دور جا کر اسٹاپ پر کھڑی ہو گئی تھی اور وہ پریشانی سے اُس تک آیا تھا۔

"یسریٰ! گھر جاؤ، یہ جگہ کافی سنسان ہے"۔ دوپہر کا وقت تھا، اسٹاپ پر کوئی نہیں تھا، گاڑیاں بھی بڑی تیزی سے اِکا دُکا ہی گزر رہی تھیں۔

"آپ جایئے"۔ اُس کی آواز مستقل رونے سے کافی بھاری ہو گئی تھی۔

"میں چلا جاؤں گا، لیکن پہلے تم جاؤ، میں یہ اطمینان کیے بغیر نہیں جاؤں گا کہ تم خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئی ہو"۔ وہ قطعیت سے بولا تھا۔

"میں پہلے کیوں جاؤں؟ آپ جاؤ، میں آپ کو نہیں چھوڑ رہی، چھوڑ آپ رہے ہیں، اس لیے میں آپ کو جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں"۔ وہ جذباتی لہجے میں بولی تھی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو"۔ وہ قدرے چوسا گیا تھا۔

"پلیز اسجد! مجھے جانے کو مت کہیں، پرامس.... آپ کی گاڑی نگاہوں سے جیسے ہی اوجھل ہو گی میں یہاں سے چلی جاؤں گی"۔ وہ لجاجت سے بولی تھی۔

"لیکن...."

"لیکن، ویکن کچھ نہیں، آپ چلے جائیں، میں یہ اطمینان کر لینا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، آپ سے پہلے میں گئی تو میری آنکھوں میں انتظار بس جائے گا، دل خوش فہمی پال لے گا کہ شاید آپ لوٹ کر آ جاؤ اور آپ نے تو کہا ہے ہم زندگی میں آگے بڑھ جائیں اور اب خود ہی مجھے انتظار سونپنا چاہتے ہیں، کیوں آپ میری زندگی کو مذاق بنا دینا چاہتے ہیں؟ ایک طرف تو کہتے ہیں میں آپ کو بھلا دوں اور دوسری طرف مجھے الوداع کہنے نہیں دیتے، جایئے اسجد! چلے جایئے، ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ کر بہت دور چلے جائیں"۔ اس نے اس کے بازو پر دائیں ہتھیلی رکھ کر دھکا سا دیا تھا اور وہ اُسے دیکھتا گاڑی میں آ بیٹھا تھا، اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر اُس نے اب تک روکے ہوئے آنسو بہائے تھے اور جیسے ہی یہ خیال آیا تھا کہ وہ اس کے جانے کی منتظر ہے اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور آنکھوں پر آنسوؤں کی دھندلی تھی اور اُس نے آگے پیچھے بھی نہیں دیکھا تھا، اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یسریٰ سائیڈ سے نکل کر سڑک کے بیچ آ کھڑی ہوئی ہے اور جیسے ہی اُس نے اندھا دھند گاڑی آگے بڑھائی تھی وہ یسریٰ کو دور اُچھالتی کافی آگے بڑھ گئی تھی، اُس کے حواس بیدار ہوئے تھے، اُس نے گاڑی کو بریک لگائے تھے، تیزی سے ڈرائیونگ ڈور کھولتا ہوا وہ باہر نکلا تھا اور بھاگتا ہوا اُس تک پہنچا

تھا۔

"یسریٰ! یہ کیا کیا تم نے، پاگل لڑکی!" اس کے سر سے خون نکل رہا تھا اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتے ہوئے اُس کا سر اپنے زانوں پر رکھے بے تابی سے بولا تھا۔

"آئی لو یُو اسجد!" آنکھیں بند ہونے سے پہلے وہ اتنا ہی بولی تھی اور وہ اُسے اُٹھائے تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی تک پہنچا تھا۔ اُسے بیک سیٹ پر احتیاط سے لٹایا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور وہ بڑی ریش ڈرائیونگ کرتا اُسے ہاسپٹل لے کر آیا تھا، مگر ڈاکٹرز نے پولیس کیس کہہ کر علاج کرنے سے انکار کر دیا تھا، اُسے فوراً ہی ارحم کا خیال آیا تھا تو وہ ارحم کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ارحم! میں اسجد بات کر رہا ہوں"۔

"اسجد! سب خیریت تو ہے، تم بہت پریشان لگ رہے ہو؟"

"ارحم! مجھے تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے"۔

"بات کیا ہے؟"

"ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے"۔

"تم پریشان نہ ہو، میں آ رہا ہوں"۔

"اوکے، ارحم! بٹ تم ڈاکٹر سے بات کر لو، تاکہ وہ کم از کم لڑکی کا علاج تو شروع کریں، اگر اُس کی جان چلی گئی تو...." یہ تصور ہی اُسے ہولا گیا تھا۔

"یُو ڈونٹ وری اسجد! کچھ نہیں ہو گا"۔ ارحم نے ڈاکٹر سے بات کر کے لائن کٹ کر دی تھی اور اسجد i.c.u کے باہر کھڑا اُس کی زندگی کی دعا کر رہا تھا جو اُس کی محبت میں جان قربان کرنے چلی تھی۔

"صرف ایک دفعہ ہوش میں آ جاؤ یسریٰ! تمہاری خاطر میں ساری دنیا سے لڑ جاؤں گا، تمہیں کچھ ہو گیا تو شاید میں بھی مر جاؤں"۔ وہ i.c.u کے باہر کھڑا اندر مشینوں میں جکڑے وجود پر نگاہ جمائے خود سے بولا تھا اور جبھی کسی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ارحم تھا۔

"ارحم پلیز! اس وقت کوئی سوال مت کرو، میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

"ریلیکس اسجد! پریشان نہ ہو، اُس لڑکی کی حالت کیسی ہے؟ کیا وہ بہت زیادہ انجرڈ ہے؟" اس کی پریشان صورت دیکھ کر پوچھا تھا۔

"اُس کا سر اور بیک بہت بُری طرح متاثر ہوئے ہیں، اُس کی ریڑھ کی ہڈی ڈیمج ہو گئی ہے، شاید ہو سکتا ہے..... اللہ نہ کرے"۔ وہ اُسے کچھ بتا نہیں سکا تھا جبکہ وہ از حد متحیر ہو گیا تھا، اسجد کا بُری طرح کانپتا ہوا لہجہ، آنکھوں میں مچلتے آنسو، چہرے پر لکھے دکھ سے۔

"کیا اسجد! اُس لڑکی کو جانتا ہے؟ اور اسی لیے وہ اُس کے لیے اتنا متفکر ہے"۔ اُسے خیال آیا تھا جسے وہ زبان پر بھی لے آیا تھا۔

"اسجد! کیا تم اُس لڑکی کو جانتے ہو؟"

"ارحم! اُس کی حالت کا ذمہ دار صرف میں ہوں، میری وجہ سے وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اب شاید کبھی چل نہ سکے، اور تم...." وہ خود چاہ کر بھی سنبھال نہیں پا رہا تھا۔

"حوصلہ رکھو اسجد! اُس لڑکی کو انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا، اور یہ بتاؤ تم نے اُس لڑکی کے گھر والوں سے رابطہ کیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں، کیونکہ ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے اس کے گھر والوں کا پتہ چلتا"۔ اُسی وقت i.c.u کا دروازہ کھلا تھا اور وہ دونوں ڈاکٹر تک چلے آئے تھے۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے، مریض کو انڈر آبزرویشن رکھا گیا ہے، 24 گھنٹوں میں ہوش آ گیا تو ٹھیک ورنہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، بس آپ دعا کریں"۔

"اسجد! تم گھر چلے جاؤ، مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک....."

"میں ٹھیک ہوں"۔

"یہ حادثہ ہوا اس جگہ پر تھا، تاکہ لڑکی کے گھر والوں کو تو کم از کم انفارم کر دیں، وہ ضرور پریشان ہو رہے ہوں گے"۔ اُس نے جگہ بتا دی تھی کیونکہ گھر کا ایڈریس تو خود اُسے بھی معلوم نہیں تھا، ارحم نے کچھ سوچتے ہوئے کسی کو فون ملایا تھا اور اُس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

"نوید! میرا خیال ہے ہمیں مہوش کو ہاں کہہ دینی چاہیئے"۔

"لیکن راشدہ! اتنے کم وقت میں ساری تیاریاں کیسے ہوں گی؟"

"آپا بیگم! مجھے لگتا ہے زرمین بیٹی کی بھی رائے پوچھ لینی چاہیئے، آنا فانا رشتہ طے ہو گیا اور اب شادی"۔

"ہمیں زرمین پر پورا اعتماد ہے، ہماری بیٹی کبھی ہماری بات نہیں ٹالے گی اور ہم اُس کے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے"۔ کسی کام سے وہاں آتی زرمین آواز پر ٹھٹھک کر وہیں رُک گئی تھی۔

"اور ہم نے فضیل کا رشتہ بہت سوچ سمجھ کر منظور کیا ہے، ہماری بیٹی کے لیے وہ ایک آئیڈیل شخص ہے اور زرمین اُس کے ساتھ بہت خوش رہیں گی"۔ زرمین جو اس سب قصے کو لے کر پریشان تھی، جس وقت اُسے راشدہ نے بتایا تھا کہ مہوش اُس کا ہاتھ فضیل کے لیے مانگنے آ رہی ہیں اور اُن کو مثبت جواب ہی دیا جائے گا تو اُس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے، وہ ماں سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکی اور اُس کی سونی کلائیاں بھاری کنگنوں سے سج گئیں اور آج باپ کا مان بھرا لہجہ، وہ اپنے آنسو صاف کرتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

"آپ دیکھ لیں راشدہ! اگر آپ اتنی جلدی سب کچھ مینیج کر سکتی ہیں تو مہوش کو جو وہ کہیں تاریخ دے دیں، لیکن کسی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہیئے، ہم اپنی بیٹی کو وہ سب دیں گے جو اُس کا حق ہے"۔

"لیکن اُن لوگوں نے جہیز لینے سے سختی سے انکار کر دیا ہے"۔

"ٹھیک ہے، سوچ کر آپ مجھے بتا دیجئے گا، فریدہ کو بھی بلا لیں اور آپ خواتین مل کر فیصلہ کر لیں، پھر اُسی کے تحت مجھے جو کرنا ہو گا وہ کر لوں گا اور آپ پہلے زرمین سے ضرور پوچھ لیں، اگر وہ وقت چاہیں تو اُن کی خواہش کا احترام کیا جائے گا"۔ انہوں نے فیصلے کی ڈور اُن خواتین کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

"حسین کہاں ہیں، انہوں نے کھانا کھایا کہ نہیں؟"

"نہیں، کمرہ بند کیے پڑی ہے اور اُسی وقت باہر نکلے گی جب اُسے آفس جانے کی اجازت ملے گی، نہ جانے کہاں سے خناس سما گیا ہے اُس کے دماغ میں"۔ ساجدہ تو اُسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں، مگر وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہ تھی اور وہ اُسے سخت سست سناتیں اُس کے کمرے سے نکل آئی تھیں، اور وہ جب سے ہی لاک لگائے بیٹھی تھی۔

"اسجد کہاں ہے، دوپہر میں گھر آیا تھا؟"

"نہیں، وہ جو صبح سے نکلا تو ابھی تک نہیں آیا، کیا آفس نہیں گیا؟"

"آفس آیا تو تھا مگر 12، 1 بجے کے قریب وہاں سے نکل گیا تھا، جبکہ 2 بجے اس کی ایک اہم میٹنگ بھی تھی، میں نے اُس سے رابطہ یہ سوچ کر نہیں کیا کہ وہ اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہے کچھ سوچ کر ہی میٹنگ کینسل کی ہو گی، اور اب تو 8 بجنے والے ہیں، اب تک تو اُسے آ جانا چاہیے تھا"۔ وہ اسجد کا نمبر ملانے لگے تھے، لائن کاٹ دی گئی تھی اور تقریباً 10 منٹ بعد وہ گھر میں داخل ہوا تھا اور سلامتی بھیجتا تھکے تھکے انداز میں وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"اسجد! سب خیریت تو ہے بیٹا؟"

"جی امی! بس کچھ تھک گیا ہوں، یہ زرمین کہاں ہے؟ اُس سے کہہ کر ایک کپ چائے بنوا دیں، سر میں بہت درد ہو رہا ہے"۔ ارحم نے اُس سے کہا تھا کہ وہ خود سب کچھ ہینڈل کر لے گا، اس لیے وہ گھر میں کچھ نہ بتائے، ایک گھنٹہ قبل ہی اُسے ہوش آ گیا تھا، مگر ڈاکٹرز ابھی بھی پُر امید نہیں تھے، ارحم نے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے یسریٰ کے گھر والوں کا پتہ چلا لیا تھا، کیونکہ ایکچوئیل جگہ تو اسجد اُسے بتا ہی چکا تھا اس لیے زیادہ پریشانی نہیں ہوئی تھی، یسریٰ کی خالہ اور ان کا بیٹا ہاں آ تو گئے تھے مگر ان کے چہروں سے پریشانی نہیں ٹپک رہی تھی، اُن کے چہروں سے بلا ٹلنے کی اُمید ٹپک رہی تھی، اور خالہ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ بہت غریب ہیں، کسی سرکاری اسپتال میں علاج نہیں کروا سکتیں کجا شہر کے مہنگے ترین پرائیویٹ ہاسپٹل میں، اسجد نے علاج کروانے کی ذمہ داری اُٹھالی تھی اور اُن کے ہاتھ پر 10 ہزار رکھ کر وہ ارحم کے کہنے پر ہاسپٹل سے نکل آیا تھا۔ اسجد کی اتنی مہربانیوں کو ارحم سمجھ نہیں پا رہا تھا، ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ یہ سب خوف کے پیشِ نظر کر رہا ہے، اُس کا پژمردہ چہرہ ارحم کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا، مگر اس وقت اُس نے اسجد سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟"

"چچی! ٹھیک ہوں میں، بس کچھ تھکن....."

"بات کیا ہے اسجد! تم نے میٹنگ بھی کینسل کر دی، اور اس وقت آ کہاں سے رہے ہو؟"

"ابو! ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا، اُس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور صبح جو کچھ ہوا گھر میں اس کے بعد میٹنگ اٹینڈ کرنا نہیں چاہ رہا تھا، کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا اتنے ماہ کی محنت پل بھر میں ضائع ہو جائے"۔ وہ کچھ تلخ ہوا تھا۔

"تم صبح ناشتہ کیے بغیر ہی چلے گئے، اس کا مجھے بہت افسوس ہے بیٹا!" ساجدہ ایک بار پھر شرمندگی کے حصار میں لپٹ سی گئی تھی۔

"پلیز چچی! میں نے آفس میں کھا لیا تھا"۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہتے کہتے رُک کر اُس نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا، وگرنہ اُس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔

"اسجد! صبح جو کچھ ہوا میں نہیں چاہتا کہ وہ پھر دوبارہ دہرایا جائے، حنین کو میں نے اجازت دی ہے اور اس معاملے میں تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"وہی تو میں حیران ہوں کہ آپ نے اُسے اجازت دے کیسے دی؟"

"اب تم مجھے بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں؟" اس کا تلخ لہجہ انہیں کچھ غصہ دلا گیا تھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا ابو! لیکن یہ بات مجھے پسند نہیں ہے، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ حنین آفس جوائن کرے، اگر وہ ایسا کرے گی تو میں آفس نہیں آؤں گا، اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے"۔ وہ کہہ کر رُکا نہیں تھا اور حنین جو باہر کھڑی اندر ہونے والی تکرار سُن رہی تھی اُسے بے تحاشہ غصہ آ گیا تھا اور وہ اندر جانے کی بجائے اُس کے روم میں چلی آئی تھی، اسجد اپنے سیل فون سے ارحم کا نمبر ڈائل کر رہا تھا مگر اُسے دیکھ کر رُک گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟"

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، میرے کمرے سے اسی وقت چلی جاؤ"۔

"لیکن میں آپ کے روم سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی"۔ اس کے غصے کو وہ کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھ آئی تھی۔

"میں کم از کم اس وقت تم سے کوئی بھی بات کرنا نہیں چاہتا حنین! میں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں، تم مجھے مزید پریشان نہ کرو، جو بات کرنی ہو صبح کر لینا"۔

"مجھے بات ابھی اس لیے کرنی ہے تاکہ آپ کو بتا دوں کہ صبح میں آفس جوائن کر رہی ہوں، صبح کوئی بدمزگی نہ ہو اس لیے ابھی سے بتا دیا ہے"۔

"تمہاری سمجھ میں ایک دفعہ کی بات نہیں آتی، کہہ چکا ہوں کہ تم آفس نہیں آؤ گی تو بار بار اس ذکر کو نکالنے کا مقصد؟" اُس نے اشتعال میں آتے ہوئے اس کا بازو سختی سے پکڑتے ہوئے نہایت غصے میں کہتے ہوئے ایک جھٹکا دیتے ہوئے بازو چھوڑ دیا تھا۔

"جب مجھے بڑے ابو اجازت دے چکے ہیں تو آپ کیوں اس معاملے میں فضول میں بولے جا رہے ہیں؟" وہ اس کے غصے سے خائف تو ہوئی تھی مگر بولے بنا بھی نہیں رہی تھی۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم آفس آؤ"۔ وہ دھاڑا تھا۔

"آپ مجھے روک نہیں سکتے، میں اپنی مرضی کی آپ مختار ہوں، آپ مجھ پر اپنے فیصلے زبردستی ٹھونس نہیں سکتے"۔ وہ دوبدو بول رہی تھی، یسریٰ کو لے کر اس کا ذہن پہلے ہی منتشر تھا، حنین کا نڈر انداز اُس کے ذہن پر ہتھوڑے سے برسا رہا تھا۔

"اور تم میرے فیصلے کو بدل نہیں سکتیں، اب میرے کمرے سے دفع ہو جاؤ، مجھے تم سے کوئی بحث نہیں کرنی"۔

"آپ منع کرتے رہیں، میں کل آپ کو آفس آ کر دکھاؤں گی"۔ اتنی بے عزتی پر تو وہ چراغ پا ہو گئی تھی، اس لیے بہت تیز لہجے میں بولی تھی۔

"تم آ کر تو دکھاؤ، ٹانگیں توڑ دوں گا میں تمہاری"۔

"آپ.... آپ ہوتے کون ہیں میری ٹانگیں توڑنے والے؟ باپ مر گیا ہے لیکن میری ماں ابھی زندہ ہے، لاوارث نہیں ہوں میں"۔ وہ اب رو رہی تھی۔

"تم پلیز! اس وقت یہاں سے چلی جاؤ، میں ابو اور چچی سے بات کر لوں گا"۔

"جو بات کرنی ہے مجھ سے کریں، زندگی میری ہے فیصلہ بھی میرا ہی ہوگا۔ اور آپ مجھے کچھ بھی کرنے سے روک نہیں سکتے اور آپ آفس جانے سے مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ جتنا حق آپ کا ہے اس گھر اور بزنس پر اُتنا ہی میرا بھی ہے، اس لیے آپ...."

"چٹاخ.... بہت بڑی ہو گئی ہو ناں جو حق کی بات کرو گی، جائیداد میں حصہ مانگو گی"۔ وہ اس کی اس بات پر اشتعال پر قابو نہیں رکھ پایا تھا اور اُس پر ہاتھ اُٹھا لیا تھا، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے گال پر ہاتھ رکھے اُسے دیکھ رہی تھی۔ یک دم بہت روتے ہوئے وہاں سے نکلنے لگی تھی مگر اس نے بازو پکڑ لیا تھا۔

"حنین! آئی ایم سوری، میں تم پر ہاتھ نہیں اُٹھانا...." وہ جھٹکے سے بازو چھڑاتی وہاں سے بھاگی تھی۔

"اوہ شٹ....!" اسے افسوس ہو رہا تھا، مگر بجتے ہوئے موبائل نے بہت جلد اُسے اس کیفیت سے نکال لیا تھا۔

"ہاں بولو ارحم! سب ٹھیک تو ہے؟"

"یو ڈونٹ وری اسجد! سب ٹھیک ہے، وہ لڑکی اب خطرے سے باہر ہے"۔

"اوہ تھینک گاڈ!" اس نے ایک اطمینان سا محسوس کیا تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں، کب تک اُسے ڈسچارج کر دیں گے؟"

"کچھ ہفتے یا ماہ بھی لگ سکتے ہیں، اس کی ریڑھ کی ہڈی بہت بُری طرح متاثر ہوئی ہے، اسے مکمل بیڈ ریسٹ کرنا ہوگا، اور تقریباً ہفتہ تو لگے گا پھر ہی ڈاکٹرز کچھ بتا سکیں گے کہ وہ چل سکے گی یا نہیں؟"

"لڑکی کے گھر والے.... وہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"اُن کی بے حسی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکے ہو، لڑکی کے پیرنٹس تو ہیں نہیں اور وہ جو اس کی خالہ ہیں، ان کو اس کے جینے اور مرنے سے فرق نہیں پڑتا، وہ کہہ رہی تھیں کہ ہم لوگ علاج کا خرچہ اُٹھا سکتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ وہ اُسے کسی سرکاری اسپتال...."

"ہرگز نہیں ارحم! سارا خرچہ میں اُٹھاؤں گا، اس کی حالت کا میں ذمہ دار ہوں، میری وجہ سے وہ موت کے منہ سے نکلی ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ وہ میری وجہ سے اپاہج ہو جائے"۔

"اسجد! وہ سب ٹھیک ہے، ہمارا انسانی فرض بھی ہے کہ ہم اُس لڑکی کی مدد کریں، مگر ڈاکٹرز کے مطابق وہ اُن کے ساتھ کوآپریٹ نہیں کر رہی، جب سے ہوش میں آئی ہے یہی کہے جا رہی ہے کہ اُسے زندہ نہیں رہنا، وہ مرجانا چاہتی ہے، ان باتوں کا کیا مطلب نکلتا ہے، ایکسیڈنٹ میں تمہاری غلطی نہیں تھی بلکہ وہ جان کر تمہاری گاڑی کے سامنے آئی، آئی ایم رائٹ؟" اُس کا انداز خاص تفتیشی تھا۔

"بات کچھ اسی طرح کی ہے ارحم! وہ لڑکی اچانک ہی میری گاڑی کے سامنے آ گئی، میں بریک بھی نہیں لگا سکا، غلطی اُس لڑکی کی تھی ارحم! مگر کہیں نہ کہیں میں ذمہ دار ہوں، اسے کچھ ہو گیا تو شاید میں زندگی بھر خود کو معاف نہ کر سکوں، ضمیر کی مار مجھے جینے نہیں دے گی اور میں اسی گلٹ سے بچنے کے لیے ہر طرح سے اُس لڑکی کے ساتھ کوآپریٹ کرنا چاہتا ہوں"۔ اسجد نے اپنی محبت بھری فکر کو انسانیت کا روپ دے دیا تھا، وہ چاہتا تو اس وقت ظاہر کر دیتا، مگر اس نے ایسا جان کر نہیں کیا، کیونکہ وہ مائدہ کا بھائی تھا، اور اسجد پہلے نوید عالم سے بات کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے رشتوں میں دوریاں آ جائیں، ارحم جو کچھ شکوک و شبہات میں ڈوب رہا تھا ایک دم ہی مطمئن ہو گیا تھا۔

"تم بالکل فکر مت کرو اسجد! میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

"تھینکس ارحم! آج تم نہ ہوتے تو میں یہ سب بالکل مینج نہیں کر پاتا، میں تو بہت خوفزدہ ہو گیا تھا، تمہارے ساتھ نے مجھے سہارا دیا"۔

"یار! اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں، یہ بتاؤ گھر میں کچھ بتایا ہے یا نہیں؟"

"نہیں، گھر میں کچھ بھی کسی کو نہیں بتایا، تمہیں تو پتہ ہے امی ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں، معاملہ تھوڑا ٹھنڈا پڑ جائے تب ابو سے ذکر کروں گا، ابھی رکھتا ہوں، بعد میں بات کروں گا، شاید مجھے ابو بلا رہے ہیں"۔ نوید عالم کی آواز آئی تھی اور وہ لائن کاٹتا موبائل بیڈ پر اُچھالتا روم سے نکل آیا تھا۔

"اسجد! یہ حنین کیا کہہ رہی ہے؟ تم نے اس پر ہاتھ اُٹھایا ہے؟" نوید عالم کو اُس نے اتنے غصے میں بہت ہی کم دیکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی ابو! لیکن اس نے بات ہی ایسی کی تھی''۔

''تم نے کس حق سے اس پر ہاتھ اُٹھایا، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی؟''

''آرام سے بات کرلیں نوید!''

''آپ چُپ رہیں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بہن پر ہاتھ اُٹھاؤ گے اور میں تم سے جواب طلبی بھی نہیں کروں گا؟'' وہ بیوی کو ڈپٹتے ہوئے اس کی جانب غصے سے گھومے تھے۔

''ابو! یہ مجھ سے بحث کررہی....''

''بحث کررہی تھی تو تم نے ہاتھ اُٹھالیا، یہ بیٹی ہے میری اور میں نے خود کبھی اپنی بیٹیوں پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، میں نے تو کبھی ان سے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی اور تم اس حد تک چلے گئے، آخر کیا سوچ کر تم نے اتنی گری ہوئی حرکت کی؟'' وہ بیٹے کو خونخوار نظروں سے گھورتے تیز لہجے میں جواب طلب کررہے تھے۔

''تایا ابو! انہوں نے مجھ سے بہت بدتمیزی بھی کی، مجھے کمرے سے دفع ہوجانے کو کہا، مجھے تھپڑ مارا، اور مجھے بازو سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیا''۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''میں نے جو کیا وہ تمہیں یاد ہے، اپنا بھول گئیں، مجھ سے کس لہجے میں بات کررہی تھیں؟''

''اس نے اگر تم سے بدتمیزی بھی کی تھی تو تمہیں اسے تھپڑ نہیں مارنا چاہیئے تھا''۔

''امی! مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے حنین پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیئے تھا، مگر جب میں نے اس سے کہا کہ میں ڈسٹرب ہوں، ابھی تم سے بات نہیں کرسکتا تو اسے خاموشی سے آجانا چاہیئے تھا، مگر اس نے بات کو جان بوجھ کر بڑھایا''۔

''تم ڈسٹرب تو اب بھی ہو، اور میں بھی بحث کررہا ہوں تم سے، اُٹھاؤ مجھ پر بھی ہاتھ، مارو مجھے بھی، بہن کو مار سکتے ہو تو باپ کو کیوں نہیں؟''

''ابو پلیز! اس طرح تو نہ کہیں، میں حنین پر بھی کب ہاتھ اُٹھانا چاہتا تھا، مگر اس کی بات پر خود پر قابو نہیں رکھ سکا، میں نے اسے آفس آنے کے لیے منع کیا تو یہ اپنے حق کی بات کرنے لگی، میں کب کہتا ہوں کہ اس گھر اور بزنس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے، حق ہے اس کا اور جو اس کا حق ہے وہ ہم اس کو دیں گے، مگر یہ اس طرح کی بات کرے گی میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، مجھے تو ایک پل کو لگا کہ ہم شاید غاصب ہیں اور اس کے حق پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، یہ بار بار اپنے حق کی بات کرکے ہم پر ثابت کیا کرنا چاہتی ہے؟ کہ چچا جان کی موت کے بعد ہم نے اس کے حقوق غصب کرلیے ہیں؟'' کچھ غصے اور کچھ دکھ سے کہہ رہا تھا اور وہ سب ساکت سے سن رہے تھے، اسی طرح کی بکواس اُس نے صبح بھی تو کی تھی۔

''میں نے تو اسے ہمیشہ زرمین اور شازمین کی ہی طرح سمجھا اور جو بات مجھے شازمین کے لیے پسند نہیں تھی میں اس کے لیے کیسے پسند کرسکتا ہوں؟ مگر اسے شک ہے کہ میں اس کے حق پر قابض ہونا چاہتا ہوں، تو ٹھیک ہے، یہ آفس جوائن کرلے، ویسے بھی میرا اس پر کون سا حق ہے، بہن ہی نہیں ہے میری، اس پر ہاتھ اُٹھایا اس کے لیے شرمندہ ہوں، اسی وقت اس سے معافی بھی مانگنا چاہتا تھا اسی لیے حق سے بازو پکڑ کر اسے روکنا چاہا تھا، مگر یہ کمرے سے کچھ بھی سنے بغیر نکل آئی اور کہہ رہی ہے کہ میں نے اسے دھکے دے کر کمرے سے نکال دیا، مانتا ہوں میں نے اسے کمرے سے دفع ہوجانے کو کہا تھا، مگر جو کچھ یہ کہہ رہی ہے ایسا میں نے کچھ نہیں کیا، یہ مجھے کچھ سمجھے نہ سمجھے، مگر یہ مجھے شازمین کی ہی طرح عزیز ہے، یہ چاہے مجھے فقط بھائی بولتی ہے، میں نے اسے ہمیشہ چھوٹی بہن ہی سمجھا ہے اور بڑا بھائی ہونے کے ناتے ہی میں نے مداخلت کی تھی جو اسے پسند نہیں آئی، تو آئندہ کچھ نہیں کہوں گا''۔ وہ اپنی بات مکمل کرکے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''جس کا جو دل چاہے مجھے کہہ دے، میرے ساتھ ہر طرح کا بُرا سلوک کرلے اور پھر رشتوں کی دُہائی دینے بیٹھ

جائے''۔

''چُپ کر جا حنین! کیوں ایسی باتیں کرکے گھر کا سکون برباد کرنے پر تُلی ہے؟''

''آپ کو تو میں ہی غلط لگتی ہوں ممی! میرے ساتھ ہونے والا بُرا سلوک آپ کو نظر نہیں آتا؟'' پتہ نہیں کہاں سے اُس کے اندر اتنا غبار جمع ہوگیا تھا، وہ سب اس کی شکل دیکھ رہے تھے، جس کے منہ سے نکلنے سے پہلے اس کی ہر خواہش پوری کی گئی تھی، وہ کون سے بُرے سلوک کی بات کررہی تھی؟ یہ وہ سمجھ نہیں سکے تھے اور وہ دھم دھم کرتی ان سب کو متحیر چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''کون ہو تم لوگ؟ ہٹو میرے راستے سے''۔ وہ غصے میں پھپھو کے گھر جانے کے ارادے سے گھر سے نکل آئی تھی، ان کے گھر سے اسٹاپ واکنگ ڈسٹینس پر ہی تھا، وہاں تک پہنچنے میں اُسے مشکل سے 3 سے 4 منٹ لگے ہوں گے، وہ اسٹاپ پر آکر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ اسٹاپ کی دوسری جانب کھڑے 2 لڑکے اُسے اکیلے دیکھ کر اس کے دائیں بائیں آکھڑے ہوئے تھے اور جیسے ہی اُس نے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا کہ ایک اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور ڈر کے مارے اُس کی جان نکلنے لگی تھی۔

''کہاں جانا ہے؟ ہمیں بتاؤ، ہم چھوڑ آئیں گے''۔ ایک نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

''میں خود چلی جاؤں گی، راستہ دو''۔

''ایسے کیسے راستہ دے دیں میری جان!'' دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''اب تو تمہارے سارے راستے ہم تک ہی آتے ہیں''۔

''بکواس مت کرو اور ہاتھ چھوڑو میرا''۔ وہ ہاتھ چھڑا لینے کو زور لگا رہی تھی، مگر اس کی گرفت سخت ہوگئی تھی۔

''اتنی آسانی سے تو نہیں چھوڑیں گے''۔ اس نے دانت نکالتے ہوئے کمینگی سے کہا، رات کے اندھیرے میں ہلکی ہلکی روشنی میں وہ گھبرائی ہوئی بھاگنے کو پَر تولتی حنین کو تر نوالہ ہی تو سمجھ رہے تھے۔ خوبصورت گلابی چہرہ، بڑی بڑی غلافی آنکھیں، متناسب سراپا، اُس کا دوپٹہ بڑی ہی لاپروائی سے ایک کاندھے پر پڑا تھا، وہ دونوں اُسے کھینچنے لگے تھے اور وہ بُری طرح چلاتے ہوئے کسی کو مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

''چھوڑو مجھے، تایا ابو....! اسجد بھائی! میلپ می، چھوڑو میرا ہاتھ.....ممی.....!''

''شرافت سے چلتی ہے یا تجھے زبردستی اُٹھا لے جائیں؟''

''میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی، چھوڑو مجھے''۔ رات کے 10 بج رہے تھے، اس لیے نہ لوگ تھے اور نہ ہی گاڑیاں آجارہی تھیں کہ یک دم ایک پولیس جیپ آکر رُکی تھی اور بیک ڈور کھول کر جو باہر آیا تھا اُس پر نظر پڑتے ہی حنین کی جان میں جان آگئی تھی۔

''ارحم بھیا!'' اُس لڑکے نے حنین کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ بھاگ کر اُس کے چوڑے سینے میں سما گئی تھی۔

''مجھے بچالیں ارحم بھیا! یہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جارہے تھے''۔ وہ اُس کے سینے سے لگی بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی، اُس نے بائیں ہاتھ سے اُسے سہارا دیا تھا اور دائیں ہاتھ سے ریوالور نکال کر بھاگتے ہوئے نوجوانوں کا نشانہ بنایا تھا۔

''ہلنے کی کوشش بھی مت کرنا، ورنہ میں گولی چلادوں گا''۔ اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا، اُس نے ہوائی فائر کیا تھا اور اُن دونوں نے جہاں تھے وہیں رُک کر ہاتھ اوپر کردیئے تھے، حوالدار نے آگے بڑھ کر اُن دونوں کو تھکڑی لگادی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کاشف! آپ ان دونوں کو حوالات میں لے جا کر بند کر دیں، صبح ڈیوٹی پر آنے کے بعد میں دیکھ لوں گا، اب آپ جاؤ، میں گھر خود چلا جاؤں گا''۔ سپاہی اُسے سلیوٹ کرتا جیپ کی جانب بڑھ گیا تھا، ارحم ڈیوٹی آف کر کے گھر کے لیے نکلا تھا کہ اُسے خیال آیا تھا کہ وہ ماموں جان سے مل آئے، اسی خیال سے وہ اس طرح نکل آیا تھا۔

''تم اتنی رات میں یہاں کیا کر رہی تھیں؟'' وہ جیب کے آگے بڑھتے ہی ساتھ کھڑی حنین سے مخاطب ہوا تھا، مگر اُس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں حنین! کہ تم اتنی رات گئے اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ دبے دبے انداز میں غرّایا تھا، مگر وہ بس روئے جا رہی تھی، بولی اب بھی کچھ نہیں تھی، ارحم نے اُس کا ہاتھ پکڑا تھا اور آگے بڑھنے لگا تھا، مگر اُسے رُک جانا پڑا تھا، کیونکہ وہ وہاں سے ہلی بھی نہیں تھی۔

''اب کیا ہوا؟ چلو گھر.....''

''میں گھر نہیں جاؤں گی''۔

''واٹ.....! دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، گھر کیوں نہیں جاؤ گی؟'' وہ رُک کر اُسے دیکھنے لگا تھا۔

''مجھے پھپھو کے پاس جانا ہے''۔

''گھر پر کوئی بات ہوئی ہے؟''

''میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی، مجھے اپنے گھر لے جائیں، میں تایا ابو کے گھر نہیں جاؤں گی، وہاں کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہے، کسی کو میری ضرورت بھی نہیں ہے''۔ لہجہ جذباتی اور شکوہ کناں تھا۔

''تم کیا بکواس کر رہی ہو؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا''۔

''سب کو یہی لگتا ہے کہ میں بکواس کر رہی ہوں، آپ مجھے پھپھو کے پاس نہیں لے جا سکتے تو ٹھیک ہے، میں خود ہی چلی جاؤں گی''۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اور کچھ نہیں، خود کیسے جاؤ گی، جیسے ابھی جا رہی تھیں ویسے؟'' وہ جاتی ہوئی حنین کا راستہ روکتے ہوئے نہایت طنز سے بولا تھا۔

''آپ کچھ بھی کہیں، مجھے اپنے گھر لے جا سکتے ہیں تو.....''

''گھر پر کسی کو معلوم ہے یا تم بغیر بتائے گھر سے نکلی ہو؟''

''میں کسی کو کیوں بتاؤں، جب کسی کو میری پرواہ ہی نہیں ہے؟ ممی نے مجھ پر ہاتھ اُٹھایا، تائی نے ڈانٹا اور تو اور امجد بھائی..... انہوں نے بھی مجھے تھپڑ مارا، اب میں کبھی اُس گھر میں نہیں جاؤں گی، مجھے پھپھو کے پاس جانا ہے''۔ وہ بُری طرح روتی رہی، وہ حنین کو محض دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''اوکے، تم رو نہیں، میں تمہیں گھر لے چلتا ہوں''۔ وہ ماموں کے گھر جانے کا ارادہ ملتوی کر گیا تھا۔

''گھر سے کب نکلی تھیں؟'' وہ یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی کا ان لوگوں کو علم ہو گیا ہو گا یا نہیں؟

''بہت دیر ہو گئی ہو گی، میں نے تو سوچا تھا رکشہ سے آپ کے گھر چلی جاؤں گی، اسی لیے یہاں اسٹاپ تک آئی تھی، مگر وہ دونوں نہ جانے کہاں سے آ گئے اور مجھ سے بدتمیزی کرنے لگے''۔ وہ روتے ہوئے اُسے بتا رہی تھی۔ جبھی کافی دیر بعد ایک آٹو وہاں سے گزرا تھا جسے ارحم نے ہاتھ دے دیا تھا۔

''حنین! چپ کر جاؤ، ہم گھر چل رہے ہیں''۔ ارحم نے بمشکل اشتعال کو قابو میں کرتے ہوئے اُسے رکشے میں بیٹھنے کو کہا تھا۔

(جاری ہے)

☆.........☆.........☆

فرح ناز رفیق

افسانہ

کمرے تک فاصلے

اس نے آدھی رات کو ایک فیصلہ کیا اور اُسی فیصلے کو مکمل کرنے کے لیے وہ رات کے 3 بجے عمیس عالم کے کمرے میں موجود تھی۔

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' قائمہ کو یوں سامنے دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی تھی، جو لڑکی اُس کی گھر میں موجودگی پر اپنے کمرے میں مقید رہتی ہو، اُسے رات کو اس پہر اپنے روبرو دیکھ کر وہ حیران تھا۔

''ہاں میں..... آپ کیا سمجھتے ہیں، جب چاہیں گے مجھ پہ اپنی مرضی چلائیں گے، بچپن سے آج تک آپ کے احکامات کی تعمیل کی ہے میں نے، یہاں تک کہ میری پڑھائی میں بھی آپ کا عمل دخل رہا، مگر اب نہیں مسٹر عمیس حیات عالم! ہر فیصلہ آپ کا نہیں ہوگا، میں ایسا نہیں ہونے دوں گی سمجھے آپ؟'' وہ اُس کے روبرو کھڑے ہو کر کہہ رہی تھی، اور وہ جو پہلے ہی اسے اپنے سامنے پا کر حیران تھا، اب اس کی ہمت پر ساکن تھا۔

''شٹ اپ! کیا بکواس کر رہی ہو تم، کیسا فیصلہ، کون سی مرضی، دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟'' الفاظ بھاری مگر لہجہ دھیما تھا اُس کا۔

''ہاں دماغ خراب ہے میرا اور سُن لیں جا کر خود منع کر دیں اماں بی کو، روک دیں انہیں اس فیصلے سے جو میری موت پہ ختم ہوگا، بہتر ہے آپ خود منع کر دیں اماں بی کو، روک دیں، آپ کی تو سب مانتے ہیں، کیوں اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں، میں نہیں کروں گی آپ سے شادی، اور میں جانتی ہوں آپ بھی بے خبر ہیں ورنہ بات اتنی آگے نہ بڑھتی''۔ اس بار قائمہ کا لہجہ بھی قدرے ٹھنڈا تھا، کیونکہ جانتی تھی کہ بدتمیزی وہ برداشت نہیں کرتا۔

''کہہ لیا؟ اب میری سنو! بغیر میری رضا کے میری زندگی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا اور نکاح ہمارا ہو چکا ہے، اب اس ساری بکواس کا کیا مطلب ہے، وہی ہوگا جو اماں بی کا فیصلہ ہے، کوئی غلط حرکت کی تو تمہارے کمرے سے میرے کمرے تک کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے، آگے تم خود سمجھدار ہو''۔ وہ غرّایا تھا، قائمہ کی تو گویا جان نکل گئی تھی، وہ سمجھی تھی دھمکی کام کرے گی، مگر بھول گئی تھی سامنے عمیس عالم تھا، جو صرف کہہ نہیں رہا تھا بلکہ کرنے میں ذرا تاخیر نہیں کرے گا، وہ بمشکل اپنے کمرے تک آئی تھی۔

''کیا ہوا، تم سو کیوں نہیں رہی ہو؟'' حریم نے اسے جاگتا پا کر پوچھا تھا، اُسے تو بہانہ مل گیا تھا رو رو کر حریم کو بتایا کہ عمیس نے کیا کہا ہے۔

''ارے پاگل لڑکی! تم ایسا کیوں سوچتی ہو، عمیس بھائی بہت اچھے ہیں، تم اس لیے ان سے خفا ہو کیونکہ تم نے آج تک اُن کا غصہ دیکھا ہے، انہیں قریب سے نہیں جانا، یقین کرو، وہ بہت نائس، بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیار کرنے والے ہیں، اور تمہارا بہت خیال رکھیں گے، تم یہ سوچو یہ فیصلہ صرف عمیس بھائی کا نہیں ہے بلکہ اماں بی اور تمہارے والدین کا بھی ہے، تم سے زیادہ پاپا انہیں جانتے ہیں، تبھی تو تمہیں ان کے حوالے کیا جارہا ہے، کیونکہ تم بہت نازک ہو، یقین کرو، عمیس بھائی تمہیں بہت سنبھال کے رکھیں گے''۔ حریم کے سمجھانے اور عمیس کی دھمکی کا اثر تھا کہ وہ خاموش ہوگئی اور کر بھی کیا سکتی تھی؟ دن یوں ہی گزر رہے تھے کہ اچانک قائمہ کی زندگی شکوک و شبہات کے دائروں میں گھوم گئی، جب وہ یونیورسٹی سے واپس آئی، تو اماں بی سمیت سب لوگ ہال میں جمع تھے، اُسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔

''اس وقت تایا ابا اور بابا گھر پہ کیسے موجود ہیں؟'' اس نے سوچا۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا، مگر سلام کے جواب میں امی نے اُسے تھپڑ رسید کیا تھا۔

''یہ کیا ہے دیکھو یہ تصویر، یہ خط کیا بکواس لکھی ہے اس میں؟'' انہوں نے لفافہ اُس کے قدموں میں ڈالا تھا، جس میں قائمہ کی ہینڈ رائٹنگ میں رافع صدیق کو لکھا گیا خط اور چند تصاویر تھیں، اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، کس طرح اپنی شکست کا بدلہ لیا تھا اس نے، اپنے ایک پروجیکٹ کی ناکامی سود سمیت لوٹائی تھی اُسے۔

''عارفہ! آرام سے بات کرو''۔ بڑی امی کو اس کی حالت پہ رحم آیا تھا۔

''کیا بات کروں آرام سے بھابی! اس لیے اتنا اعتماد کیا تھا اس لڑکی پر تاکہ یہ دن دکھائے''۔ امی کی آواز غصے اور غم سے رندھ گئی تھی۔

''کیا ہے یہ سب قائمہ!'' بابا نے شکستہ لہجے میں پوچھا تھا۔

''بابا، امی! یقین کریں یہ سب جھوٹ ہے، میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے''۔ اس نے آنسوؤں کے درمیان کہا تھا۔

''بکواس بند کرو، کیا جھوٹ ہے تمہاری رائٹنگ یا تصویروں میں تمہاری موجودگی؟ دفع ہوجاؤ میری نظروں سے، آئندہ اپنی شکل نہ دکھانا مجھے''۔ امی نے اسے باہر دھکیلا تھا، وہ اپنی صفائی دیے بغیر مجرم ٹھہرادی گئی تھی، ایسی مجرم جس کے خلاف اتنے ٹھوس ثبوت تھے کہ اُسے خود اپنے ناکردہ جرم کے ہونے کا یقین ہونے لگا تھا، سارا دن روتے ہوئے گزرا مگر نہ آنسو تھمے تھے نہ سانسیں رُکی تھیں، حریم، فاران، رابی اُسے سمجھا سمجھا کے تھک گئے تھے۔

''دیکھو! رونے سے کیا ہوگا؟ ہم جانتے ہیں تم نے کچھ نہیں کیا، سب کا وقتی غصہ ہے، سب ٹھیک ہوجائے گا کچھ دن میں''۔ رابی نے سمجھایا۔

''کیا ٹھیک ہوگا رابی! مجھے میری ماں نے بے اعتبار کردیا، بابا۔ وہ تو مجھے اپنی جان کہتے تھے، کیا کوئی اپنی جان کو خود سے الگ کرتا ہے، اتنی بے دردی سے؟'' اب تو آنسو بھی خشک ہونے لگے تھے، رات کو بڑی مشکل سے حریم نے اُسے سُلایا تھا، مگر سب کزنز جاگ رہے تھے۔

''کیا کریں؟ جھوٹی امی (قائمہ کی امی) بہت غصے میں ہیں''۔ رابی نے کہا۔

''ہاں اور حیرت ہے بات صبح کی ہے اور عمیس بھائی دوپہر کو آچکے ہیں، اب تک انہوں نے کچھ کیوں نہیں کہا، آخر وہ کچھ کرتے کیوں نہیں ہیں؟ ان کی تو سب مانتے ہیں''۔ تینوں کو فکر لاحق تھی۔

''کہاں جارہی ہو؟'' اگلی صبح اُسے یونیورسٹی جاتے دیکھ کر اماں بی نے روکا تھا۔

''یونیورسٹی'' قائمہ نے مختصر جواب دیا تھا۔

''بہت پڑھ لیا تم نے، کرلیا جو کرنا تھا، اب مزید ہمارا تماشہ مت لگاؤ، یہ بیٹھا ہے تمہارا ذمہ دار، جس نے تمہیں آگے پڑھنے کی اجازت دی تھی، اُس سے پوچھو، ہم سے کوئی رشتہ نہیں ہے تمہارا''۔ اماں بی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک پل میں سارے رشتے توڑ دیئے تھے، وہ تحیّر کے عالم میں عمیس عالم کی جانب مڑی تھی، جواب تک خاموش تھا، وہ چلتی ہوئی اس تک آئی تھی، جو آفس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا، قائمہ نے ایک نظر اُسے دیکھا تھا اور سر جھکا لیا تھا کہ کہنے کو کچھ بچا نہیں تھا، مگر عمیس نے اس کا بھرپور جائزہ لیا تھا، پیلے کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں روئی ہوئی سرخ آنکھیں، سپاٹ چہرہ جیسے بے جرم مجرم معافی کا خیال دل سے نکالے بس سزا کا منتظر ہو۔

''اندر جا کر بیٹھ جاؤ، کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی، مجھ سے پوچھے بغیر قدم باہر نکالا تو اچھا نہیں ہوگا''۔ عمیس نے اسے سختی سے باور کروایا تھا، قائمہ نے جھکا سر اُٹھا کر جن میں کوئی شکایت نہ تھی اُن خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا، کیونکہ اس شخص سے تو بھلائی کی توقع تھی بھی نہیں، وہ خاموشی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''یہ کیا ہوگیا ہے آپ سب کو؟ بغیر تصدیق کے اُسے موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں؟'' سارے کزنز اس کی حمایت میں بولے تھے۔

''خبردار! کوئی اس معاملے میں نہیں بولے گا''۔ عمیس نے سب کو وارن کیا تھا، دو دن بعد قائمہ نے فاران سے کہا تھا کہ۔

''مجھے کچھ کرنا ہے پلیز! مجھے اپنا فون دو، مجھے پولیس سے مدد لینی ہے، کب تک خاموش رہوں میں؟'' تو فاران نے اسے بتایا کہ عمیس نے فاران سمیت سب کے موبائل لے لیے ہیں، پتہ نہیں کیوں قائمہ کی آخری کوشش بھی دم توڑ گئی تھی، کسی نے اس کی نہیں سنی تھی، مگر ایک دربار ایسا ہے جو سب کی سنتا ہے، اُس نے بھی سجدوں میں گڑگڑا کر اُس ربّ سے مدد مانگی تھی، اُس کی مدد کی گئی تھی کہ سچے دل کی آواز آنسوؤں سے لبریز صدا وہ کبھی نہیں ٹالتا۔ ٹھیک پندرہ دن بعد بڑے ابا نے اُسے بلایا تھا، اُس واقعے کے بعد اُس کا پہلا بلاوا تھا، وہ خاموشی سے چلتی ہوئی باہر آئی تھی اور بڑے ابا کے پاس آ کر رُک گئی تھی، مگر بیٹھی نہیں تھی، اُسے دیکھتے ہی اماں بی اور امی اس کی طرف بڑھی تھیں۔

''بیٹا! ہمیں معاف کردو، ہم سے غلطی ہوگئی، تم نے کچھ کہا کیوں نہیں؟'' امی کہہ رہی تھیں، وہ اب بھی خاموش تھی، اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، تب بڑے ابا نے ہی اُس کی اُلجھن دور کی تھی۔

''بیٹا! رافع صدیق کو گرفتار کرلیا گیا ہے، اُس نے اعتراف کیا ہے کہ تم بے گناہ ہو، اُس نے تم سے اپنی انا اور غرور میں بدلہ لیا تھا، ہمیں تمہارا یقین کرنا چاہیئے تھا''۔ امی نے اُس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو وہ یک دم پیچھے ہوئی تھی۔

''آپ لوگوں نے سنی تھی میری کوئی بات؟'' اس نے انتہائی سرد لہجے میں کہا تھا۔

''سارے رشتے ختم ہوگئے تھے مجھ سے، ٹھیک ہے خدا حافظ!'' بے گناہی ثابت ہوئی تو اعتماد بحال ہوا اور اُس نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، مگر چند قدم اُٹھے تھے کہ آہنی گرفت میں بازو آ چکا تھا، عمیس نے اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

''بہت زبان چلتی ہے تمہاری، اتنی دیر سے سب کہہ رہے ہیں، سمجھ نہیں آ رہا تمہیں؟''

''ہاتھ چھوڑیں، کوئی رشتہ نہیں ہے آپ سے بھی میرا''۔ قائمہ نے اس کی بات کاٹی تھی، سرخ آنکھیں لیے جب وہ پلٹی تو نہ جانے کیا ہوا اچانک آنکھوں تلے اندھیرا آیا تھا، اس سے پہلے کہ زمین بوس ہوتی، عمیس عالم اسے تھام چکا تھا اور اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔

''یہ شدید ذہنی دباؤ میں مبتلا ہیں، انہیں سکون کی ضرورت ہے، ایک دو گھنٹے بعد انہیں ہوش آ جائے گا''۔ ڈاکٹر نے عمیس کو کچھ ہدایات دی تھیں۔

''پاپا، چھوٹی امی! آپ سب آرام کریں، میں

سنبھال لوں گا اسے، آپ سب کو سامنے پا کر اور غصہ کرے گی''۔ اس نے سب کو سمجھا کر بھیج دیا تھا اور خود اُس کے سرہانے بیٹھ گیا تھا، سوجی ہوئی آنکھیں، چہرے پر آنسوؤں کے نشانات، کچھ ہی دن میں کتنی کمزور ہوگئی تھی وہ، جب اُسے ہوش آیا تو خود کو عمیس کے کمرے میں پا کر وہ بیڈ سے اُتری تھی کہ عمیس اس کے سامنے آ گیا تھا، ایک جھٹکے سے سارا منظر اس کی آنکھوں میں گھوما تھا اور شدید غصے کی حالت میں وہ دروازے کی سمت بڑھی تھی کہ عمیس نے راہ روک لی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' بہت پیار سے پوچھا تھا۔

''ہٹیں آگے سے، مجھے جانا ہے، نہیں رہنا اس گھر میں، جہاں کوئی میرا اپنا نہیں ہے''۔ گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔

''مجھے چھوڑ کے جاؤ گی، میرا کیا قصور ہے؟'' اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کے پوچھا تھا۔

''سب سے زیادہ قصور آپ کا ہے، آپ ہی نے تو میری پڑھائی بند کروائی تھی، اور آپ کو تو موقع مل گیا تھا، ویسے بھی نفرت کرتے تھے مجھ سے، کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی میں آپ سب''۔ اس کے ہاتھ جھٹک کر وہ دور ہوئی تھی۔

''ادھر آؤ میرے پاس، اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی''۔ اسے اپنی بولتی آنکھوں کے سحر میں مقید کیا تھا، اپنے قریب کیا تھا، قائمہ ہمیشہ اس کی آنکھوں سے ڈرتی تھی، سب کزنز کہتے تھے عمیس بھائی زبان سے کچھ نہ بولیں مگر اُف تو بہ.... ان کی آنکھیں بولتی ہیں۔

''رافع صدیق نے نقلی خط اور تصاویر بھیجیں، تم سے انتقام لینے کے لیے اور صرف تم سے نہیں مجھ سے بھی اس کی دشمنی تھی اور وہ جانتا تھا تم میری جان ہو، میری بیوی ہو، اس لیے تمہارے ذریعے مجھے زچ کیا، مگر میری کوشش سے اب وہ جیل میں ہے، پڑھائی بند نہیں کروائی، رُکوائی تھی، کچھ دنوں کے لیے، تاکہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، تمہارے بہت احمق حمایتی تھے انہیں بھی بچانے کے لیے موبائل لے لیے، سمجھیں ناسمجھ لڑکی! ارے میں کیسے یقین کرلیتا؟ جس لڑکی نے کبھی اپنے مجازی خدا کو خط تو کیا ایک پھول نہ دیا ہو ڈر کے مارے، وہ کسی ایرے غیرے کو کیا خط لکھے گی؟ مجھے پتہ ہے تم کتنے پانی میں ہو، تمہاری ہمت جانتا ہوں میں''۔ اب وہ اسے زچ کر رہا تھا، قائمہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی باہر کی جانب بڑھی تھی۔

''اے! کہاں جا رہی ہو؟ اب یہی تمہارا کمرہ ہے، مطلب ہمارا کمرہ ہے، نکاح ہو چکا تھا، سمجھ لو رخصتی بھی ہوگئی، مسز قائمہ عمیس عالم!'' اُس نے شرارت سے کہا تھا، قائمہ کی تو گویا جان نکل گئی تھی، بند کمرے میں وہ کھڑا تھا، بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔

''پلیز! مجھے جانے دیں''۔ وہ رو دینے کو تھی۔

''کیوں تنگ صرف تم ہی کرسکتی ہو، اب میری باری ہے، تیار ہو جاؤ''۔ وہ گھمبیر لہجے میں کہتا اس کی جانب آیا تھا۔

''بہت دور تک جانا، مگر لوٹ آنا
مجھے تم سے تم ہی تک کے فاصلے اچھے لگتے ہیں''

عمیس نے مسکرا کر اُسے باہر جانے کا راستہ دیا تھا، مگر قائمہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کردیا اور عمیس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا تھا، ایک آنسو اس کی قمیض میں جذب ہوا تھا۔

''اب کبھی مت رونا، یہ تو عمر قید ہے تمہاری''۔ عمیس نے پوروں پر موتی چُن لیے تھے۔

''مجھے منظور ہے یہ عمر قید، آپ کی ہمراہی میں''۔ قائمہ مطمئن سی ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ طارق

قسط نمبر 23

سلسلے وار ناول

سانس ستارے اور سکوت

کاریڈور میں داخل ہوتے ہوئے عاطف کی نظر پولیس کانسٹیبل کے ساتھ کھڑے شاہ رُخ تک گئی تھی جواب اسی جانب آ رہا تھا۔

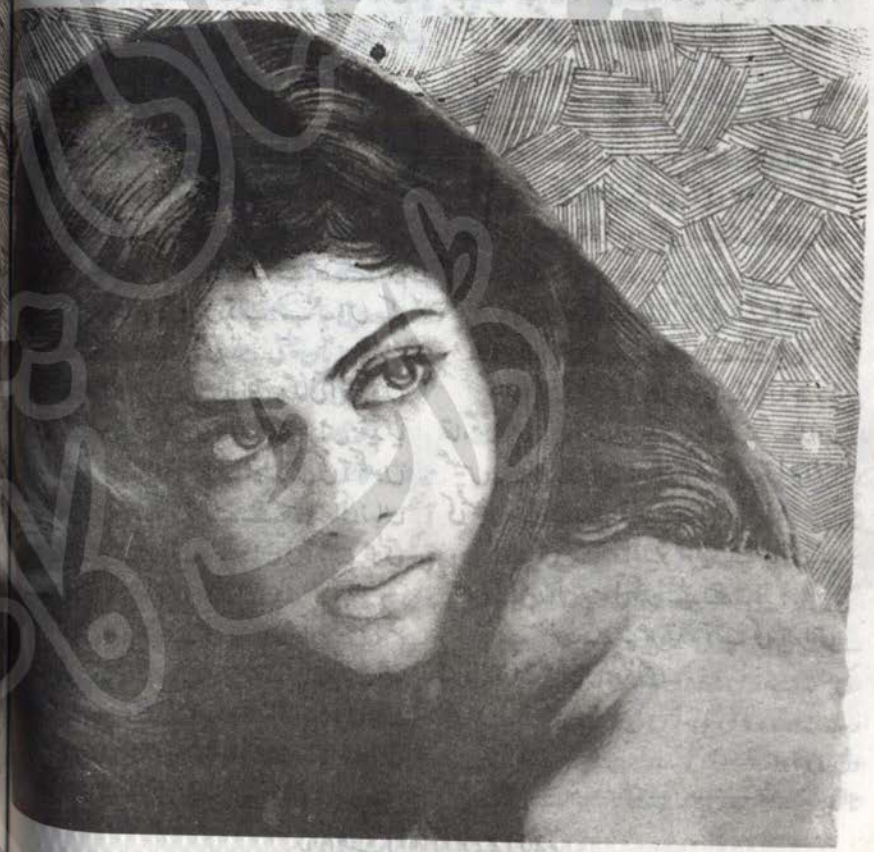

"اگر کچھ دیر پہلے آپ آتے تو دیکھتے کیسا گھمسان کا رَن پڑا تھا یہاں۔ معیز کے سپورٹرز یہ احتجاج لے کر آئے تھے کہ اس پر تشدد کر کے ہڈیاں توڑی گئی ہیں، جبکہ چھوٹے بھائی نے تو بانگ دہل یہ اسٹیٹمنٹ دے دیا کہ اگر اس پر تشدد ہوتا تو اس وقت وہ ہاسپٹل کے بجائے قبر میں اُتر چکا ہوتا"۔ عاطف کے کسی سوال کا انتظار کیے بغیر وہ تفصیل بتا رہا تھا۔

"بہت اچھا ہوا کہ چھوٹے بھائی معیز کو اس ہاسپٹل میں نہیں لائے، ورنہ زینب کے بھائی تو خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، وہ تو پل پڑتے معیز کے سپورٹرز پر، اگر پولیس بیچ بچاؤ نہ کرتی"۔

"مہران ابھی نیچے ملا تھا مجھے، اسے انوالو کر کے اچھا کیا، میں تو چاہتا ہوں وہ سفاک آدمی ہاسپٹل سے نکل کر سیدھا ٹارچر سیل میں جائے"۔ عاطف شدید ناگواری سے بولا تھا۔

"سارہ کیسی ہے؟ پولیس نے کوئی بیان لیا اُس سے؟"

"سارہ تو ابھی کچھ بھی بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے اور زینب i.c.u میں ہے کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہے"۔ شاہ رخ کے تشویش زدہ لہجے پر وہ مزید کچھ بول نہیں سکا تھا، تب ہی مومو تیز قدموں کے ساتھ ان دونوں کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئی تھی۔

"میں ابھی زینب کو دیکھ کر آ رہی ہوں، ایسڈ نے اس کے کندھے سے لے کر کہنی تک اثر دکھایا ہے، اس کی بہن سے بات ہوئی تھی میری، وہ تو بے ہوشی میں بھی تکلیف سے کراہ رہی ہے، مجھ سے تو....." مومو کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکا تھا۔

"رونے کے بجائے تم اس کے لئے دعا کرو گی تو زیادہ بہتر ہوگا، وہ جلد ٹھیک ہو جائے گی"۔ اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے عاطف نے اسے تسلی دی تھی حالانکہ اس وقت اس کی اپنی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔

☆............☆............☆

روم میں داخل ہوتے ہوئے اس نے کچھ حیرانگی سے عاشر کے بگڑے تیوروں کو دیکھا تھا، روم میں اس وقت عاشر کے دونوں بڑے بھائی، ان کی بیویاں اور بہنیں بھی موجود تھیں، سدرہ اور شمس تو مستقل سارہ کے پاس ہی تھے۔

"اتنی دور یہ تنہا گھر سے نکل کر چلی گئی اور تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں کچھ خبر نہیں، کل کو خدانخواستہ اس سے بھی بڑا حادثہ ہوا تو تب بھی تم یہ بیان دو گی؟" عاشر بگڑے انداز میں سدرہ سے بازپرس کر رہا تھا۔

"اگر تم اس کا خیال نہیں رکھ سکتی ہو تو بہتر ہے کہ اسے ہمارے حوالے کر دو"۔ عاشر کے مزید کہنے پر شیث کی رگوں میں خون کھول اُٹھا تھا۔

"عاشر! یہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے جو تم حوالے کرنے کی بات کر رہے ہو، تمہارا غصہ جائز ہے مگر اس قسم کی غلط بات دوبارہ مت کرنا، ناگہانی آفات کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ نازل ہو سکتی ہیں، سدرہ اسے زبردستی باندھ کر نہیں رکھ سکتی تھی کیونکہ وہ جانا چاہتی تھی، اسے بھی نہیں معلوم ہوگا کہ وہ کس مشکل میں گرفتار ہونے والی ہے"۔ شمس مزید عاشر کی باتیں برداشت نہیں کر سکے تھے اس لیے کچھ برہم ہو کر بولے تھے۔

"وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں عاشر! جو ہونا تھا ہو گیا، ہمیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ سارہ محفوظ ہے"۔ شمس کے تیور بھانپ کر عاشر کے بڑے بھائی عظیم نے بات کو سنبھالا تھا۔

"سوری! میں واقعی کچھ زیادہ ہی کہہ گیا"۔ یکدم احساس ہونے پر عاشر نے شمس کے ساتھ سدرہ کو بھی مخاطب کیا تھا۔

"تم کیوں معذرت کر رہے ہو؟ سارا قصور تو اس کا ہے"۔ بڑی دیر سے ضبط کیے بیٹھیں سدرہ اس پر بھڑکی تھیں جو چادر میں چہرہ چھپائے لیٹی تھی۔

"اس کی وجہ سے ہم یہاں پریشان بیٹھے ہیں اور ایک پڑی ہے i.c.u میں....."

"سدرہ.....!" شمس نے ناگواری سے انہیں روکا تھا۔

"بدلے کی آگ میں جل رہا تھا وہ شخص، آج یا کل اسے اپنی اوقات دکھانی تھی، شکر ہے کہ سارہ وہاں موجود تھی ورنہ جانے اس لڑکی کا کیا حال ہوتا"۔

"اگر ابھی سارہ ڈسچارج ہو جاتی ہے تو ہم اسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں؟" عظیم کی بیوی نے شمس سے اجازت چاہی تھی۔

"یہ ابھی کافی انجرڈ ہیں، میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے، انہوں نے منع کر دیا ہے ابھی ڈسچارج کرنے سے"۔ شمس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ سرد لہجے میں سب کو اطلاع دیتا روم سے نکل گیا تھا۔ باہر آتے ہی اس نے اشارے سے مومو کو اپنی طرف بلایا تھا جو کاریڈور کے آخری سرے پر کچھ لڑکیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

"چھوٹے بھائی! ان لڑکیوں کی ہمت نہیں ہو رہی یہاں آنے کی، دو منٹ کے لیے میرے ساتھ آ جائیں وہ آپ

سے آٹوگراف لینا چاہ رہی ہیں"۔ قریب آتے ہی مومو نے التجائی نظروں سے اس کے خطرناک سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

"ان سے کہہ دو فضول کاموں کے لئے وقت نہیں ہے میرے پاس، یہاں تفریحاً نہیں گھوم رہا میں"۔ اس کے بری طرح گھر کنے پر مومو خفیف سی ہو گئی تھی۔

"اور ذرا غور سے سنو، اس کے جو ویل وِشرز بیٹھے ہیں وہ چلے جائیں تب بھابی سے کہہ دینا کہ سارہ ڈسچارج ہو گئی ہے، اسے لے کر گھر پہنچیں"۔ سختی سے اسے ہدایت دیتا وہ اپنے سیل پر آنے والی کال ریسیو کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔

☆............☆............☆

نیند ٹوٹی تھی تو اس نے خالی خالی نظریں ارد گرد دوڑا کر وجہ جاننے کی کوشش کی تھی، مگر وال کلاک میں وقت دیکھتی اُٹھ بیٹھی تھی، لبوں سے ایک سسکی سی نکلی تھی کہ زخمی وجود ذرا سی حرکت پر چیخنے لگا تھا، چند لمحوں تک وہ خاموشی سے بیٹھی زینب کے بارے میں ہی سوچتی رہی تھی، زینب دنیا و مافیا سے بے خبر جس اذیت کے بھنور میں پھنسی تھی، اس اذیت کے سامنے تو اُس کے زخم کچھ بھی نہیں تھے، اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگی تھیں، ماحول اتنا خاموش اور گھمبیر تھا کہ اسے وحشت ہونے لگی تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے زندگی کے آثار کمرے میں ہیں نہ کمرے کے باہر، ورنہ عموماً شیری کی آوازیں تو سنائی دے ہی جاتی تھیں، کمرے سے باہر آتے ہوئے اس نے ویران پڑے لاؤنج کو دیکھا تھا، ابھی وہ سدرہ کے کمرے کی جانب بڑھنے کا ارادہ کر رہی تھی جب ڈرائنگ روم سے اُبھرتی مانوس آوازوں نے اس کے قدم روک لیے تھے۔

"تمہاری منطق میری سمجھ سے باہر ہے، اگر تمہارے دلچسپی نہ لینے کے باوجود سارہ نے ایک سے زائد بار زینب کا ذکر جس مقصد کو سامنے رکھ کر کیا ہے تو اس کے پیچھے کوئی تو محرک ہوگا"۔ شیث کی آواز بخوبی سنائی دی تھی۔

"شیث! اب تم دوبارہ اس موضوع پر مجھ سے کوئی بحث نہ کرو"۔ عاطف کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"مگر میں پھر تم سے کہوں گا کہ اگر سارہ کسی لڑکی کو تم سے منسلک کرنا چاہتی ہے تو یقیناً وہ لڑکی معمولی نہیں ہو سکتی"۔

"مجھے اس کے معمولی یا غیر معمولی ہونے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

"عاطف! سارہ کبھی تمہیں نہیں بتائے گی مگر مجھے یقین ہے کہ زینب انٹرسٹڈ ہے"۔ شیث نے جیسے اسے کچھ سمجھانا چاہا تھا۔

"وہ ایک بے وقوف لڑکی ہو سکتی ہے جو ایک اسٹک کے سہارے چلنے والے شخص کی ہمدردی میں حد سے بڑھنے کی خواہش رکھتی ہے اور میں سارہ کی بات مان کر اپنے شرمندہ ہونے کے مواقع حاصل نہیں کرنا چاہتا، اس کا فیانسی بعد میں جیسا بھی نکلا مگر اس کے بڑوں نے یہی دیکھ کر اسے چُنا ہوگا کہ وہ ہر طرح سے مکمل ہے، وہ ان کی بیٹی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکتا ہے، پھر میں کیسے.....؟" یکدم ہی عاطف کے خاموش ہو جانے پر شیث جو صوفے پر نیم دراز تھا چونک کر اُٹھ بیٹھا تھا۔

"آؤ سارہ! وہاں کیوں رُکی ہو؟" اسٹک تھام کر اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے عاطف نے کچھ گڑبڑا کر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا۔

"جب آپ مجھے زینب کے لیے بار بار انکار کر چکے ہیں تو پھر اپنے دوست کے ساتھ بیٹھ کر اسے ڈسکس کیوں کر رہے ہیں؟" وہ سرد لہجے میں عاطف سے سوال کر رہی تھی۔

"یہاں کوئی اسے ڈسکس نہیں کر رہا ہے"۔ شیث کو اچھا نہیں لگا تھا اس کا یہ کہنا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہی ہوں، اس لیے تم خاموش رہو"۔ سارہ کے سخت ناگوار لہجے پر شیث کے چہرے کا رنگ سرخ ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر وہ مضبوط بیک گراؤنڈ رکھنے والی ہائی اسٹیٹس لڑکی ہوتی تو وہ کبھی آپ کو بے وقوف نہ لگتی، میں تو سمجھتی تھی کہ آپ جیسے انسان کے نزدیک اس کی سادگی کی بہت اہمیت ہوگی مگر.....'' شدید تاسف سے بولتی وہ ایک پل کو رُکی تھی۔

''کسی کے دل میں اپنی محبت اور جگہ بنانا آسان نہیں ہے مگر آپ کو کوئی محنت کیے بغیر یہ مقام مل گیا، اس کے باوجود بدلے میں آپ کسی کے جذبوں کی قدر نہیں کر سکے، محبت اور ہمدردی میں فرق آپ سمجھتے ہیں یا نہیں؟'' چبھتے لہجے میں وہ عاطف سے سوال کر رہی تھی۔

''آپ مجھے صاف یہ بتا دیتے کہ مجھ پر کوئی بھروسا کر کے آپ اپنی شرمندگی کے مواقع نہیں حاصل کرنا چاہتے تھے، اگر آپ کو اس کے جذبے صرف ہمدردی لگتے ہیں تو یہ آپ کی غلطی ہے اس کا کوئی قصور نہیں، اور نہ ہی یہ اس کا قصور ہے کہ آپ اسٹک کے بغیر دو قدم نہیں چل سکتے''۔

''سارہ! بہت زیادہ بول چکی ہو تم، مگر بس اب اس سے زیادہ نہیں''۔ یکدم ہی شیث نے برہمی کے ساتھ اسے روکا تھا۔

''براہِ مہربانی اب زینب کا نام بھی میں کسی کی زبان پر آتا نہ سنوں، ہاسپٹل کے کمرے میں پڑی اس بے وقوف لڑکی کو اپنی بے وقوفیوں کی سند کسی سے نہیں چاہیئے''۔ تیز نظروں سے عاطف کو دیکھتی وہ بولی تھی اور اگلے ہی پل ڈرائنگ روم سے نکل گئی تھی۔

''عاطف! میں سارہ کی طرف سے تم سے معذرت.....!''

''نہیں یہ مت کہو، اس نے کچھ غلط نہیں کہا''۔ عاطف نے سنجیدگی کے ساتھ اسے روکا تھا جبکہ شیث نے شرمندہ ہو کر اس کے چہرے پر لہراتے سائے کو دیکھا تھا۔

☆..........☆..........☆

کرسی پر پیر چڑھائے بیٹھی وہ گم صم کیفیت میں تھی جب اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتا شاہ رخ میبل کے کنارے ہی بیٹھ گیا تھا۔

''کہاں گم ہو؟ کل سے اب دکھائی دے رہی ہو مجھے''۔

''کچھ نہیں، بس ایسے ہی طبیعت بیزار ہو رہی ہے، سارہ اور زینب کی کنڈیشن نے ہر چیز سے دل اُچاٹ کر دیا ہے''۔ پیشانی پر بکھرتی تراشیدہ لٹیں سمیٹتے ہوئے وہ واقعی روہانسی ہونے لگی تھی۔

''زہر لگ رہی ہو اس طرح منہ لٹکائے''۔ شاہ رخ نے خشمگیں نظروں سے اس کے آزردہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''سارہ بس اپنی دوست کی وجہ سے خاموش سی ہوگئی ہے، فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''تمہارے لیے یہ کہنا آسان ہے، مگر میرے لیے عمل کرنا مشکل ہے''۔ ناخن کریدتے ہوئے وہ افسردگی سے بولی تھی۔

''سیدھی دل میں اُتر رہی ہو اس وقت''۔ شاہ رخ نے وارفتگی سے اس کے ہونٹوں پر بکھرتی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

''تیار ہو جاؤ، میں کل ہی تمہاری اور اپنی شادی کی بات کر رہا ہوں بھابی سے''۔ وہ یکدم ہی سنجیدگی سے بولا تھا۔

''تم مذاق کر رہے ہو؟'' موموں مشکوک تھی۔

''کم از کم اس معاملے میں، میں مذاق برداشت نہیں کر سکتا''۔

''مجھے خواب مت دکھاؤ، چھوٹے بھائی سے پہلے تمہاری شادی ہو نہیں سکتی اور وہ تو پہلے ہی انکار کر چکے ہیں''۔

''مجھے سب معلوم ہے، ان سے پہلے تو اپنی شادی کا میں سوچ بھی نہیں سکتا، مگر شادی ساتھ ساتھ تو ہو سکتی ہے اور ان

کے انکار کی اہمیت خود ان کے نزدیک کچھ نہیں، سارہ نے تو گن گن کر بدلے لینے ہیں ان سے''۔ موموں کی بات کاٹتا وہ بولا تھا۔

''واصف بھائی کی طرح نہ لٹک جانا جو بیٹھے ہیں عاطف بھائی کے انتظار میں''۔ وہ بیزاری سے بولی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا، یہ آنے والا نیا سال ہمیں جدا جدا نہیں رہنے دے گا، ویسے بھی میں اب اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا''۔ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ گہری نظروں سے اس کے گلابی ہوتے رخساروں کو دیکھ رہا تھا۔

''اچانک مجھ پر مہربان ہو کر یہ کیسے سوچ لیا تم نے؟'' اس کی والہانہ نظروں کی تپش سے جھلستی وہ اُٹھلائی تھی۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں ہے مومنہ! تم کیا جانو میں تمہارے بارے میں کیا کیا سوچتا ہوں''۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا ایچڑ انسان؟'' پلک جھپکتے ہی وہ بپھرائی تھی تو شاہ رخ سرعت سے اُٹھ کر دور گیا تھا۔

''بتا کر جاؤ مجھے خبیث، کیا کیا سوچتے ہو تم؟'' وہ غراتی ہوئی اس کے پیچھے گئی تھی جو قہقہے لگاتا مزید اسے جلاتا بھاگ گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

لاؤنج میں آتے ہوئے شمس نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا جو خاموش بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

''ہاسپٹل گئی تھیں تم چیک اپ کے لیے؟''

''جی، شان کے ساتھ گئی تھی''۔ سوگوار، مدھم لہجے میں وہ بولی تھی۔

''زینب کی طبیعت کیسی ہے؟'' ان کے سوال پر وہ سر جھکائے بس خاموش رہی تھی۔

''سارہ! مجھے یہ بتاؤ اس طرح خاموش اور کمرے میں بند رہنے سے کیا زینب بالکل صحت یاب ہو جائے گی؟'' کھڑے کھڑے ہی وہ ناراضی سے پوچھ رہے تھے۔

''کسی سے بات کرنے کا دل ہی نہیں چاہتا''۔ وہ بھرائے لہجے میں بولی تھی۔

''یہ مایوسی بالکل نہیں جچ رہی تم پر، تمہیں تو خود کو مضبوط رکھ کر زینب کا حوصلہ بڑھانا ہے، اسے نارمل زندگی کی طرف واپس لانا ہے، اس کے لئے جو کچھ تم کر سکتی ہو وہ اس کے گھر والے بھی نہیں کر سکتے، اسے تمہاری ضرورت ہے، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' ان کے سوال پر وہ اس بار بھی خاموش رہی تھی۔

''چلو اُٹھو ذرا، باہر جاؤ، طبیعت کچھ سنبھلے گی، عاطف تمہارا پوچھ رہا تھا، میں نے اس سے کہا ہے کہ تمہیں بھیج رہا ہوں''۔ نرم لہجے کے ساتھ شمس نے اس کے سر کو دھیرے سے تھپتھپایا تھا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اُٹھنا پڑا تھا۔

منتظر بیٹھے عاطف کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے گراؤنڈ میں موجود شیث کو دیکھا تھا، جو بچوں کو باسکٹ بال کھیلنے میں مدد دے رہا تھا۔

''میں تمہاری طبیعت معلوم کرنے آنا چاہتا تھا، مگر پھر تمہاری ناراضی کے پیشِ نظر قدم رُک گئے''۔ عاطف نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں، شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ سے بہت غلط طریقے سے بات کی تھی''۔ نظر جھکائے وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔

''تم نے مجھے موقع نہیں دیا سارہ! ورنہ میں تمہیں بتاتا کہ مجھے اپنی کسی کمی پر کوئی احساس کمتری کبھی نہیں رہا، میری کمی گھر میں کسی کو محسوس نہیں ہو سکتی، تمہیں بھی نہیں، شاید زینب کو بھی نہیں، مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ زینب کے گھر والوں کو یہ نقص دکھائی نہ دے؟'' بلا تمہید عاطف نے سوالیہ لہجے میں کہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک بار مجھ پر بھروسا کر کے آپ اپنے خدشات کا ذکر تو کرتے، میں خود کو داؤ پر لگا دیتی، مگر کوئی انگلی آپ کی طرف نہ اُٹھنے دیتی، آپ نہیں جانتے خدا نے آپ کو جو منفرد شخصیت اور آپ کی زبان میں جو شیریں دی ہے وہ آپ کی ہر کمی پر غالب ہے، آپ کی ذات سچ میں عزت و محبت کے قابل ہے"۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

"سارہ! تمہارے دل میں اتنی زیادہ اہمیت ہے میرے لیے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا"۔ عاطف نے دنگ نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھا تھا۔

"مگر اب ان سب باتوں کا ذکر بے معنی ہے، اب سب کچھ بدل چکا ہے"۔ وہ مدھم آواز میں بولی تھی جس پر عاطف چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

"زینب کو مزید کتنا عرصہ ہاسپٹل میں رہنا ہوگا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے"۔

"وہاں اس کے علاج سے تم مطمئن ہو؟" عاطف نے بغور اس کے پریشان چہرے کو دیکھا تھا۔

"مطمئن تو ہوں مگر.....!" وہ جھجک کر رُکی تھی۔

"بات مکمل کرو"۔ عاطف چونکا تھا۔

"اس ہاسپٹل میں پیسہ پانی کی طرح خرچ ہو رہا ہے، زینب کی فیملی فنانشلی بہت اسٹرونگ نہیں ہے، وہ سب اتنے خوددار ہیں کہ کسی سے مدد بھی نہیں لیں گے، ہاسپٹل کے اخراجات کسی نہ کسی طرح تو پورے ہو جائیں گے، مگر زینب کی سرجری ہونی بھی تو ضروری ہے"۔ وہ پریشان انداز میں بتا رہی تھی۔

"اس کی سرجری ضرور ہوگی، اگر تم میری مدد کرو گی تو میں یہ کام آسانی سے کر سکتا ہوں"۔ عاطف کے سنجیدہ لہجے پر وہ دنگ ہوئی تھی۔

"اس معاملے میں زینب کے بھائی میری مداخلت بھی برداشت نہیں کر سکتے، پھر آپ ہمدردی کرنے کا یہ حق کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟"

"ہمدردی کے لفظ استعمال کر کے مجھے ہرٹ مت کرو سارہ! جو حق میں حاصل کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد اگر میں اس لڑکی کے لئے اپنا آپ بھی فروخت کر دوں تو کسی کو اعتراض کرنے کا حق بھی نہیں ہوگا اور تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں"۔ عاطف کے حتمی لہجے پر وہ بس دنگ بیٹھی ساکت نظروں سے اس کے پُرسکون چہرے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

"چچی جان تو بہت خوش ہو جائیں گی، اکثر باتوں باتوں میں وہ مجھے باور کروا چکی ہیں کہ وہ اب مومو کی شادی کرنا چاہتی ہیں، انہوں نے تو ساری تیاری مکمل کر رکھی ہے"۔ کھانے کے دوران سدرہ مسلسل خوشی کا اظہار کرتیں شاہ رخ کو بھی خوشی سے پھلا رہی تھیں۔

"ظاہر ہے اپنی بلا ہمارے سر منڈھ کر چچی نے خوش ہی ہونا ہے"۔ شمس کے سنجیدہ لہجے پر شان نے ہنستے ہوئے شاہ رخ کو دیکھا تھا۔

"شمس! جلدی کھانا ختم کریں، واصف بھی گھر میں ہوگا، سب کے سامنے بات ہو جائے گی"۔ سدرہ مزید عجلت میں بولی تھیں، جس پر سارہ نے مسکراتی نظروں سے شاہ رخ کو دیکھا تھا جو سنجیدہ رہنے کی کوشش میں کامیاب تھا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے کھانے سے ہی ہاتھ روک لینے چاہئیں، پتہ نہیں کس بات کی جلدی ہے تمہیں؟" پانی کا گلاس اُٹھاتے ہوئے شمس نے خشمگیں نظروں سے سدرہ کو دیکھا تھا جو فوراً ہی اپنی جگہ سے اُٹھی تھیں۔

"بس اُٹھیں، اب چلتے چلتے پانی پی لیجئے گا"۔ سارہ نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا جو زبردستی شمس کا بازو پکڑے وہاں سے لے ہی گئی تھیں۔

"ایسی بھابی ہونی چاہیئے ہر دیور کی، کیوں چھوٹے بھائی؟" شاہ رخ نے اس سے تائید چاہی تھی جو اَن سنی کیے اپنے کھانے کی طرف متوجہ رہا تھا۔

"سارہ! ابھی بھی وقت ہے سوچ لو، شاہی تمہارے لیے اپنا فیصلہ بدل سکتا ہے"۔ شان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہوگی، ویسے بھی میری بہن کو مشورہ دیا گیا ہے کہ میرے لیے کسی بہترین شخص کا انتخاب کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ جلد کسی بہترین شخص کو میرے لیے ڈھونڈ لیں گی، مجھے بھی اب اسی شخص کا انتظار ہے"۔ طنزیہ لہجے میں بولتے ہوئے سارہ نے ایک نگاہ شیث پر ڈالی تھی جو ایک سلگتی نظر اس پر ڈالتا سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ ایک جھٹکے سے اُٹھا تھا اور کسی بھی جانب دیکھے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا۔

"اب نہیں بچنے والی ہو تم"۔ شان نے اسے ڈرایا تھا۔

"تو میں کون سا چھوڑنے والی ہوں"۔ وہ نخوت سے بولی تھی۔

"اب بنا ہے جوڑ دبنگ"۔ شاہ رخ نے ٹیبل بجائی تھی، جبکہ وہ ناگواری سے ان دونوں کے ہنستے چہرے دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

دستک دے کر وہ کمرے میں داخل ہو گئی تھیں۔

"شیث! تم نے کیوں ڈانٹ دیا شان کو، وہ دودھ کا گلاس ہی تو دینے آیا تھا؟ نہیں چاہیئے تھا تو منع کر دیتے، وہ ناراض ہو گیا ہے"۔ لائٹ آن کرتے ہوئے وہ اسے گھرک رہی تھیں جو تکیے میں چہرہ چھپائے لیٹا تھا۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں، کیوں ڈانٹ کر بھگایا تم نے شان کو؟"

"آپ اسے بلائیں، میں اس کے پیروں میں بیٹھ کر معافی مانگ لیتا ہوں"۔ تکیہ چہرے سے ہٹا کر وہ بگڑے انداز میں بولا تھا اور پھر دوبارہ چہرہ تکیے میں چھپایا تھا۔

"آخر ہوا کیا ہے؟ کیوں اتنے آگ بگولہ ہو رہے ہو؟" سدرہ نے ہنستے ہوئے اس کے شانے کو ہلایا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے، میری فکر نہ کریں گھر کے باقی لوگوں کی فکر کریں"۔ ناراضی سے بولتا وہ اُٹھ بیٹھا تھا۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو مگر حرکتیں تمہاری ابھی بھی بچوں جیسی ہیں"۔ مسکراتے ہوئے سدرہ نے اس کے بکھرے بال سنوارنے چاہے تھے مگر وہ سر جھٹکتا پیچھے سرک گیا تھا۔

"ہوا کیا ہے؟ چہرہ دیکھو آئینے میں، شیری بھی ہنس پڑے گا تمہیں دیکھ کر"۔ سدرہ بے ساختہ ہنسی تھیں، تب ہی شاہ رخ دندناتا ہوا چلا آیا تھا۔

"تم کیوں آئے ہو یہاں؟" شیث نے ناگوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"سونے آیا ہوں، پیچھے سرک جائیں"۔ شاہ رخ ڈھٹائی سے بولا تھا۔

"فوراً چلے جاؤ میرے کمرے سے، ایک سیکنڈ بھی نہیں رُکنے دوں گا یہاں"۔ وہ بگڑ کر بیڈ سے اُترا تھا۔

"میری خوشی دیکھی نہیں جا رہی ناں تم سے؟ دو دن میں تمہیں جلا جلا کر سورج مکھی سے کالا گلاب نہ بنا ڈالا تو نام بدل دینا"۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتا وہ شیث کو جتا رہا تھا، مگر اگلے ہی پل بلبلا اُٹھا تھا جب شیث ایک ہاتھ میں اس کی گردن دبوچے کمرے سے کھینچتا لے گیا تھا، جبکہ سدرہ ہول کر دونوں کے پیچھے گئی تھیں، لاؤنج میں موجود سارہ نے حیرت سے اوپر دیکھا تھا جہاں شاہ رخ ایک ہی دھکے میں لڑکھڑاتا سیڑھیوں کی طرف آیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دیکھو دنیا والو! یہ کس طرح اپنے چھوٹے بھائیوں پر تشدد کرتے ہیں''۔ شاہ رخ دہائی دے رہا تھا۔

''اس کو سنبھالیں ورنہ ماروں گا اسے''۔ شیث نے بگڑے انداز میں سدرہ سے کہا تھا، جو بمشکل ہنسی روکے کھڑی تھیں۔

''چھوٹے بھائی! آپ اتنے خوش باش کیوں نظر آرہے ہیں؟'' کمرے سے باہر آتے شان نے پوچھا تھا، مگر اگلے ہی پل اس کے تیوروں پر بدک کر واپس کمرے میں گھس گیا تھا۔

''مجھے پتا ہے تم مجھ سے جل رہے ہو''۔ شاہ رخ کی للکار پر پھر وہ بھڑک کر اس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا، مگر سدرہ درمیان میں آ گئی تھیں۔

''بس کرو، کیوں اتنا غصہ کر رہے ہو؟'' سدرہ نے ہنستے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

''پاگل ہو گیا ہوں میں''۔ وہ بری طرح جھنجلاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''بہت زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے''۔ سارہ نے خشمگیں نظروں سے شاہ رخ کو گھورا تھا۔

''سارہ جی! رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے''۔ وہ مزے سے بولا تھا۔

''شاہی! اب دوبارہ اسے کچھ مت کہنا ورنہ خیر نہیں ہے''۔ سدرہ اسے تاکید کرتیں کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں جہاں شمس کو دیکھتے ہی ان کی ہنسی پھر شروع ہو گئی تھی۔

''تم دیور بھابی مل کر میرے بچے کو کتنا تنگ کر رہے ہو''۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے شمس نے کہا تھا۔

''آپ کے بچے نے بھی ہم سب کو کم تنگ نہیں کیا ہے، ویسے شاہ رخ کا آئیڈیا زبردست ہے، شیث شادی جیسا معرکہ پہلے شاہی کو سر ہر گز نہیں کرنے دے گا''۔ وہ بولی تھیں۔

''اس آئیڈیے میں پہلا فائدہ تو شاہی کو ہی حاصل ہوا ہے، کانیاں آدمی ہے وہ''۔ شمس کے کہنے پر سدرہ ایک بار پھر ہنس پڑی تھیں۔

☆.....☆.....☆

مضطرب نظروں سے سارہ نے اس کے برف کی طرح سفید اور نقاہت زدہ چہرے کو دیکھا تھا اور پھر مدھم آواز میں اسے پکارتے ہوئے اس کے سرد ہاتھ کو تھاما تھا، اس کی زندگی سے خالی بے رونق آنکھوں نے سارہ کے دل کی حالت عجیب کر دی تھی، مگر وہ پھر بھی لبوں پر مسکراہٹ سجاتی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی تھی۔

''کیوں جینے کی خواہش سے منہ پھیر رہی ہو، اتنے محبت کرنے والے رشتوں کو کیوں اذیت سے دوچار کر رہی ہو؟'' وہ مدھم لہجے میں بولتی اس کی بند آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''جب جینے کی خواہش باقی نہ رہ جائے تو انسان بے حس ہو ہی جاتا ہے''۔ کسی کھائی سے زینب کی آواز ابھری تھی۔

''بوجھ بن گئی ہوں میں خود سے جڑے ہر رشتے پر، میرا جھلسا وجود اس سے پہلے کہ خود میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائے، تم دعا کرو مجھے نجات مل جائے''۔

''خدا نہ کرے.....!'' سارہ دھک سے رہ گئی تھی۔

''اتنی مایوسی زینب.....! اتنی بیزاری.....؟'' اس کی بند آنکھوں سے گرتے گرم قطرے سارہ کو اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

''تم تو خوش نصیب ہو کہ اللہ نے تمہیں آزمائش کے لیے چنا ہے، وہ کتنی محبت کرتا ہے تم سے اس کا اندازہ بھی تم نہیں لگا سکتیں، مگر میں نے دیکھا ہے وہ ابلیس بالکل تمہارے سامنے کھڑا جو نقصان تمہیں پہنچانا چاہتا تھا کس طرح ناکام ہو کر اب لاچار پڑا ہے، اور تم.....! تمہارے چہرے پر ایک خراش تک نہیں آئی ہے زینب! اس مہربان ہستی کا شکر ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ تک نہیں ہیں، تمہارے یہ زخم بھی وقت کے ساتھ مندمل ہو جائیں گے زینب! کیا اب تک تمہیں احساس نہیں ہوا کہ اللہ کتنی محبت رکھتا ہے تم سے؟ تمہیں نقصان پہنچانے والا سیاہ دھبہ لگا چکا ہے اپنے چہرے پر، اور تم، تم کتنی محبتوں، کتنی دعاؤں میں گھری ہو، کس طرح اس نے تمہاری نگہداشت کی ہے، محفوظ کیا ہے، سرخرو کیا ہے، کیا تمہیں احساس نہیں ہوا؟ کیا وہ تمہیں اپنی شہہ رگ کے قریب محسوس نہیں ہوتا؟'' زینب کے چہرے کے گرد ہاتھ رکھے وہ اس کی ساکت نظروں میں دیکھتی بولتی چلی گئی تھی۔ خاموشی کے ساتھ وہ زینب کی سسکیاں سنتی رہی تھی اور پھر دھیرے سے اس کی بھیگی آنکھوں اور تر چہرے کو صاف کیا تھا۔

''جانتی ہو، عاطف تمہارے لیے بہت فکر مند ہیں، روز وہ مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھتے ہیں، مگر یہاں آتے ہوئے جھجکتے ہیں''۔ اس کے ہاتھ کی پشت کو سہلاتے ہوئے سارہ نے مدھم آواز میں بتایا تھا۔

''وہ فون پر تمہاری خیریت تم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں، کیا تم ان سے بات کرو گی؟'' سارہ کے سوال پر اس کی بے یقین نظریں گرم سیال سے دھندلانے لگی تھیں۔

''مجھے ان کے ترس کی ضرورت ہے نہ ہمدردی کی''۔ وہ لرزتی آواز میں بولی تھی۔

''ایسا مت کہو زینب! وہ بہت.....!''

''مجھے ان کا ذکر نہیں سننا''۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے سارہ کو روک دیا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ ان کے لیے جن جذبات کا اظہار تم نے کیا ہے ایک دن تمہارے لیے بھی وہ کچھ ایسے جذبات کا اظہار کریں گے، تمہیں خوشی نہیں ہوئی کہ میری پیشن گوئی کسی قدر درست ثابت ہوئی ہے؟'' سارہ کے سرگوشیانہ لہجے پر زینب نے چہرہ دوسری جانب پھیر لیا تھا، جس پر سارہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکرا اٹھی تھی۔

''بس اب جلدی سے اس ہاسپٹل سے نکلو، کوئی بہت بے چینی کے ساتھ دن گن گن کر تمہارے لوٹنے کا انتظار کر رہا ہے''۔ اس کے مسکراتے لہجے پر بھی زینب نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

آواز لگانے پر وہ اوپر جاتے ہوئے اس جانب متوجہ ہوا تھا اور بس ایک نظر اس پر ڈالی تھی، جو اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

''ارے پکڑ کے لاؤ اسے، اتنی محنت کی ہے میں نے اس کی سڑی شکل پر''۔ شاہ رخ سے کہتے ہوئے اس نے سارہ کو گھورا تھا۔

''انہیں پکڑ کے لانے سے بہتر ہے اس کو ہی اوپر لے جاؤ ان کے کمرے میں''۔ شاہ رخ کے مشورے پر وہ بس اسے ناگواری سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اندھیر مچی ہے کیا..... لاکھوں روپے خرچ کرو پہلے پھر میں خود اسے لے کر جاؤں گی اس کے کمرے میں، اتنی بڑی رقم تو میرج ہال والے ہی لے لیں گے''۔ بولتے ہوئے موصوف کھلکھلا کر سارہ کے بگڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''اتنی رقم خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، سارہ تو اتنی رحم دل ہے ایسے ہی پہنچ جاتی ہے ان کے کمرے میں، گلاب جامن لے کر''۔ وہ مسکراتے ہوئے سارہ کو دیکھ رہا تھا، جس کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔

''ارے..... رکو میں تو مذاق کر رہا تھا یار!'' وہ بگڑے انداز میں خاموشی سے جا رہی تھی، جب شاہ رخ نے فوراً ہی اسے روکنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا تھا، اور اس کے ساتھ ہی سارہ کی چیخ بلند ہوئی تھی۔

''بیٹا آج تو گیا، اب تجھے کوئی میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتا، کلمہ پڑھنے کا وقت بھی نہیں دوں گی''۔ موصوف غراتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی آگے بڑھی تھی۔
"رانا بھائی! تمہیں قسم ہے اگر تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو"۔ اس کے ہاتھوں سے بچتے ہوئے شاہ رخ دھاڑا تھا۔
"کیا کر رہی ہو تم..... پھر دورہ پڑ گیا کیا تمہیں؟" کمرے سے باہر آتے ہوئے شمس نے ناگواری سے مومو کو دیکھا تھا۔
"بڑے بھائی! آج درمیان میں نہیں آنا، میں بتا دیتی ہوں آج یہ نہیں بچے گا، آج تو میں اسے ادھیڑ کر ہی دم لوں گی"۔ شاہ رخ کا کالر اپنے قبضے میں لیے وہ بگڑ کر شمس سے بولی تھی۔
"ارے چھوڑیے ہمیں، شرم تو آتی نہیں ہے، دن دھاڑے مردوں کے کپڑے کھینچتے ہوئے"۔ ایک جھٹکے سے اپنا کالر چھڑاتے ہوئے شاہ رخ بگڑا تھا۔
"میرا دماغ مت گھمانا شاہ رخ! میں بتا رہی ہوں، دوبارہ میرے سامنے یہ حرکت کی تو اُدھیڑ ڈالوں گی"۔ وہ غصیلے انداز میں شاہ رخ کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی تھی۔
"بات سنو! وہ کیا تمہیں کوئی رضائی گدّ انظر آ رہا ہے، جو اُدھیڑ ڈالو گی، ہوش میں ہو یا نہیں؟" شمس نے اسے گھرکا تھا۔
"بڑے بھائی! یہ جو کہہ رہی ہے ناں اسے کرنے دیں اور آپ بھی دیکھیں، چلو بھئی آ جاؤ میدان میں"۔ شمس کو مخاطب کرتے ہوئے شاہ رخ نے اسے دعوت دی تھی۔
"ارے جا، منہ نہ لگ میرے"۔ ناک پر سے مکھی اُڑاتے ہوئے مومو نے ناگواری سے سر جھٹکا تھا۔
"تمہارے منہ لگنا بھی کون چاہتا ہے، آ جاؤ آج تو کر ہی دو میرا تیا پانچہ"۔ شاہ رخ سینہ ٹھونک کر چیلنج کرتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔
"بڑے بھائی! آپ سمجھا لو اسے ورنہ.....!" مومو نے بری طرح کھول کر شمس کو مخاطب کیا تھا۔
"اب انہیں کیوں لا رہی ہو درمیان میں؟" شاہ رخ نے اسے گھورا تھا، دوسری جانب سارہ نے مسکراتے ہوئے شمس کو دیکھا تھا جو مسکراتے ہوئے ان دونوں کو ہی دیکھ رہے تھے۔
"اب کھڑی گھور کیا رہی ہو، آؤ اُدھیڑو مجھے، شکل جا کر پہلے آئینے میں دیکھ لو، نفسیاتی....!" شاہ رخ نے اسے گھورا تھا۔
"سن رہے ہیں، نفسیاتی بول رہا ہے مجھے، ابھی میں نے کچھ کہہ دیا تو سب کو آگ لگ جائے گی"۔ مومو نے بھڑک کر شمس کو دیکھا تھا۔
"کوئی غلط بات نہیں کی اس نے، بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے"۔ مسکراہٹ چھپائے وہ اطمینان سے بولے تھے۔
"جا رہی ہوں میں، اب شکل بھی نہیں دکھاؤں گی، دو دن نہیں نظر آؤں گی ناں تو دماغ ٹھکانے آ جائیں گے سب کے"۔ شدید ناراضی کے ساتھ تن فن کرتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔
"بیٹا! تو باہر تو آ ذرا اب"۔ جاتے جاتے وہ جس طرح چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شاہ رخ کو دھمکاتی ہوئی گئی تھی، بے ساختہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اس نے شاہ رخ کے شرمندہ چہرے کو دیکھا تھا، جبکہ شمس خود بھی مسکراتے ہوئے جانے کے لیے پلٹ گئے تھے۔
"بڑی ہنسی آ رہی ہے تمہیں، ایسے ہی جھگڑے کرواتی رہیں ناں تو ساتھ گزارہ مشکل ہے"۔ مصنوعی خفگی کے ساتھ شاہ رخ نے بتایا تھا۔

"مجھے الزام مت دو، تمہیں ہی شوق ہے اس سے مار کھانے کا"۔ وہ مسکراہٹ چھپائے بولی تھی۔
"ہاں یہ تو ہے، قسم سے مار کھانے کے لیے بچ کرتی ہے تو رگ رگ میں زندگی دوڑ جاتی ہے"۔ وہ شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا، جبکہ وہ خود بھی ایک بار پھر ہنسی تھی۔
"اوئے ہوئے، بھابی کیا لگ رہی ہیں آپ، ساڑھی میں لش پش"۔ وہ اب سدرہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، جو شیری کو گود میں اُٹھائے کمرے سے باہر آ رہی تھیں۔
"مجھے چھوڑو، میرے بیٹے کو دیکھو، لگ رہا ہے نا پورا چاند؟" سدرہ نے مسکراتے ہوئے سوٹڈ بوٹڈ شیری کا چہرہ اس کی طرف کیا تھا۔
"اللہ معاف کرے روتا ہوا چاند، وہ بھی ڈنر سوٹ میں"۔ اس کے کوٹ کی جیب میں دودھ کی بوتل یاد سے رکھ دیجیے گا"۔ شاہ رخ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔
"کبھی میرے بچے کی عزت مت کرنا"۔ سدرہ اسے گھورتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ڈریسنگ پر رکھی گلاب کی نازک منہ بند کلی کو اُٹھاتے ہوئے اس نے ساتھ ہی رکھے اس خوبصورت سے کارڈ کو بھی اُٹھایا تھا۔

"تم اور سورج دونوں ایک جیسے ہو
دونوں آنگن میں اُترو تو جھلمل ہونے لگتی ہے
دونوں کی حدت سے دل کی برف پگھلنے لگتی ہے
دونوں آنکھ کی وسعت سے بڑھ جاتے ہو
دونوں آنکھیں چُندھیاتے ہو
دونوں آگ میں جھلساتے ہو"

چند لمحوں تک اس مانوس تحریر کو دیکھتے رہنے کے بعد کچھ چونکتے ہوئے، اس نے سرعت سے وہ دونوں چیزیں ڈریسنگ کی دراز میں رکھی تھیں اور پھر پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔
"بھابی! اس نے چلنا کب سے شروع کر دیا؟" خوشگوار حیرت کے ساتھ سدرہ سے پوچھتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر شیری کو گود میں اُٹھایا تھا، جو لڑکھڑائے قدموں کے ساتھ اس کی طرف ہی آ رہا تھا۔
"تمہیں اس سے کیا، اتنی فرصت تو ہے نہیں تمہارے پاس کہ میرے بیٹے کی طرف ہی دیکھ لو"۔ ناراضی سے اس کو گھرکتے ہوئے وہ ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھیں۔
"میں اُسے ہی تو دیکھتا ہوں، ہے ناں شیری؟" وہ شیری کے چہرے پر پیار کرتے ہوئے اُس سے ہی پوچھ رہا تھا۔
"آپ کہیں جا رہی ہیں کیا؟" وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا، جو آئینے کے سامنے کھڑیں ادھ کھلے بالوں میں برش پھیر رہی تھیں۔
"کیوں پوچھ رہے ہو؟" فوراً ہی ابرو چڑھا کر وہ آئینے میں اس کے عکس کو گھور رہی تھیں۔
"کیونکہ آپ گھر میں تو اس طرح نہیں رہتی ہیں تو.....!"
"تم لوگ نہیں رہنے دیتے ہو مجھے اس طرح"۔ فوراً ہی اس کی طرف پلٹتے ہوئے وہ غرائی تھیں جس پر اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ذرا سی لپ اسٹک بھی لگا لوں، تو سب مل کر میرا ریکارڈ لگا دیتے ہو، دیور ہیں کہ پتا نہیں دشمن"۔ ان کے مزید ناراض ہونے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"میں کہاں آپ کو کچھ کہہ رہا ہوں، صرف یہ پوچھ رہا ہوں آپ کہاں جا رہی ہیں؟" وہ بولا تھا۔

"پھپھو کی طرف، ان کے گھر میں خوشی ہے تو ظاہر ہے جانا تو ضروری ہے"۔ وہ بولی تھیں۔

"اچھا....!" ایک طنزیہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھری تھی۔

"لگتا ہے آپ کی بہن نے پھپھو کے صاحبزادے کے لیے ہاں کر کے آپ کی خوشیوں کو بھی دوبالا کر دیا ہے"۔

"خبردار! جو کوئی فضول بات کی تم نے"۔ سدرہ نے فوراً ہی اسے گھورا تھا۔

"خوشیاں میری نہیں پھپھو کی دوبالا ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ عاشر کی اپنی بیوی سے صلح ہو گئی ہے اور وہ اب اس کے ساتھ ہی ہے اور دوسرا یہ کہ وہ آج اپنے بچے کا عقیقہ کر رہا ہے، دنیا میں رہو، تو کوئی خبر ہونا تمہیں"۔ وہ ڈپٹنے والے انداز میں بولی تھیں جبکہ وہ ان کی بات سنتے ہوئے چند لمحوں کے لئے دنگ ہی رہ گیا تھا۔

"اور اب ذرا تم بھی شرافت سے میرے میاں جی سے صلح کر لو، سیدھے منہ ان سے بات تک نہیں کرتے ہو، دماغ پھر گیا ناں ان کا تو ہوش درست ہو جائیں گے تمہارے بھی"۔ ان کے گھر کنے والے انداز پر وہ خاموش ہی رہا تھا۔

"اسے ذرا سنبھالو، یہ تو تیار ہو گیا ہے مگر ابھی ان کے والد محترم کی تیاریاں باقی ہیں، میں دیکھ لوں ذرا جا کر"۔ اس سے کہتے ہوئے وہ دروازے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

"ابھی تک ایک ٹائی نہیں مل سکی ہے تمہیں، میرے ہی کاموں کے لیے ہاتھوں میں سستی آ جاتی ہے"۔ وہ ان کے سر پر کھڑے مستقل جھلا رہے تھے جو مزید بوکھلا گئی تھیں۔

"اور یہ تمہیں مشورہ کس نے دیا تھا، اس قسم کا واہیات لباس پہننے کا، اور کوئی ڈھنگ کا لباس نہیں تھا؟" وہ مزید ان پر غصہ ہوئے تھے، جو بار بار ساڑھی کی فال میں اُلجھی جا رہی تھیں، دوسری طرف ڈریسنگ کے سامنے کھڑی سارہ نے حیرت سے پلٹ کر پہلے شمس کو پھر سدرہ کو دیکھا تھا، آف وہائٹ اور سلور امتزاج کی ساڑھی میں بلاشبہ وہ غضب ڈھا رہی تھیں اور اس پر ان کی پشت پر لہراتے سیدھے سیاہ بال، اس وقت تو ان کی چھب ہی قیامت خیز تھی۔

"بڑے بھائی! ذرا دھیان سے دیکھیں، بھابی اس ڈریس میں "مس" ایشیاء پیسیفک" نظر آ رہی ہیں"۔ جوتے پالش کرتا شان ڈرتے ڈرتے ان سے اختلاف کر ہی گیا تھا۔

"تم بھی ذرا دھیان سے یہ جوتے پالش کرو، ورنہ ایسا نہ ہو کہ یہی جوتا ہو، اور نیچے تمہارا سر ہو، اتنا تو ہوتا نہیں ہے کہ بڑے بھائی کا کوئی کام بولے بغیر کر دو، سارے زمانے کے نکمے کام چور میرے گھر میں بھرے پڑے ہیں"۔ شان کو بُری طرح ڈانٹتے ہوئے وہ ڈریسنگ کی طرف بڑھے تھے۔

"تم تو ہٹ جاؤ اب یہاں سے، اور سج سنور کے جاؤ تا کہ تمہاری پھپھو صاحبہ ایک کے بعد اب اپنی کسی دوسری نالائق اولاد کے لئے تمہارے نام کی مالا جپنا شروع کر دیں"۔ ان کے گھر کنے پر وہ فوراً ہی آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھیں۔

"ویسے تمہاری پھپھو کے پاس بھی بڑا ٹائم تھا، بغیر کسی بریک کے لڑکوں کی لائن لگا رکھی ہے انہوں نے"۔ پرفیم اسپرے خود پر کرتے ہوئے وہ جس طرح بولے تھے وہ تو بمشکل ہی ہنسی روک سکی تھی، مگر شان کی ہنسی بلند ہوئی تھی، جس پر سدرہ کو آگ ہی لگ گئی تھی۔

"کیا بول رہے ہیں آپ، بزرگ خاتون ہیں انہیں تو بخش دیں"۔ وہ شدید ناراضی سے انہیں دیکھتے ہوئے قریب آ رہی تھیں، جو خود بھی مسکرا رہے تھے، مگر دروازے کی سمت نگاہ جاتے ہی سنجیدہ ہو چکے تھے۔

شیری کو گود میں اُٹھائے اندر آتے ہوئے بس ایک نگاہ غلط اس پر ڈالی تھی، جو اپنا سیاہ جھلملاتا دوپٹہ سنبھالتی جھکائے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

"ٹائی باندھ رہی ہو یا میری گردن میں پھندا ڈال رہی ہو؟" وہ خوامخواہ سدرہ پر بگڑ کے تھے۔

"بھابی! آپ اسے سنبھالیں، میں ٹائی باندھ دیتا ہوں"۔ شیری کو سدرہ کے حوالے کرتے ہوئے اس نے ٹائی اس کے ہاتھ سے لی تھی۔

"رہنے دو، میں یہ کام خود کر سکتا ہوں"۔ ناگواری سے اسے روکتے ہوئے شمس نے اس کے ہاتھ سے ٹائی لینا چاہی تھی جو کہ اس نے نہیں دی تھی۔

"بڑے بھائی! چھوٹے کو یہ کام کرنے دیں ورنہ آج آپ کے سسرال میں بھی سب کو پتا چل جائے گا کہ آپ کو ٹائی باندھنی ہی نہیں آتی ہے"۔ کمرے سے باہر نکلتے شان کی ہدایت پر وہ مسکراتے ہوئے ان کے قریب ہوا تھا۔

"میں منع کر رہا ہوں، سنائی نہیں دے رہا تمہیں؟" سختی سے وہ اسے روکتے ہوئے بولے تھے مگر وہ ذرا بھی پرواہ کیے بغیر ٹائی بڑے ماہرانہ انداز میں باندھنا شروع کر چکا تھا، البتہ مسکراتی نظروں سے ان کے ناراض چہرے کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو اس طرح، زہر لگ رہے ہو اس وقت مجھے"۔ وہ ناگواری سے اسے ٹوک گئے تھے۔

"آپ کو دیکھ رہا ہوں، یہ دن بدن نکھرتے کیوں جا رہے ہیں آپ؟" مسکراہٹ چھپائے وہ ان سے پوچھ رہا تھا، دوسری جانب وہ چند لمحوں تک اس کے چہرے کو دیکھتے رہے تھے، پھر بے اختیار ہی اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"مجھ سے ناراض مت ہوا کرو یار! میں دنیا سے کیا اپنے آپ سے بھی بیزار ہو جاتا ہوں"۔ اس کی پشت کو دھیرے سے تھپتھپاتے ہوئے وہ گہرے سنجیدہ لہجے میں بولے تھے۔

☆.....☆.....☆

رات کافی ہو چکی تھی، مگر نیند سے خالی آنکھوں کے ساتھ در و دیوار تکتے ہوئے پتا نہیں وہ کن سوچوں میں گم تھی۔ قریب ہی سوئی ہوئی ہنی کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ چونکی تھی، اور پھر یکدم ہی اُٹھ کر تیزی سے کھڑکی کی جانب بڑھی تھی، ذرا سا پردہ سرکا کر اس نے باہر تاریکی میں کچھ دیکھنے کی کوشش کی تھی، جہاں وہ گرل بند کرنے کے بعد اب اندر کی سمت ہی آ رہا تھا، کھڑکی سے ہٹ کر وہ تیز قدموں کے ساتھ دروازے کی سمت چلی گئی تھی، بس ایک پل کو ٹھٹک کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا، جو اچانک ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھی، اگلے ہی پل اس پر سے نظر ہٹائے آگے بڑھ گیا تھا، تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بروقت ہی اپنی جگہ پر رُکا تھا، کیونکہ وہ بہت سرعت سے سیڑھیاں چڑھتی اس کے مقابل آ رُکی تھی، خاموش نظروں سے وہ بس اسے دیکھ رہا تھا، جس کی سانسیں اس وقت پھولی ہوئی تھیں، دوپٹہ شانے سے پھسل چکا تھا، چہرے اور گردن کے گرد بالوں کی بے ترتیب لٹیں بکھر چکی تھیں، بہت مدھم روشنی میں لابنی پلکوں کے سائے اس کے صبیح چہرے کو کچھ اور پُراسرار بنا رہے تھے، دوسری جانب وہ جو اسے مخاطب کرنا چاہ رہی تھی، اس کی گہری نگاہوں میں زیادہ دیر تک دیکھ بھی نہیں سکی تھی، سو ایک بے بسی کے ساتھ نظر چُرا گئی تھی، مگر پھر چونک کر ریلنگ پر دھرے اپنے ہاتھ کی جانب دیکھا تھا جس کے نیچے رکھا وہ اپنا ہاتھ دھیرے سے نکال چکا تھا۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے مگر....!" وہ کترا کر نکل رہا تھا، تو اس نے فوراً اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر روکتے ہوئے کہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اس کی نم آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا، پھر اسی خاموشی کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہوئے اپنی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا تھا، جبکہ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی خوابناک روشنی میں اس کے گولڈن براؤن بالوں کی خمیدہ کن جھلک کو دیکھ رہی تھی۔ خاموشی بڑھنے لگی تھی، جب وہ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے قریب آ بیٹھی تھی۔ (جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عائشہ ذوالفقار

افسانہ

اسے کہنا

ورجینیا کے خوبصورت ساحل پر کھڑے ہوئے آج پھر اس کا شدت سے دل چاہا کہ اپنے ماضی کی وہ شاہرہ جس پر اس نے ہوش سنبھالتے ہی قدم رکھ دیے تھے ایک بار پھر گھوم کر آئے وہ شاہراہ جس پر چلتے چلتے

جب وہ 20 سال کا ہوا تو اپنے پہلو میں ہمیشہ اسے دیکھا' ہمیشہ اس کا ہاتھ تھام کر چلنے کی خواہش کی' اپنے قدموں کے نشانوں کے ساتھ ہمیشہ اس کے قدموں کے نقش دیکھے' وہ شاہراہ جس کی فضا میں ہمیشہ اس کی مہک محسوس کی' وہ جانتا تھا اس سیر کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا' وہ وہیں آ کھڑا ہوگا جہاں اب کھڑا ہے مگر دل نے دھکے دے دے کر اسے مجبور کردیا' اس نے آنکھیں بند کیں تو اس شاہراہ پر اسے ایک چند سالہ خوبصورت سا بچہ نظر آیا جو بہت ضدی تھا' بہت ہٹ دھرم تھا جس کی ماں اس کو جنم دیتے ہی مر گئی تھی جس کے باپ کے لئے بیٹے سے زیادہ بزنس اہم تھا' جس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا' جس کی خودسری اور سرد مزاجی کی وجہ سے کوئی اس کا دوست نہیں بنتا تھا' جو بہت ذہین تھا' بہت خوبصورت تھا' وہ بچہ جو اس شاہراہ پر چلنا شروع ہوا تو بہت چھوٹا اور تنہا تھا' وہ لڑکھڑاتا تو کوئی اسے تھامنے کو نہ آتا' اسے چوٹ لگتی اور وہ روتا تو کوئی اسے چپ نہ کروانے آتا' اسے ڈر لگتا تو کوئی آغوش میں نہ لیتا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ اس نے ڈرنا' رونا اور چیخنا ہی چھوڑ دیا' پھر یوں ہوا کہ اس شاہراہ کے ایک کنارے پر بنے بیکن ہاؤس کے باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے نومی مل گیا' لاپرواہ اور ہنس مکھ سا نومی جس نے بڑے مان اور بھروسے سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس نے چند لمحوں بعد تھام لیا اور یوں اس سفر میں اسے ایک ساتھی مل گیا' اس میں اور نومی میں صرف ایک فرق تھا' وہ اپنے خول کے اندر تھا اور نامی اپنے خول سے باہر' پھر ایک دن نومی نے اسے اس شاہراہ کے کنارے پر بنا ایک خوبصورت سا گھر دکھایا۔

''یہ کیا ہے نومی.....؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''میری اور تیری دوستی کی نشانی''۔ نومی ہنس کر بولا تھا اور اس گھر کے لان میں کبھی کبھی اس کے اور نومی کے علاوہ ایک اور فرد کا بھی اضافہ ہو جاتا اور وہ تھی نومی کی چھوٹی بہن تانیہ..... اسے شدت سے احساس ہوتا کہ نومی والی سائیڈ پر گھر زیادہ ہیں' اس کے پاپا کی شفقت کا گھر' اس کی ماما کی محبت کا گھر' اس کا اپنا گھر' تانیہ کا گھر' لیکن اس کی والی سائیڈ پہ کوئی گھر نہیں تھا' نومی والی سائیڈ زیادہ خوشنما تھی' خوشیوں کے درخت' مسکراہٹوں کے پھول' قہقہوں کے پرندے' لیکن اس کی والی سائیڈ پر صرف ریگستان تھا' خاموش اور وحشت ناک' ایک بار اس نے نومی سے اس بارے میں سوال کیا تو وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا تھا۔

''عکرمہ! تیرے پاس محبتیں نہیں ہیں' زندگی رنگین اور خوبصورت تب ہوتی ہے' جب کوئی آپ سے محبت کرے یا پھر آپ کسی سے محبت کریں''۔ وہ حیران ہوا۔

''مجھ سے محبت کرنے والا تو کوئی بھی نہیں ہے نومی!'' نومی مسکرایا۔

''تو پھر تو کسی سے محبت کر لے''۔ وہ چند لمحے بول نہ سکا۔

''کس سے.....؟''

''جو تجھے اچھی لگے جسے ایک بار دیکھ کر دل بار بار دیکھنے کو کرے' جو نگاہوں کے سامنے سے نہ ہٹے' جسے دیکھ کر تو باقی سب بھول جائے''۔ اور وہ اسے تب ملی جب اس نے اور نومی نے یونیورسٹی میں قدم رکھا۔ بی بی اے کی پہلی اسائنمنٹ کے لئے ان چاروں کا گروپ بنا تھا' عکرمہ' نومی' اریش اور زرتاشہ' اریش ظاہری طور پر لاہور کی ماڈرن لڑکیوں جیسی تھی' بلیو جینز' پنک ٹی شرٹ' کمر تک آتے بال اور کندھے پر پڑا بیگ اور ہاتھوں میں پکڑی فائل لیکن اندرونی طور پر وہ بالکل اس جیسی تھی' محروم' مغرور اور اکھڑ' زرتاشہ ملتان سے تھی اور اریش سے قطعی مختلف' گاؤن اور اسکارف میں ملبوس' صاف چہرہ اور شائستہ انداز وقاص جیسا چھچھورا لڑکا بھی اسے ''آپ'' کہہ کر بلاتا تھا' آہستہ آہستہ اسے پتہ چلا کہ اریش جیسی بھی تھی لیکن خلوص سے مالا مال تھی' اس نے ایک بار زرتاشہ کا ہاتھ تھاما تو پھر دوبارہ نہیں چھوڑا' پہلے سمسٹر کے دوران ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اپنی کلاس میں وہ سب سے زیادہ ذہین ہے' ذہین تھا' امیر تھا' لڑکیاں اس کی طرف کھنچی چلی آتیں' لیکن اس کے خول سے ٹکرا کر واپس چلی جاتیں' اب اس سفر میں وہ چار ہو گئے تھے' آہستہ آہستہ اسے لگا جیسے اس کی سائیڈ والے ریگستان میں ہلکا ہلکا سبزہ پھوٹ رہا ہے' لیکن اس نے اسے اپنا وہم سمجھا پھر دل باغی ہونے لگا' اسے لگتا جیسے صحرا کی تندی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہو' جیسے بادل اکٹھے ہو رہے ہوں لیکن دل کا کینوس ابھی تک خالی تھا' ابھی تک آنکھوں میں کوئی شبیہ نہیں بنی تھی' ایک دن یونہی اس نے زرتاشہ سے کہا تھا۔

''زری! میں بہت تنہا ہوں' کیا کروں.....؟'' وہ مسکرائی تھی۔

''میں نے بھی ایک دفعہ کسی سے پوچھا تھا یہ سوال' جانتے ہو مجھے کیا جواب ملا تھا''۔ اس کی نظریں سوالیہ ہو گئیں۔

''زرتاشہ! تم محبت کر لو محبت کرنے والے کبھی تنہا نہیں ہوتے محبت انہیں تنہا ہونے ہی نہیں دیتی''۔ وہ خاموش ہو گیا۔

''یعنی میں محبت کر لوں.....؟'' اس نے پوچھا تو زرتاشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اس سے پوچھ نہ سکا۔

''کیا تم نے بھی کر لی محبت.....؟'' پوچھ لیتا تو شاید آج یوں اس ساحل پر تنہا نہ کھڑا ہوتا۔

☆

یونہی چلتے چلتے اسے ہوش تب آیا' جب ایک گاڑی زن سے اس کے پاس سے گزری' وہ ٹھٹک گیا' اس گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے چہرے نے پہلی بار اسے اس کی محبت کا ادراک کروایا تھا اور اس گاڑی میں بجتے میوزک نے پہلی بار اسے اس کی محبت کا یقین دلایا تھا' اس نے ماضی میں کھو کر ایک دفعہ پھر چلنا شروع کر دیا' فاطر دوسرے سیمسٹر کے شروع میں آیا تھا' رفتہ رفتہ اس کی فاطر سے ناپسندیدگی بڑھتی گئی اور جس دن فاطر نے اس کے اور نومی کے سامنے زرتاشہ کا ہاتھ پکڑا اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''چھوڑو اس کا ہاتھ''۔ اس روز اپنے سرد لہجے سے وہ خود گھبرا گیا تھا' اسے غصہ کیوں آیا' وہ سمجھ نہ سکا لیکن وہ حیران رہ گیا' جب اس نے ریگستان میں اُگے چھوٹے چھوٹے سبز پودے دیکھے۔

بجنی پاس بلاؤ نا یہ دل آج ٹوٹا ہے
ساجن مان جاؤ نا کہ وہ آج روٹھا ہے

جب اس نے پہلا گانا گایا تھا تو یہ ہی گایا تھا' اس دن بجنی کے روپ میں اس نے صرف زرتاشہ کو دیکھا تھا' اپنی آنکھوں میں صرف اسے ڈھونڈا تھا' اپنی زندگی کے ہر پل میں صرف اسے سوچا تھا' اپنے دل کے کینوس پر صرف اس کی تصویر بنائی تھی اس دن اسے یقین ہو گیا کہ اسے زرتاشہ سے محبت ہے اس دن صحرا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا' اس دن اس کی والی سائیڈ سبزہ زار ہو گئی' زرتاشہ کی محبت کے پھول اس نے خود لگائے اور ایک دن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ درختوں اور بادلوں میں چھپا بہت خوبصورت محل اس کی والی سائیڈ پر کھڑا ہے' یہ اس کی محبت کا محل تھا لیکن یہ اس کی منزل نہیں تھا۔

''میری منزل وہ محل ہو گا جو زرتاشہ میرے لئے بنائے گی''۔ اس نے جیسے خود سے عہد کیا۔

''میں زرتاشہ سے بہت محبت کروں گا' اتنی کہ وہ میرے لئے محل ضرور بنائے گی اور جس دن بنائے گی اس دن اس کا ہاتھ تھام کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے اپنا لوں گا''۔ اس نے اپنی محبت کا محل زرتاشہ کو نہ دکھایا' اس کا پیار اپنی آنکھوں میں سجا کر اس کی محبت کا محل ڈھونڈنے چل پڑا۔

خود پر یقین اتنا تھا کہ راستوں کی طوالت نظر انداز کر دی' خود پر مان اتنا تھا کہ ایک لمحے کو بھی نہ سوچا کہ محل نہ ملا تو کیا کرے گا' اس کے بغیر کیسے جیئے گا' اس دن اس نے بہت عام سی زرتاشہ کو اپنے دل میں بہت خاص جگہ دے دی' اپنی تمام تر خوبصورتی' دولت اور ذہانت کے ساتھ اس کے آگے جھکتا چلا گیا' اس دن کے بعد سے اس کے ہونٹوں پر دائمی مسکراہٹ سج گئی' اس کی والی سائیڈ دن بدن خوبصورت ہوتی چلی گئی' اور اس نے زرتاشہ سے پوچھے بغیر دل کے کورے صفحے پر اس کا نام لکھ لیا' پوچھ لیتا تو آج یوں تنہا اس ساحل پر نہ کھڑا ہوتا۔

☆

تبھی وہ اچانک رک گیا' شاہراہ پر ایک طرف ایک بورڈ لگا ہوا تھا' اس پر اس کی اور نومی کی تصویر تھی اور نیچے لکھا تھا۔

Pepsi Forever Taste

Forever اس کا اور نومی کا بینڈ' اس بینڈ سے دو گانے گانے کے بعد اس کی جھولی میں ایک اور چیز آ گری' شہرت' اور تب اسے احساس ہوا کہ شہرت دولت سے بھی زیادہ تیز نشہ ہے' اپنی البم کے پہلے گانے کا آخری مصرعہ اسے آج بھی یاد تھا۔

''اسے کہنا
جی تو لوں گا اس بن مگر
کیا واقعی یہ زندگی ہو گئی
اور آج ساحل پر کھڑا اس کا وجود چیخ چیخ کے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصرعے کی تصدیق کر رہا تھا' وہ زندہ تھا' اس کے بغیر سانس لے رہا تھا لیکن کیا واقعی وہ زندہ تھا' اس بات کا جواب ڈھونڈتے ہوئے اسے پورے اڑتالیس ماہ یعنی چار سال ہو چکے تھے' تبھی اسے اپنے سینے پر کسی کا لمس محسوس ہوا' اس دن وہ سو رہا تھا' جب اسے پتہ چلا کہ زرتاشہ اغواء ہو گئی ہے اس دن زرتاشہ کو ڈھونڈتے ہوئے اسے لگا جیسے اس کے سارے جذبات عیاں ہو جائیں گے۔

''کل فاطر آیا تھا ہاسٹل زرتاشہ سے ملنے' اسے کہنے لگا مجھ سے شادی کر لو' زرتاشہ نے منع کر دیا' جاتے جاتے اسے دھمکی دے گیا کہ تمہیں دیکھ لوں گا' آج جب میں اور زرتاشہ مارکیٹ گئے تو وہ اغواء ہو گئی''۔ عمارہ' زرتاشہ کی روم میٹ نے روتے ہوئے بتایا' اسے زرتاشہ کو ڈھونڈتے صبح سے شام ہو گئی' ہاسٹل کا معاملہ اریش نے سنبھالا' اسے آج بھی یاد تھا جب پورے اڑتالیس گھنٹوں بعد وہ اور نومی فاطر کو زبردستی وہاں لے کر آئے جہاں زرتاشہ بند تھی تو وہ دروازہ کھول نہیں سکا تھا' اور جب کھولا تو بغیر دوپٹے کے کھلے بالوں والی زرتاشہ اس کے وجود سے آ لگی' وہ اس قدر حیران ہوا تھا کہ اس کے گرد بانہیں بھی نہیں پھیلا سکا تھا۔

''عکرمہ! مجھے چادر لا دو' مجھے یہاں سے لے چلو''۔ اس کی شرٹ بھگوتے ہوئے وہ صرف اتنا کہہ رہی تھی' اس کے صرف دو دن بعد اس نے فاطر کو یونیورسٹی سے نکلوا دیا' اس دن ان کے گروپ میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا' فراز' جس کی دنیا اریش سے شروع ہو کر اریش پر ختم ہو جاتی تھی' اس نے ہی فاطر کو ڈھونڈا تھا۔

''فراز تم سے بہت پیار کرتا ہے ارشی''۔ اس نے ایک بار کہا تھا۔

''مگر میں اس سے پیار نہیں کرتی''۔ اس نے صاف جواب دیا۔

''تو پھر کس سے کرتی ہو.....؟''

''میں جس سے پیار کرتی ہوں وہ مجھ سے پیار نہیں کرتا اور مجھے اس دن کے آنے کی کوئی امید بھی نہیں' جب وہ میری طرف آئے گا''۔ اس نے اریش کی نگاہوں میں جھانک کر نظریں چرائی تھیں' اور اگلی صبح وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سفید موتیوں کا ایک محل اس کی والی سائیڈ پر کھڑا ہے' یہ اس کے لئے اریش کی محبت کا محل تھا' اریش اسی محل کے دروازے پر اس کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی' لیکن یہ محل اس کی منزل نہیں تھا' وہ چند لمحے رکا پھر اریش کو خالی ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا' اسے زرتاشہ کے محل میں جانا تھا۔

☆

اب کہ وہ رکا نہیں چلتا رہا' اسے بہت کچھ نظر آیا' بہت سے سائننگ بورڈ جو Forever کی شہرت کے گواہ تھے' شاہراہ کے دونوں طرف بنے کنسرٹس ہال جہاں Forever کے لئے پورا لاہور جمع ہوتا تھا' بڑی بڑی سلور اسکرین اور چھوٹی اسکرینز' جس کے پردے پر صرف فلم اسٹار اریش کی تصویریں چلتی تھیں' بہت سے مارننگ شوز جہاں صرف فار ایور کو بلوانے کی فرمائش ہوتی تھی' وہ تینوں وقت کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے تھے اور وقت ان پر شہرت لٹا رہا تھا' وہ کئی انٹرنیشنل کنسرٹس بھی کر چکے تھے' اریش کے سامنے ڈراموں' فلموں اور ماڈلنگ کی آفرز کے انبار لگے ہوئے تھے' پھر اچانک وہ رک گیا' شاہراہ کے سائیڈ پر بنا اس کی اور نومی کی دوستی کا خوبصورت گھر جسے بنے 15 سال ہو گئے تھے' تباہ ہو چکا تھا' کیا ہوا تھا' اس نے سوچا' کچھ بھی نہیں' اسے اپنی مرضی چلانے کی عادت تھی' دھونس جمانے کی عادت تھی' اس کی اور نومی کی دوستی صرف اس لئے تھی کہ وہ کہتا اور نومی مان لیتا' اب جب اس نے کہا اور نومی نے نہ مانا تو مسئلہ ہو گیا وہ اپنی جگہ سے ہٹنے کو تیار نہ تھا اور نومی خود کو غلط کہلوانے پر تیار نہ تھا' اریش اور زرتاشہ روکتی رہ گئیں مگر وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

''تو صاف صاف کہہ نومی کہ مجھ سے تنگ آ گیا ہے''۔ وہ سرد لہجے میں بولا۔

''میں نے تو ایسا نہیں کہا''۔ نومی نے کندھے اچکائے۔

''کہنا تو یہ ہی چاہتا ہے نا''۔ وہ بولا۔

''میں نے کچھ نہیں کہا' نہ کہنا چاہتا ہوا' تو ایسا سمجھ رہا ہے تو سمجھ لے''۔ نومی بولا۔

''مجھ سے تیری دھونس برداشت نہیں ہوتی''۔

''اب تک کیوں کرتا آیا ہے پھر؟'' اسے بھی غصہ آیا۔

''کیونکہ میں بیوقوف تھا''۔

''تو ٹھیک ہے اب عقل پکڑ لے کیونکہ میں تو عادت بدل نہیں سکتا''۔ زرتاشہ اور اریش نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا وہ اٹھا اور چلا آیا پھر ان دونوں نے لاکھ سمجھا لیا لیکن وہ نا مانا' نہ نومی' تانیہ نے بھی بھائی کو سمجھایا مگر بے سود' فراز نے دونوں کی صلح کروانی چاہی لیکن وہ جھکنے کو تیار نہیں تھا اور نومی اسے جھکائے بغیر جھکنا نہیں چاہتا تھا' دوستی کا گھر ملبے کا ڈھیر بنتا چلا گیا' فار ایور ٹوٹ گیا' وہ الگ ہو گیا نومی نے وقاص کے ساتھ مل کر بینڈ بنا لیا' وہ اپنی طرف آ گیا اور نومی شاہراہ کے دوسری طرف چلا گیا' وہ دونوں کبھی اس کے ساتھ چلتیں' کبھی نومی کے ساتھ چھ ماہ گزر گئے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی نہ جھکا' تبھی زن سے کوئی گاڑی اس کے پاس سے گزری اور اس میں بیٹھے چہرے کو دیکھ کر اسے وہ دن یاد آ گیا' جب وہ لاسٹ سمسٹر کے بعد زرتاشہ کے ساتھ ملتان گیا تھا' دونوں یونیورسٹی کی طرف سے آئے تھے' وہیں زرتاشہ نے اسے اس سے ملوایا تھا۔

''عکرمہ! میرا کزن ہے حاشر''۔ اسے حاشر خاصا معتول لگا تھا اور تبھی وہ ایک فیصلہ کر کے اگلے دن اس سے ملنے آ گیا تھا۔

''پتہ نہیں مجھے یہ بات آپ سے کرنی چاہئے یا نہیں' لیکن اگر میں نے زرتاشہ سے کی تو وہ ناراض ہو گی''۔ حاشر حیران ہوا تھا۔

''کون سی بات.....؟''

''حاشر! آپ کے ہاں ذات برادریوں کا تو کوئی سسٹم نہیں ہے نا' میرا مطلب ہے برادری سے باہر شادیاں کرنے' رواج ہے؟'' حاشر ٹھٹک گیا۔

''کیوں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں.....؟''

''دراصل میں زرتاشہ کو پرپوز کرنا چاہ رہا تھا''۔ حاشر چپ رہ گیا۔

''آپ پلیز خفا نہ ہوں لیکن میں نے سوچا کہ آپ مجھے بہتر بتا سکتے ہیں''۔ حاشر چند لمحے چپ رہا پھر بولا۔

''کہے بھیجیں گے آپ.....؟'' وہ مسکرایا۔

''اپنے پاپا کو.....'' حاشر مسکرایا۔

''بھیج دیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا''۔ اور وہ مسکراتا ہوا واپس آ گیا تھا' کاش وہ یہ بات حاشر سے کرنے سے پہلے زرتاشہ سے کر لیتا تو آج یوں بے سرو ساماں ساحل پر نہ کھڑا ہوتا۔

☆

اچانک وہ رک گیا' بادلوں اور درختوں میں چھپا وہ خوبصورت محل جو اس نے زرتاشہ کی محبت میں بنایا تھا' زمین بوس ہو چکا تھا' اس کا دل شدت سے دکھا' وہ ایک بار پھر زرتاشہ کے سامنے اس آڈیٹوریم میں جا کھڑا ہوا' جہاں چار سال پہلے کھڑا ہوا تھا۔

''مجھے یہاں کیوں لائی ہو زری!'' وہ حیران ہوا۔

''تم آتے ہوئے حاشر سے میرے اور اپنے بارے میں کیا الٹا سیدھا بکواس کر کے آئے ہو''۔ وہ الفاظ سے زیادہ اس کے لہجے کی سختی پر ٹھٹک گیا۔

''کیا مطلب زری.....؟'' وہ بس اتنا کہہ سکا۔

''مطلب یہ کہ تم بس شخص کے سامنے میرے اور اپنے عشق کی الٹی سیدھی' سچی جھوٹی داستانیں سنا کر آئے ہو وہ منگیتر ہے میرا''۔ پہاڑ تھا جو اس کے سر پر گرا تھا۔

''وہ پتہ ہے مجھ سے کیا کہہ رہا تھا زری! اس خوبصورت اور مغرور لڑکے کے سادہ سے چہرے پر پھیلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبت کے رنگ میں نے ایک لمحے میں دیکھ لئے تو تمہیں کیا چار سالوں میں نہ نظر آئے' بولو عکرمہ! کیوں اپنے اور میرے بارے میں یوں الٹا سیدھا ہانک کر آئے ہو"۔ اس کی بس ہوگئی۔

"زری! تم مجھے جو مرضی کہہ لو لیکن میرے سچے اور پاکیزہ جذبوں....." زرتاشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہونہہ..... پاکیزہ جذبے' خود غرض جذبے کہو وقتی جذبے"۔ وہ کچھ بول نہ سکا' اسے زرتاشہ کا محل مل گیا تھا' مگر دروازے بند تھے' اسے اندر آنے کی اجازت نہیں تھی' مسافر وہ تھا مگر منزل کسی اور کے لئے تھی' منزل اس کی تھی مگر نام کسی اور کے تھی۔

"عکرمہ! میں نے بچپن سے ہی بہت محرومیاں دیکھی ہیں' نہ ماں کی محبت ملی نہ باپ کی شفقت' بڑی مشکلوں سے میں نے حاشر کو اپنی تنہائی کا ساتھی بنایا ہے' خدا کے لئے تم مجھ سے میری خوشیاں نہ چھینو' مجھے میری محبت سے دور نہ کرو' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں عکرمہ! تم میرے اور حاشر کے بیچ مت آؤ' تم میرے راستے کی دیوار نہ بنو' تم جاؤ میری زندگی سے دور' بھول جاؤ مجھے"۔ دونوں ہاتھ باندھے زرتاشہ رو رہی تھی' اسے لگا جیسے وہ زبردستی اس کے محل میں داخل ہو رہا ہے اور وہ بمشکل اسے روک رہی ہے' اس نے زرتاشہ کے بندھے ہاتھ کھول دیئے۔

"زری! تم چاہتی ہو میں یہاں سے چلا جاؤں گا' چلا جاؤں گا' تم جانتی ہو میں تمہارے اور حاشر کے بیچ نہ آؤں نہیں آؤں گا' لیکن تم چاہتی ہو میں تمہیں بھول جاؤں' سوری زری کیا تم سانس لینا بھول سکتی ہو' پلک جھپکنا بھول سکتی ہو.....؟" زرتاشہ رو رہی تھی۔

"اگر بھول سکتی ہو تو شاید پھر میں بھی تمہیں بھول جاؤں"۔ اس رات اسے پتہ چلا کہ محبت ہمیشہ حاصل نہیں ہوتی' محبت حاصل ہو جانا اتنا آسان ہو تو ہر کوئی محبت کرنے لگے' اس رات اسے احساس ہوا کہ محبوب کی بات ٹالنا کتنا مشکل ہوتا ہے' لیکن ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ محبوب کی خاطر مر جانا آسان ہے' محبوب کی خاطر اسے چھوڑ دینا مشکل ہے' اور اس نے چھوڑ دیا' اس نے زری کو حاشر کے لئے چھوڑ دیا' ہر میوزیکل شو کی ہیڈ لائن بن گئی' فار ایور کے سنگر کی امریکا روانگی' اریش نے سنا تو دوڑی آئی اور اس کی حالت دیکھ کر سن ہوگئی' مایوس چہرہ شکستہ وجود۔

"کیا ہوا عکرمہ! امریکا کیوں جا رہے ہو.....؟" وہ بولی۔

"کیونکہ یہ میری محبت کی خواہش ہے"۔ وہ بے خود ہو رہا تھا۔ محبت کے علاوہ قدرت نے ہر چیز اس کی جھولی میں ڈال دی' لیکن اسے کچھ نہیں چاہئے تھا' اسے صرف محبت چاہئے تھی' وہی نہیں مل رہی تھی' جو اس نے نہیں مانگا تھا وہ مل گیا تھا اور جو مانگ رہا تھا وہ نہیں مل رہی تھی' اریش رو پڑی' اس کا پیار کسی اور کے پیار میں مرا جا رہا تھا۔

"رک جاؤ عکرمہ! میرے لئے....." وہ بڑی آس سے بولی۔

"نہیں اریش! اس نے پہلی بار مجھ سے کوئی خواہش کی ہے اور ویسے بھی محبت صرف ایک بار ہوتی ہے"۔ اریش نے سر جھکا لیا۔

"واقعی عکرمہ! محبت صرف ایک بار ہوتی ہے"۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی عکرمہ!"

"نہیں اریش! تم میری منزل نہیں ہو بلکہ میری تو کوئی بھی منزل نہیں ہے"۔ وہ بولا تھا۔

"تو ٹھیک ہے جب تھک جاؤں گی تو اپنا محل تو زکر فراز کے محل میں چلی جاؤں گی"۔

☆

وہ ایکدم رکا شاہراہ ختم ہوگئی تھی اور وہ کنارے پر کھڑا تھا' اس کے سامنے لامحدود سمندر تھا' جس رات وہ یہاں آیا تھا اس رات اس کا شدت سے دل چاہا تھا کہ روئے مگر وہ بے بس تھا' اس نے بہت چھوٹی عمر

میں ہی رونا بھلا دیا تھا' یہاں آ کر اسے پتہ چلا کہ تنہا جینا کیا ہوتا ہے' اپنے ملک میں بھی وہ تنہا تھا اور یہاں بھی مگر فرق یہ تھا کہ اپنے ملک کی تنہائی زخموں پر مرہم رکھتی تھی اور یہاں کی تنہائی زخم ادھیڑتی تھی' آج اس کی جلاوطنی کی سزا کا ایک اور دن ختم ہوگیا تھا' یہاں آ کر اس کی ہر چیز ختم ہوگئی' اکڑ' مغرور' تکبر' انا' دھونس' سب ختم ہوگیا' بہترین دوست وہ پہلے ہی کھو چکا تھا' محبت اس نے چار سال پہلے کھو دی' زرتاشہ اس کی زندگی میں کیوں آئی کیونکہ۔

Spcial peoples come in our life, only to tech us, how to live without them

زرتاشہ اس کی زندگی سے کیوں نکل گئی کیونکہ۔

"جب کچھ لوگ آپ کی زندگی سے دور جانے لگیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ظالم ہیں' بلکہ آپ کی اسٹوری میں ان کا جتنا رول تھا وہ ختم ہوگیا"۔ زرتاشہ ظالم نہیں تھی وہ اسے صرف یہ سمجھانے آئی تھی کہ زندگی تنہا بھی گزاری جا سکتی تھی' کسی کا ساتھ ضروری نہیں ہوتا' زندگی پلیٹ فارم ہوتی ہے جہاں سے مختلف مسافر گزرتے رہتے ہیں' لکڑی کی سیڑھی پر تنہا بھی چڑھا جا سکتا ہے' انسان محبت کے ملنے سے پہلے بھی جیتا ہے اور بعد میں بھی جیتا ہے' فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے جینے کے لئے سانس لیتا ہے' اور بعد میں سانس لینے کے لئے جیتا ہے' وہ بھی صرف سانس لینے کے لئے جی رہا تھا' اور پھر جیسے قدرت کو اس پر رحم آ گیا' اس کی زندگی کی شاہراہ سمندر کے سائیڈ سے گزر کے آگے کو چلی گئی اور اس شاہراہ پر اسے حاشر مل گیا لیکن اس کے پہلو میں زرتاشہ نہیں تھی۔

"زرتاشہ کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"تمہیں پتہ ہوگا"۔ حاشر بولا۔

"مجھے....." وہ حیران ہوا۔

"ہاں تمہیں میں نے اسے آزاد کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ تمہاری طرف لوٹ جائے تم اسے مجھ سے زیادہ خوش رکھ سکتے تھے"۔ اس کی دنیا زیروزبر ہوگئی' وہ صرف زرتاشہ کی خوشی اور آسودہ زندگی کی خاطر یہ جلاوطنی کاٹ رہا تھا اور زرتاشہ..... وہ دیوانوں کی طرح اپنی زندگی کی شاہراہ پر زرتاشہ کو ڈھونڈنے دوڑ پڑا' وہ امریکا سے واپس آ گیا' اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ اس نے زرتاشہ کی تلاش کے لئے وقف کر دیا۔

☆

یونہی زرتاشہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک دن وہ حیران رہ گیا' اریش کا محل زمین بوس ہو چکا تھا' اسے خوشی ہوئی۔

"خوش قسمت ہو اریش تم محبت تمہارے لئے حاصل نہ بن سکی' تم کسی کی محبت بن کر حاصل بن گئیں"۔ اس نے فراز اور اریش کے محل کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس سے کہا تھا' اریش نے سر جھکا لیا۔

"زرتاشہ آئی تھی میرے پاس"۔ وہ بولی وہ حیران ہوا۔

"کب.....؟"

"جس رات تم گئے تھے اس سے اگلی صبح"۔ وہ سن رہ گیا۔

"تمہیں ڈھونڈ رہی تھی پھر چلی گئی"۔ وہ بول نہ سکا۔

"میں نے اس سے سب کچھ پوچھا عکرمہ! اور اس نے مجھے سب بتا دیا' لیکن جب میں نے پوچھا کہ زرتاشہ تم تو خود محبت کی راہوں کی مسافر تھیں پھر عکرمہ کی آنکھوں کے دیپ تمہیں نظر کیوں نہ آئے تو کہنے لگی کہ....."

"کہ....." اس نے پوچھا۔

"کہ یہ دیپ تو مجھے تمہاری آنکھوں میں بھی نظر آتے ہیں تم روک لیتی اسے"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

"لیکن عکرمہ! زرتاشہ کی محبت زیادہ مضبوط تھی"۔ اور عکرمہ مزید وہاں نہ ٹھہر سکا' ایک بار پھر وہ اپنی شاہراہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر تنہا تھا لیکن آج اس کی شاہراہ سر سبز تھی' اس نے دوبارہ زرتاشہ کی محبت کا محل تعمیر کر لیا اور اب ایک بار پھر اس کی محبت کا محل ڈھونڈ رہا تھا' لیکن اس کی محبت کا محل تو تباہ ہو چکا ہوگا' اس نے سوچا' جب حاشر نے اسے دھتکارا ہوگا تو اس کا محل تو اسی دن تباہ ہو گیا ہوگا۔

''میں زرتاشہ کو اپنے محل میں لاؤں گا''۔ اس نے فیصلہ کیا ایک بار پھر وہ جینے کے لئے سانسیں لینے لگا' ایک بار پھر اس کی زندگی گانوں مارننگ شوز اور سائن بورڈز سے سج گئی' یونہی ایک دن اس کی نظر اپنے اور نومی کے دوستی کے گھر پر پڑی' وہ رک گیا۔

''میں اس دوستی کو دوبارہ تعمیر کروں گا''۔ کہتے ہوئے اس نے گاڑی نومی کے گھر کی طرف موڑ دی' لیکن یہ کیا؟ اصل شاہراہ پر نومی کا گھر کھڑا تھا اور اس کی شاہراہ پر نومی کی محبت کا محل کھڑا تھا' وہ حیران ہوتا ہوا اندر آ گیا۔

''کوئی فنکشن ہے تانیہ......؟'' اس نے پوچھا تو تانیہ اسے دیکھ کر ہی دم بخود رہ گئی۔

''آج نریمان کا نکاح ہے''۔ نومی کے ابو نے بتایا۔

''نومی دیکھو کون آیا ہے''۔ نومی اسے دیکھ کے ایکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

''آج تو نہ آتا تو کل میں نے آجانا تھا''۔ وہ صرف مسکرا سکا۔

''تیرے لئے ایک اور سرپرائز My wife zertasha''۔ نومی' زرتاشہ کا ہاتھ پکڑ کے اپنے محل میں لے گیا۔

تم میری آس' تم میری سانسیں' تم میرا جیون جاں
تم میری یادیں' تم میرے وعدے
تم میرا دکھ سکھ جان جاں
نہیں ہو خوابوں کی تعبیر' نہیں ہو تم میری تقدیر

وہ اس کا سب کچھ تھی بس قسمت نہیں تھی' وہ پلٹ آیا' اریش کا محل ٹوٹا تو اسے فراز مل گیا' زرتاشہ کا محل ٹوٹا اسے نریمان مل گیا اور وہ...... وہ کیا کرے؟ اس کا بھی محل ٹوٹ گیا ہے وہ کہاں جائے؟ آخر اس نے اریش سے نمبر لے کر زرتاشہ کو فون کیا۔

''ہیلو......'' چند لمحے وہ کچھ بول نہ سکا۔

''زری! مجھے کوئی گلہ نہیں ہے' کوئی شکوہ نہیں ہے' بس اتنا بتا دو کہ تمہاری خواہش پوری کرنے کی اتنی بڑی سزا کیوں......؟'' اس کی آواز بھرائی۔

''اگر حاشر کے سوا کوئی بھی تو پھر میں کیوں نہیں؟'' زرتاشہ چپ تھی۔

''میں اس قابل بھی نہیں تھا کہ تمہاری سیکنڈ چوائس بن جاتا......؟'' زرتاشہ کی سسکیاں ابھریں۔

''میرا قصور کیا ہے زری! جو سزا ہر بار مجھے ملتی ہے''۔ وہ اس سے پوچھ رہا تھا زرتاشہ صرف رو دی۔

''نومی! مجھے کل پنڈی سے لے کر آیا ہے عکرمہ''۔

''میں کوشش کروں گا زری! تمہیں بھولنے کی حالانکہ یہ ناممکن ہے' ایک دفعہ تمہاری خواہش پر جلاوطنی کاٹی تھی' اب اپنی خواہش پر کاٹ لوں گا''۔ اس نے فون بند کر دیا' 20 سال پہلے زندگی کی شاہراہ پر قدم رکھا تھا' 5 سال پہلے یہ شاہراہ سمندر نے بند کر دی اور سال پہلے اسے دوبارہ راستہ ملا' لیکن آج پورے 27 سال بعد اس نے خود اس شاہراہ کے سفر کو ختم کر دیا' ایک بار پھر اسی ساحل پر آ کھڑا ہوا کوئی پوچھتا۔

تم نے شادی کر لی' جواب دیتا ہاں
کس سے کی ہے' کسی کی یادوں سے
کس نے پڑھایا نکاح' مستقبل کے خوابوں نے
کیسی گزر رہی ہے زندگی''۔ وہ بولنے لگتا ہی تھا کہ آنسو چھلک پڑتے۔

''اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے' حق مہر میں زندگی لکھ دی ہے''۔

اور پھر رونا شروع کر دیتا' بہت روتا حالانکہ وہ رونا بھول چکا تھا۔ محبت کرنے والے کبھی تنہا نہیں ہوتے تو پھر وہ کیوں تنہا تھا......؟

☆

قرآن ہر ایک کے لیے

کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ آپ سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ آپ کی فلاح و بہبود کس طرح چاہتا ہے اور آپ سے کیا توقع رکھتا ہے؟ آپ کو اللہ کی محبت، شفقت اور اس کی رحمانیت کا اندازہ صرف اور صرف قرآن کو پوری طرح سمجھ کر پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

تفسیر
سورۃ العصر
مؤلف
مشتاق احمد قریشی

والعصر قرآن کی ایک ایسی مختصر سورۃ جس کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ کا قول ہے کہ اگر کسی نے سورۃ العصر کو سمجھ لیا تو یوں سمجھو پورے قرآن کو سمجھ لیا۔ کہتے ہیں دورِ رسالت میں جب دو اصحابی ملتے تھے تو وہ اس وقت تک رخصت نہیں ہوتے تھے جب تک ایک دوسرے کو سورۃ العصر نہ سنا لیتے۔

اگر آپ قرآن کو سمجھنا اور اپنی روح میں سمونا چاہتے ہیں لیکن عربی سے ناواقف ہیں تو یہ کتاب صرف اور صرف آپ ہی کے لیے ہے جس کے مطالعے سے آپ اپنی عافیت اور آخرت کا انتظام بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔

منگوانے کا پتہ
نئے افق گروپ آف پبلیکیشنز ڈاکٹر ملوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی
مکتبہ القریشی، اردو بازار، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلسلے وار ناول

اس دل میں بس ہو تم

''وہ اپنے لیے نہیں کہہ رہی تھی میں، آپ جانتے ہیں ہم سب کو ادینہ بہت عزیز ہے، اُس وقت بھی ہم میں سے کوئی اُس کا بُرا نہیں چاہتا تھا اور نہ اب ہم اُسے ناخوش دیکھنا چاہتے ہیں''۔ ماہی نے پھر سے اُس کی بات کاٹ کر

وضاحت دی، اور بڑی سہولت سے اُسے اپنی ذات سے ہٹا کر کہتے ہوئے اُسے دیکھنے لگی۔

''تو کیا ادینہ..... ماہی! ادینہ خوش تو ہے ناں، اُس کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟'' ادینہ کے ذکر سے وقار کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر اُبھرا تھا، جو ماہی کی سمجھ سے باہر تھا، وہ وقار کے اس انداز کو اُس کی ادینہ کے لیے فکرمندی کہتی یا پھر کچھ اور..... اُسے کچھ سمجھ نہ آیا۔

''اللہ نہ کرے کہ اُس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو، یا وہ ناخوش ہو، وہ معید بھائی کے ساتھ خوش ہے''۔ اور فوراً وقار کو بتایا۔

''اچھی بات ہے''۔ جواباً وہ اتنا ہی بولا، چہرہ اب کے بغیر کسی تاثر کے سنجیدہ تھا۔

''وقار بھائی! ایک بات بتائیں گے مجھے؟'' قدرے توقف کے بعد ماہی نے اُسے دیکھتے ہوئے اجازت طلب استفسار کیا۔

''پوچھو!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ادینہ سے شادی سے انکار کی کیا وجہ تھی، کیوں آپ اُس وجہ کو چھپا رہے ہیں اتنے عرصے سے؟'' اس نے ہمت کر کے پوچھا، شاید اُسے اپنی زندگی کے سلجھاؤ کے لیے بھی اس سوال کا جواب اور وقار کے انکار کی وجہ جاننی ضروری لگی تھی۔

''وجہ صرف میرے لیے معقول ہے، تم سب کے لیے وہ وجہ اہمیت نہیں رکھتی''۔ وہ بولا۔

''آپ بتائیں تو سہی''۔

''میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتا تھا''۔ وہ بتانے لگا۔

''پھر آج تک کیوں نہیں کی؟''

''ضرور کرتا مگر کچھ دن بعد ایک ایکسیڈنٹ میں اُس کی ڈیتھ ہو گئی تھی، سو میں نے کسی کو کچھ بتانا ضروری نہ سمجھا، آج اس لیے تمہیں بتا رہا ہوں کہ کم از کم تم مجھ سے نالاں مت ہو، میں بہت برا بھی نہیں ہوں''۔ وہ سر جھکائے اُسے بتانے کے بعد دھیرے سے بولا۔

''میں اب کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ جس سے کرنا چاہتا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے اور جس کی شادی مجھ سے ہو رہی تھی وہ میری وجہ سے رُسوا ہوتے ہوتے بچی، اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ کسی تیسری لڑکی کو مجھ سے کوئی تکلیف ہو''۔

''اب آگے سب ٹھیک ہو گا بھائی!'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''ان شاء اللہ!'' وقار نے فوراً کہا، پھر برادرانہ شفقت سے اُسے دیکھتے ہوئے ساتھ لگا کر بولا۔

''میں ہمیشہ تمہاری خوشی کی دعا کروں گا، اللہ تمہیں خوش و آباد رکھے''۔

''آمین!'' آہستگی سے کہتے ہوئے وہ سر جھکا گئی تھی۔

☆.........☆.........☆

''مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا''۔ فلک حیران کھڑی تھی، جبھی عثمان نے آگے بڑھ کر اس کے چٹکی کاٹی، وہ اُچھل کر اُس کی طرف مڑی۔

''آہ.....!'' دکھ بھری ''آہ'' منہ سے نکالی اور خونخوار نظروں سے اُسے دیکھا۔

''بدتمیز! چٹکی کیوں کاٹی مجھے؟''

''اس لیے کہ تمہیں یقین آئے کہ تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہیں، واقعی میں پاس ہو گئی ہو، مرتے مرتے ہی سہی پر F.A کلیئر ہو گیا ہے تمہارا''۔ عثمان نے وضاحت دیتے ہوئے اُسے یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی۔

''مرتے مرتے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ اچھے خاصے نمبروں سے پاس ہوئی ہوں میں''۔ وہ گھور کر اُسے دیکھتی بڑے فخر سے بولی، چہرے پر بے پناہ خوشی رقصاں تھی۔

''جبھی یقین نہیں آ رہا ہو گا''۔ تیمور نے پُر مزاح لہجے میں طنز کیا۔

''تم تو کچھ نہ ہی بولو موٹو!'' فلک نے اپنے مخصوص انداز میں اُسے گھر کا۔

''شٹ اپ.....!'' تیمور اپنی شان میں گستاخی کہاں برداشت کر سکتا تھا، برجستہ اُسے کہا، مگر آج وہ اچھے موڈ میں تھی، بجائے جواب پر جواب دینے کے مٹھائی کا ڈبہ لیے اُس کی طرف بڑھی جو عارف شاہ اُس کے پاس ہونے کی خبر سننے پر خوشی سے لائے تھے، مشارب کو ابھی تک نہیں پتہ تھا، وہ آفس میں تھا، البتہ وہ اس کے واپس آنے پر اُسے خوشگوار سرپرائز دینا چاہتی تھی، جبھی فون کر کے بھی نہ بتایا، گھر کے باقی مکین اُس کی کامیابی پر خوش تھے۔

''آج کے دن میں تم سے لڑنا ہرگز نہیں چاہتی، سنو! ایک اور مرتبہ منہ میٹھا کرو، میں صرف پاس ہی نہیں بلکہ اپنی محنت سے کامیاب ہوئی ہوں، اس لیے خوشی ڈبل ہے، تو مٹھائی بھی ڈبل کھاؤ''۔

''ضرور، ضرور.....!'' تیمور تو تھا ہی میٹھے کا شوقین، فوراً سے اُس کا کہا مانا اور مٹھائی اُٹھا کر منہ میں ڈالی۔

''پھر تو ٹریٹ بھی ڈبل ہونی چاہیئے''۔ عثمان نے اُس کی خوشی کا فائدہ اُٹھانے کے لیے فوراً فرمائش کی۔

''ہاں ہاں! کیوں نہیں، مگر نہیں''۔ جوش میں سر اثبات میں ہلاتے ہوئے یک دم اُسے کچھ یاد آیا، تو فوراً ڈائریکشن چینج کر کے سر نفی میں ہلایا۔

''کیوں نہیں؟''

''اس لیے نہیں کہ ٹریٹ نہیں دوں گی بلکہ اس لیے نہیں کہ میں نہیں دوں گی، کیونکہ مستبشرہ نے کہا تھا کہ اگر میں پاس ہوئی تو ٹریٹ وہ دے گی، اور میں نے ابھی تک یہ خوشخبری سنائی ہی نہیں، تم دونوں یہاں بیٹھو، میں اُسے فون کر کے بتاتی ہوں تا کہ جلد از جلد ٹریٹ کا بندوبست ہو سکے''۔ اپنی عادت سے مجبور فلک نے باتوں کا پہاڑ کھڑا کیا اور بات ختم کرتے ہی فون کی طرف بڑھی، ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کیا، دو تین بیل جانے کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو!'' دوسری جانب مستبشرہ ہی تھی۔

''ہیلو مستبشرہ! کیسی ہو؟'' فلک نے خوشگوار کھنکتی آواز میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں''۔ مستبشرہ کی آواز تھکی تھکی سی تھی، ان دنوں علی کو لے کر اُس کے خط اور اپنی کیفیت سے وہ بُری طرح اُلجھی ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہو تو پھر جلدی سے مجھے مبارکباد دو''۔ فلک کا انداز ہمیشہ کی طرح اپنی ہی خاصیت لیے بہت پیارا استحقاق بھرا تھا۔

''کس بات کی؟'' اُس نے پہلے وجہ پوچھنی چاہی۔

''میں نے K-2 کی چوٹی سر کر لی ہے''۔ وہ شوخی سے مسکراتی ہوئی بولی۔

''امیزنگ.....کیسے مگر؟'' مستبشرہ اُس کی عادت و شوخ و شریر طبیعت سے واقف اُسی کے انداز میں پوچھنے لگی، ایک مقصد فلک سے باتوں کا اپنے ذہن پر چھائی بے زاریت اور تھکاوٹ سے جان چھڑانا بھی تھا، بہت دنوں بعد فلک کی کال سے اُسے یہ موقع ملا تھا، جسے وہ شاید گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

''وہ ایسے کہ مابدولت نے انگلش کو مات دے کر F.A کلیئر کر لیا ہے''۔ اُس نے بتایا۔

''اوہ رئیلی.....! بہت بہت مبارکباد''۔ مستبشرہ سن کر خوش ہوئی تھی۔

''تھینک یو، بٹ خالی خولی مبارکباد سے کام نہیں چلے گا، تم نے ٹریٹ کا وعدہ کیا تھا، سو آج تمہیں ہمارے گھر آنا ہو گا ٹریٹ دینے''۔ فلک صاف اور سیدھا بولی۔

''آج نہیں فلک!'' یک دم وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے منع کر گئی، خود پر حیران بھی ہوئی، وہ فرار چاہ رہی تھی، مگر شاید علی کی یاد کو اب اُسے آزاد چھوڑنا گوارہ نہ تھا۔

''آج کیوں نہیں؟'' فلک نے منہ بسورا۔

''میری طبیعت سیٹ نہیں ہے''۔

''بہانہ نہیں چلے گا، تھوڑی دیر پہلے تم نے خود کہا تھا کہ تم ٹھیک ہو''۔ فلک نے اُسے یاد دلایا، ٹریٹ کے علاوہ بھی وہ مستبشرہ کو اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خوشی میں ساتھ چاہتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں کہا تھا، مگر میری بچی میں طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں کئی دن سے اسکول بھی نہیں جا رہی، تم اماں سے پوچھ سکتی ہو"۔

"میں کسی سے نہیں پوچھ رہی، تم نے کہہ دیا، میں نے مان لیا"۔ وہ خفا سی ہوئی۔

"پلیز فلک ڈیئر! ناراض مت ہونا"۔ مستبشرہ کو خود بھی اُسے منع کر کے اچھا نہیں لگا۔

"او کے پھر تم وعدہ کرو کہ طبیعت ٹھیک ہوتے ہی آؤ گی یہاں"۔

"پکا وعدہ... ٹریٹ پھر ڈیو رہی، ہاں گفٹ جلد ہی تم تک پہنچ جائے گا"۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے فوراً بولی۔

"میں انتظار کروں گی، اور تم پھپھو کو یاد سے بتانا میرے پاس ہونے کا، میں آؤں گی اُن کی طرف ایک دو دن میں"۔

"او کے بتا دوں گی، اللہ حافظ!" کہتے ہوئے مستبشرہ نے اجازت چاہی اور رابطے کے منقطع ہوتے ہی مشارب شاہ کا نمبر ڈائل کیا، اُس کے کال ریسیو کرنے پر گھر جانے سے پہلے اپنی طرف آنے کو کہا، تو اُس نے حامی بھرتے ہوئے اجازت چاہی، مستبشرہ نے فلک کے پاس ہونے کا اماں اور بابا کو بتایا، وہ بھی سن کر خوش ہوئے تھے، کچھ دیر اُن کے ساتھ بیٹھ کر وہ باہر لان میں چلی آئی۔

شام کے سائے پھیلتے جا رہے تھے، سردیوں کی شامیں، خنک آلود فضائیں، ٹھنڈی ہوائیں اُسے شروع سے بہت پسند تھیں، اُس نے کرسی سے ٹیک لگا کر نگاہیں اوپر کھلے آسمان پر ٹکا دیں، جہاں سفید بادلوں کے بے شمار ٹکڑوں کے نیچے دن بھر آوارہ گردی کرنے کے بعد چرند پرند اپنے اپنے آشیانے کی طرف قافلے کی صورت محوِ پرواز تھے، وہ انہماک سے انہیں دیکھنے لگی، دل کچھ بوجھل سا ہونے لگا، شام لمحہ لمحہ گزرتی اُسے بے چین کرنے لگی تھی، یہ سرد شام سے پھیلتی ٹھہری ہوئی اُداسی تھی یا اندر پنہاں وحشت و ویرانی کی کہانی، جو اُس کی سمجھ سے بالاتر تھی، وہ غیر مرئی نقطے کو گھورتی خالی ذہن کے ساتھ اُسی حالت میں بیٹھی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مشارب شاہ وہاں آ گیا تھا۔

"یہاں باہر اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو؟"

"بس یوں ہی دل چاہ رہا تھا"۔

"اچھا... ویسے میں سمجھا کہ کہیں میرا انتظار کر رہی تھیں"۔ وہ ہنسا، ساتھ ہی چاہت بھری نظروں سے اُسے دیکھا، مستبشرہ اُن نظروں سے انجان مسکرائی۔

"تم سمجھ سکتے ہو کیونکہ میں نے تمہیں بلایا ہے، تمہارا استقبال بھی مجھی کو کرنا ہے"۔

"ٹھیک کہا تم نے، لیکن تم کچھ پریشان، اُداس سی لگ رہی ہو، خیریت؟" وہ پوچھنے لگا، مستبشرہ کا چہرہ دیکھنے میں بھی اُترا ہوا لگ رہا تھا، کچھ اُس کی پُرشوق آنکھوں کا بھی کمال تھا، جو اپنی اپسرا کے مدھم رنگ بجھی آنکھوں کو بے تاثر دیکھ کر بے تاب سی ہوئیں۔

"خیریت ہے سب، مشارب! تم سے مجھے ایک کام تھا"۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

"کہو میں حاضر ہوں"۔

"تم جاتے وقت مارکیٹ سے میری طرف سے فلک کے لیے کوئی بھی اچھا سا گفٹ لیتے جانا، جو اُسے پسند آئے، میں خود لے کر جاتی، لیکن آج میں نہیں جا سکتی"۔ مستبشرہ نے اُسے بلانے کا اصل مدعا بیان کیا۔

"فلک کے لیے گفٹ.... کیوں؟" مشارب حیران ہوا۔

"میں نے اُسے کہا تھا کہ جب وہ پاس ہوئی تو میری طرف سے ٹریٹ ہوگی، لیکن میں آج نہیں جا سکتی وہاں،

اس لیے سوچا تمہارے ہاتھوں اُسے گفٹ ہی بھجوا دوں"۔

"کیا... فلک پاس ہوگئی؟" وہ شدید حیرت کا مظاہرہ کرتا خوش بھی ہوا۔

"ہاں، اس نے صبح ہی فون پر بتایا ہے مجھے"۔

"کمال ہے، اُس نے مجھے نہیں بتایا"۔

"ہو سکتا ہے وہ تمہیں فون کے بجائے روبرو بتانا چاہتی ہو"۔ مستبشرہ نے اس کی حیرت کو رفع کرنا چاہا، آصفہ شاہ کی طرح اُس نے بھی دونوں کو لے کر اپنا ہی اندازہ بہت پہلے لگا لیا تھا، جبھی فلک کی سوچ سے سوچ کر بولی۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے"۔ اُس نے تصدیق کی۔

"اچھا پھر میں نکلتا ہوں"۔ ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا، اُس سے اجازت لی۔

"تھوڑی دیر تو رُکو، اندر اماں کے پاس بیٹھو، میں جب تک چائے بناتی ہوں تمہارے لیے"۔ مستبشرہ نے اخلاق نبھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں پھر کبھی سہی، تم پھپھو اور پھپھا جان کو میرا اسلام کہہ دینا"۔ اُس نے منع کیا۔

"او کے، مگر گفٹ یاد سے لے جانا، اللہ حافظ!" مستبشرہ اُسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔

"اللہ حافظ!" وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل آیا، مستبشرہ واپس جا چکی تھی، اُس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مارکیٹ کی راہ لی، اپنی اور مستبشرہ کی طرف سے فلک کے لیے الگ الگ گفٹ پیک کروایا اور گھر کی طرف روانہ ہوا، شام کے سائے ڈھل رہے تھے، راستے میں سے اُس نے فلک شاہ کی من پسند آئس کریم بھی پیک کروالی، جانتا تھا دیوانی سی فلک سردی میں آئس کریم کی دیوانی تھی، باقی کا راستہ جلدی سے طے ہوا، اس کی گاڑی کا ہارن سن کر مین گیٹ چوکیدار کے بجائے فلک شاہ نے ہی کھولتے ہوئے خوشگوار مسکراہٹ سے اُس کا استقبال کیا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک گڈ نیوز ہے مشارب شاہ!" اور اس کے گاڑی روکنے کا انتظار کیے بنا ہی ہانک لگائی۔ مشارب شاہ اُس کے انداز پر مسکرایا، مستبشرہ کا کہا سچ لگا، وہ اُسے روبرو بتانے کے چکر میں اب اس کے سامنے کھڑی تھی، وہ فی الحال گاڑی کے اندر تھا، مشارب نے شیشہ نیچے کیا ہوا تھا، فلک جھک کر بازوؤں سے ٹیک دروازے سے لگا کر اُسے دیکھنے لگی۔

"مجھے پتہ ہے"۔

"تمہیں کیسے پتہ ہو سکتا ہے؟" وہ حیران ہوئی، مستبشرہ سے متعلق خیال اس وقت اُسے آ نہیں سکتا تھا۔

"بس ان ہواؤں سے میری دوستی ہے جو تمہاری ہر بات مجھے بتا دیتی ہیں"۔ کہتے ہوئے وہ فرنٹ ڈور کھول کر باہر نکلا، ساتھ ہی آئس کریم اور گفٹس بھی ہاتھ میں لیے، جن کی طرف فلک کا دھیان نہیں گیا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟" اُسے یقین نہ آیا، سو چونک کر اُسے دیکھا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا بھلا؟" وہ الٹا اُس سے پوچھنے لگا۔

"تمہیں عثمان یا تیمور میں سے کسی نے بتایا ہوگا؟"

"آں ہاں..... کہاں کہ مجھے ہواؤں نے خبر دی ہے"۔ وہ اُسے دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا، فلک نے اُسے گھورا۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو مشارب شاہ!" اور تیکھے انداز میں کہنا چاہا۔ مشارب شاہ اپنی پاگل سی دوست کے انداز پر کھل کر مسکرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا آدمی اماں! نہیں کرتا"۔

"بتاؤ ناں مجھے سچ سچ، تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"بتانے سے پہلے مبارک باد دے دوں؟" مشارب کا مقصد اُسے تنگ کرنا تھا، سو شریر مگر اجازت طلب نظروں سے اُسے دیکھا۔

"نہیں، پہلے مجھے اس کا نام بتاؤ، جس نے میرے سرپرائز کا ستیاناس کر دیا ہے، میں کب سے تمہیں بتانے کے لیے اتنی سردی میں باہر کھڑی تھی، مگر سب بے کار میں گیا"۔ وہ بولی۔

"مبشرہ نے مجھے بتایا ہے، بلکہ مجھے بلایا اور تمہارے لیے گفٹ بھیجا ہے، سو میں نے بھی تمہارے لیے گفٹ لیا ہے اور تمہارے لیے تمہاری پسندیدہ آئس کریم بھی لی ہے، مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنی محنت سے پاس ہوئی ہو"۔ بتاتے ہوئے مشارب نے گفٹس اور آئس کریم اُسے تھمائی، فلک کے چہرے پر بھرپور خوشگوار مسکراہٹ تھی۔

"تھینک یو سو مچ مشارب!"

"یو ویلکم..... اچھا اب جلدی سے آئس کریم سب کو کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ، پگھل رہی ہے"۔ اُس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے اُسے کہا۔

"او کے..... پھر میں نے مبشرہ کو بھی تھینکس کہنے کے لیے کال کرنی ہے، مگر تم تو رکو..... تم نے مجھے مبارک باد نہیں دی اور اندر چل دیئے"۔ وہ اس کے پیچھے لپکی۔

"اوہ سوری..... مبارک ہو تمہیں، لیکن آئندہ آگے بھی ایسی ہی محنت کرنا، میری بیسٹ وشز ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گی"۔ وہ مڑا اور خوش دلی سے بولا۔

"تھینکس!" وہ آنکھوں میں انبساط کے رنگ لائی، مسکرائی، اور اپنے تئیں اُس کے لہجے سے محبتوں کا رس نکال کر گنگناتی ہوئی کچن کی اور چل دی۔

☆......☆......☆

اس ایک ہفتے میں وہ ذہنی طور پر قدرے ریلیکس ہوئی تھی، مگر مکمل طور پر وہ ریلیکس ہو کر بے غم نہیں ہونا چاہتی تھی، ایک جنگ سی اُس کے اندر چھڑ گئی تھی، اپنی بے قدری کا ملال وہ مکمل طور پر تو زائل نہیں کر سکی تھی، مگر اُس کے اثر کو تھوڑا بہت کم ضرور کرنا چاہتی تھی، مراد کے کھیل میں اُسے اب اپنا کردار تھوڑا بہت ادا کرنا تھا، ایک عام لڑکی بن کر، خود کو کچھ بھی اچھا ہونے کے دھوکے سے نکال کر۔

بڑی گستاخ ہے تیری یاد اِسے تمیز سکھا دو
دستک بھی نہیں دیتی اور دل میں اُتر جاتی ہے

وہ اپنی ہی سوچوں میں منہمک تھی، جب پریشے نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے باآواز بلند بڑی ترنگ میں شعر پڑھ کر اُس کی محویت کو توڑا۔ مہ روش نے قدرے چونک کر اُس کی طرف دیکھا تو جہاں وہ مسکرا رہی تھی وہیں آنکھوں میں خوشی و شرارت لیے موبائل اسکرین اُس کی آنکھوں کے سامنے ہلایا۔

"یہ کیا ہے؟"

"ایک خوبصورت میسج..... آپ کے لیے"۔

"میرے لیے؟" وہ حیران ہوئی۔

"جی ہاں، صرف آپ کے لیے، لیکن آپ اپنے خیالوں میں اتنی مگن تھیں کہ آپ کا دھیان میسج کی طرف گیا ہی

نہیں، سو مجھے ہی غیر اخلاقی حرکت مجبوراً کرنی پڑی، آپ کا میسج اوپن کر لیا، اور یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے"۔ پریشے تفصیل سے بولی۔ مہ روش نے اُسے گھورتے ہوئے موبائل اُس کے ہاتھ سے لینا چاہا، مگر اُس نے فوراً ہاتھ اوپر اُٹھایا۔

"اب جب غیر اخلاقی حرکت کر چکی ہوں تو میسج بھی پورا پڑھوں گی میں"۔

"جی نہیں"۔ مہ روش نے نفی میں سر ہلایا، دل میں کھٹکا سا لگا کہ کہیں آگے مراد منصور نے کوئی طنزیہ بات یا کچھ بھی غلط نہ لکھا ہو، جسے اگر پریشے پڑھ لیتی تو اُس کے لیے ہینڈل کرنا مشکل ہو جاتا۔

"مجھ سے کیسا بھید ماہی! میں سب جانتی ہوں"۔ وہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا جانتی ہو تم؟" ماہی یک دم سنجیدہ ہوئی، بظاہر مصنوعی حیرت سے اُسے دیکھا، مگر درحقیقت بے یقین ہو کر، کہیں واقعی مراد نے کوئی ایسی بات تو نہیں لکھ دی جس سے پریشے سب کچھ جان گئی ہے؟

"یہی کہ صرف آپ ہی مراد بھائی کے پیار میں پاگل دن رات انہیں نہیں سوچتیں، بلکہ وہ بھی آپ کے بنا نہیں رہ سکتے"۔ پریشے بولی، مہ روش نے یک دم سکھ کا سانس خارج کیا کہ اُس کی بے بسی پر پردہ اُٹھنے سے بچا تھا۔

"اسی لیے مراد بھائی آج شام کو آپ کو لینے آئیں گے، یہ انہوں نے میسج کے ساتھ ہی لکھا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ آپ کے بنا زیادہ دن اکیلے نہیں رہ سکتے، جس کا اندازہ ہوتے ہوئے بھی آپ جانتے بوجھتے انہیں تڑپا رہی ہیں"۔ پریشے نے مزید بتاتے ہوئے میسج اُسے سنایا۔ مہ روش نے اُس کے سامنے آنکھوں میں چمک اور چہرے پر حیا کی لالی لائی، لیکن مراد کی انہی باتوں میں چھپے مطلب سے واقف اس کا ذہن منتشر ہوا تھا، وہ کچھ دن مزید رہنا چاہتی تھی، پر مراد کی بات تو پتھر پر لکیر ہوتی تھی، اُسے آج شام پھر اُس کے ساتھ جانا تھا۔

"اچھا اب موبائل دو گی تم مجھے؟ میں انہیں Reply کر دوں"۔

"شیور، وائے ناٹ!" پریشے نے مسکراتے ہوئے موبائل اُسے تھمایا۔

"آپ کے ساتھ یہ ہفتہ اتنی تیزی سے گزر رہا ہے کہ اندازہ تک نہیں ہوا، پھر کب آئیں گی؟"

"ابھی میں گئی نہیں ہوں اور میسج میں تم نے پڑھ لی ہے اپنے جیجا جی کی بے تابی کی کہانی، سو جب زیادہ دن تک میرے بغیر رہنے لگے تب آ جاؤں گی"۔ ماہی نے شریر انداز میں کہتے ہوئے دھیما سا قہقہہ لگایا۔

"دیٹس ناٹ فیئر..... آئی نو مراد بھائی کا پیار ساری عمر آپ کے لیے ہر دن زیادہ سے زیادہ بڑھتا رہے گا، آپ ہیں ہی اتنی پیاری کہ مراد بھائی ایک لمحے کو آپ کے بنا رہنے کا سوچیں گے بھی نہیں، آپ تو لگتا ہے ان سے فرصت نکالنا ہی نہیں چاہتیں، جبھی ایسا کہہ رہی ہیں"۔ پریشے فل موڈ میں تھی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ ہنسی، دل میں محض الگ افسوس کیا، سب مراد کے بہروپ سے خوش تھے۔

"آپ کی اگلی آمد پر دیکھ لیا جائے گا"۔ پریشے بولی۔ مہ روش نے شام سے پہلے تک اپنا تمام سامان پیک کیا، ڈریس چینج کیا، اور باہر لاؤنج میں چلی آئی، جہاں باقی تمام مکین بیٹھے ہوئے تھے، سعید احمد شام کا اخبار پڑھنے میں محو تھے، وقار ٹی وی کا والیم دھیمے رکھے چینل سرچ کر رہا تھا، نفیسہ بیگم اور پریشے بھی آپسی باتوں میں مصروف تھیں، ماہی اُن کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد ڈور بیل کی آواز ہوئی، وقار اُٹھ کر گیا، مراد اپنے سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا، وقار نے گلے لگ کر اُس کا استقبال کرنا چاہا، مگر مراد نے مصافحہ کرنے پر اکتفا کیا، وقار نے بُرا مانے بغیر اُسے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے کو کہا، وہ خاموشی سے اندر چلا آیا، نفیسہ بیگم کو دور سے سلام کیا، پریشے کے سلام کا جواب دیا اور سعید احمد کے گلے لگا۔

"السلام علیکم ماموں!"

"وعلیکم السلام! کیسے ہو بیٹا؟" انہوں نے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

"ٹھیک ہوں"۔ اُس نے مختصراً کہتے ہوئے ایک نظر مدروش پر ڈالی تھی۔ مدروش نارمل سی نفیسہ بیگم کے ساتھ ہو کر بیٹھی، پریشے فوراً سے کچن کی طرف گئی تھی کیونکہ مراد منصور زیادہ دیر بیٹھتا نہیں تھا۔

"کلثوم کو بھی ساتھ لاتے، بہت دن ہوئے اُس سے ملاقات نہیں ہوئی"۔ سعید احمد اُس کی طرف متوجہ تھے، وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

"ماموں! میں تو سیدھا آفس سے یہیں آیا ہوں، ورنہ امی کو ساتھ لے آتا، اگلی بار آیا تو انہیں ساتھ لے آؤں گا، آپ اور ممانی جان بھی آئیں ناں کبھی ہمارے گھر"۔ اُس نے بتایا، ساتھ ہی انہیں دعوت دی، ماہی نے کن انکھیوں سے اُس فراڈ شخص کو دیکھا۔

"ضرور بیٹا! کبھی آئیں گے"۔ انہوں نے حامی بھری۔

"اور تمہارا کام کیسا جا رہا ہے؟"

"کام بالکل ٹھیک جا رہا ہے"۔ وہ بولا، اتنے میں پریشے مختلف لوازمات کے ساتھ چائے لائی اور اُسے سَرو کی، چائے سے فراغت کے بعد مراد نے اجازت چاہی، وقار تمام وقت میں وہیں خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔

"ماموں! پھر آیئے گا ضرور.... چلیں مدروش!"

"مراد بیٹا! کھانا کھا کر جانا، سب کچھ تیار ہے"۔ نفیسہ بیگم نے کہا۔

"آج نہیں ممانی جان! امی بھی ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی، انشاء اللہ پھر کبھی آپ سب کے ساتھ کھانا کھاؤں گا"۔ اُس نے سہولت سے منع کیا۔

"چلو ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی"۔ وہ بولیں، جب تک مدروش جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا امی! اللہ حافظ!" پہلے امی اور پھر ابو سے مل کر اجازت چاہی، پریشے کے گلے لگی، پھر خاموش بیٹھے وقار کی طرف متوجہ ہوئی۔

"وقار بھائی! آپ میری طرف چکر لگاتے رہا کریں، اور پلیز اپنا خیال رکھیں، مجھے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ اچھی لگتی ہے نہ کہ سنجیدگی"۔ مقصد مراد منصور کو اندر تک جلانے اور وقار کو پریشانی سے نکالنا تھا، کیونکہ مراد کا مقابلہ کرنے کے لیے وقار سے بہتر رویہ و محبت و لگاؤ کا اظہار اُس کا ہتھیار بن سکتا تھا۔ ماہی کی بات پر جہاں وقار دھیرے سے مسکرا کر اُٹھتے ہوئے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ رہا تھا، وہیں مراد نے شدید ناگواری سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے غصہ ضبط کیا تھا۔

"ماہی! چلیں اب..... دیر ہو رہی ہے"۔ اور فوراً بولا۔ وہ ایک خاموش نظر اُس پر ڈالتی باہر نکل آئی، مراد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اُسے دیکھا، فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد وہ بالکل سامنے دیکھ رہی تھی، وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے ساتھ ہی زبان کو بھی حرکت میں لایا۔

"کیسا گزرا یہ ایک ہفتہ؟"

"آپ کی سوچ سے بھی زیادہ پُرسکون اور شاندار"۔ وہ خوشگواری سے بولی۔

"ہم م م م..... ضرور ہر لمحہ پھر میں ہی تمہارے حواسوں پر چھایا رہا ہوں گا، جو اتنی خوش ہو"۔ وہ طنزیہ شرارت آمیز لہجے میں کہتا اُسے دیکھنے لگا۔

"ہوں.... بالکل ٹھیک کہا آپ نے"۔ وہ بھی اُسے دیکھتی تحمل سے بولی۔

"مگر آپ کے بے ہودہ شعر اور میسج کی طرح بالکل بھی نہیں"۔

"اچھا.... تو پھر کیسے سوچا تھا مجھے؟" ماہی کی بات و انداز پر حسب معمول اُسے غصہ تو بہت جلد آیا تھا، مگر فی الوقت وہ غصے پر قابو پا گیا تھا۔

"بالکل ایسے جیسے آپ کے لیے سوچا جا سکتا تھا"۔ چہرے پر ذرہ خوف کی کوئی شکن لائے بغیر وہ بولی۔

"اندر کا الاؤ کم نہیں ہوا تھا تمہارا، اس ایک ہفتے میں؟" جواباً طنز ہوا۔

"آج سے کم ہوگا"۔ وہ مختصراً اُسی کے انداز میں بولی۔

"جبھی آنے سے پہلے جھوٹا مظاہرہ کرنے کی سعی کر رہی تھیں"۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جھوٹے آپ خود ہیں، اس لیے سب آپ کو جھوٹ اور فریب لگتا ہے"۔ وہ برجستہ سپاٹ انداز میں بولی، مراد کا وقار سے متعلق طنزیہ رویہ اُسے اندر سے مضبوط کرتا بولنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"مجھے زیادہ بکواس پسند نہیں ہے"۔ جس پر مراد کی برداشت ختم ہونے کو تھی، اُسے گھورتے ہوئے تلخ ہوا۔

"ایک بات اور.....!" ساتھ ہی تنبیہی نگاہ اُس پر ڈالی۔

"مجھے وقار میرے گھر میں نظر نہ آئے، پلّو سے باندھ لو، یہ میرا حکم ہے اور میں اپنے حکم کی حکم عدولی برداشت نہیں کروں گا"۔

"آپ کا گھر اب صرف آپ کا نہیں ہے، میرا بھی ہے، اور بھائی ہونے کے ناطے وہ میرے گھر آئیں گے، ایک بار نہیں بلکہ بار بار آئیں گے، میں آپ کے سامنے انہیں بلاؤں گی اور آپ انہیں روک نہیں سکیں گے"۔ بے خطر آواز میں کہتی وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، جہاں اُس کے تاثرات بگڑ چکے تھے اور چہرہ لال بھبھوکا بن گیا تھا۔

"کیوں کہ جہاں آپ نے خاندان کو جوڑنے کے لیے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا، وہاں اُس اعلیٰ ظرفی کو اعلیٰ مقام پر پہنچانے کے لیے آپ کو چپ رکھنا ہوگی، بصورت دیگر بول کر یاد دل کا خناس باہر نکالنے کے لیے آپ کو اپنے معتبر مقام سے دستبردار ہونا پڑے گا، جو آپ کی انا اور عزتِ نفس پر گراں گزر سکتا ہے، اس لیے آپ چاہتے ہوئے بھی اپنی یہ حسرت پوری نہیں کر سکتے، سو ایسی کوشش بھی مت کریئے گا، جس سے آپ سب کی نظروں میں مشکوک ٹھہریں"۔ ماہی نے چپ ہوئے بنا صاف شفاف لفظوں میں اُسے کہہ سنایا، جانتی تھی مراد جیسا انا پرست بندہ اپنا نام، مقام سب سے اونچا رکھنے کے لیے جہاں سینت سینت کر قدم رکھتا ہے وہاں کسی ایسی معمولی سی لغزش کو افورڈ نہیں کر سکتا جو اُس کے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دے۔

"تم میری فکر نہ کرو، میں تمہارا ایسا حشر کروں گا کہ تم خود مظلومیت کی داستان بنی پھرو گی"۔ لہجے میں دبی غراہٹ کے ساتھ وہ بولا۔

"مجھے اب آپ سے ڈر نہیں لگتا، یہ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں، مجھے بار بار دھمکی دینے یا ڈرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا"۔

"ماہی.....! ماہی.....! کیوں مجھے ہاتھ اُٹھانے پر مجبور کرتی ہو؟" گاڑی ایک جھٹکے سے روک کر اُس نے کھولتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظروں سے اُسے دیکھا۔ ماہی لب بھینچے اُس کی بات پر مسکرائی۔

''مجھے مظلومیت کی داستان آپ صرف باتوں سے بنانا چاہتے ہیں''۔ اور تمسخرانہ بولتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''آپ جس حد تک جاسکتے ہیں جائیں، میں بھی آپ کا مکمل وحشی پن دیکھنا چاہتی ہوں، محبت کے نام پر دھوکہ اور فریب کھانے کے بعد آپ مجھے انتقام کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں، وہ بھی مجھے خبردار رکھ کر، یہ کسی مذاق سے کم نہیں ہے''۔ وہ متعجب تھی، مراد کا شعلہ جوالہ روپ اس لمحے اُسے مذاق ہی لگا تھا۔

''بس مہ روش!'' مراد نے کاٹ دار آواز میں اُسے روکا۔

''مراد منصور مذاق کرتا ہے نہ مذاق برداشت کرتا ہے، میں چاہوں تو ابھی کہ ابھی تمہاری ذات کو تہس نہس کرسکتا ہوں، اور کروں گا بھی، ہمارے درمیان تم ایک ضد کو لے کر بیٹھنا چاہ رہی ہو ناں کہ تم اپنے منہ سے کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی، تو نہ بتاؤ، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن اپنے سامنے اکڑنے والوں کو میں صرف جھکاتا نہیں بلکہ اپنے پیروں تلے روندڈالتا ہوں اور اس بات کی تکلیف ہر سانس کے ساتھ تمہیں اذیت لگے گی''۔

''میں پرواہ نہیں کروں گی، مرد عورت کو کمزور سمجھ کر متکبر بننے کی کوشش ضرور کرتے ہیں، مگر عورت کو اصل میں جانتے نہیں ہیں، بیشک عورت کو مرد کی نفرت، حقارت بے بس کرسکتی ہے، مگر جب بات عورت کی عزتِ نفس اور رشتوں کے تقدس کی ہو تو وہی بے بس کردیتی ہے، عورت کو مردوں کے معاشرے نے پست کرنا چاہا ہے، مگر اللہ نے عورت کو بہت مضبوط، صابر، شاکر بنایا ہے اور عورت اُسی اللہ کے بھروسے ہر عہد میں لڑ کر ثابت قدم رہی ہے، مجھے بھی میرے اللہ پر اعتماد ہے، میں آپ کو آپ کے ہر وار کے سامنے ثابت قدم ملوں گی''۔ وہ مضبوط لہجے میں پُرعزم تھی۔

''دیکھا جائے گا ڈیئر!'' مراد کو البتہ وہ متاثر نہیں کرسکی تھی۔

☆.....☆.....☆

''علی! میں بہت مجبور ہو کر واپس تمہارے پاس آئی ہوں''۔ مستبشرہ تھک ہار کر اُس کے سامنے کھڑی تھی، ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد دل کے ہاتھوں نہ نہ کرتے بھی اُس شخص کے سامنے کھڑی تھی، جس کی محبت کو اُس نے ٹھکرایا تھا اور اب جس کی محبت نے اُس کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔

''کیوں مستبشرہ! اب کیوں؟'' جبکہ وہ واقعی حیران تھا، مستبشرہ آج اتنے عرصے بعد اُس کے سامنے تھی اور اُس وقت جب وہ اُسے بھولنے کی مکمل تیاری کرچکا تھا۔

''تم خوش نہیں ہوئے مجھے پھر سے اپنے سامنے دیکھ کر؟'' وہ اُلٹا اُس سے سوال کرنے لگی۔

''اب کیسی خوشی مستبشرہ! اب کیسی خوشی؟ تم نے تو خوشی نام کے لفظ تک سے میرے ذہن کو خالی کردیا تھا، اب میں کیسے اور کیا کہوں تمہیں، پھر سے سامنے دیکھ کر؟'' وہ ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا، مستبشرہ یک دم نادم سی ہوئی۔

''کچھ بھی کہو علی! مجھے بُرا بھلا کہو، میرے کیے کی سنگینی کو میری بدنصیبی کہو، جو کہنا ہے کہو، مگر کہو، میں شرمندہ ہوں، میں اپنی شکست کا اعتراف کرتی ہوں، میں اپنی ہار تسلیم کرتی ہوں، مجھے اپنے عمل پر پچھتاوا ہو رہا ہے، تمہارے یادوں نے مجھے توڑ دیا تھا علی! میرے کہے کو میرے منہ پر واپس مار دیا ہے، مجھے تمہارے سامنے کھڑا کردیا ہے، میں تمہاری گناہ گار ہوں، مجھے معاف کردو!'' بالآخر وہ بکھر گئی تھی، بُری طرح شکست خوردہ ہو کر اُس کے سامنے ''اف'' کر گئی تھی۔

''یوں مت کہو مستبشرہ! پلیز خود کو سنبھالو''۔

''مجھے اب تم نے سنبھالنا ہے علی! تمہاری محبت نے مجھے سنبھالنا ہے اب، پلیز مجھے سمیٹ.....!'' وہ اُس کے سامنے گڑگڑائی تھی۔

''اب بہت دیر ہوگئی ہے مستبشرہ!'' وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

''نہیں علی! کوئی دیر نہیں ہوئی''۔ علی کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''تم نے جانے سے پہلے خود کہا تھا اب ہماری راہیں جدا ہوں گی''۔ یک دم علی نے کٹھور پن کا مظاہرہ کیا، مستبشرہ سے محبت کے باوجود اُس کا لہجہ سخت اور تلخ ہوگیا تھا۔

''مجھے تہی داماں مت کرو علی!''

''تم نے بھی مجھے یوں ہی مایوس کیا تھا''۔

''تم مجھ سے بدلہ لوگے.....اپنی محبت سے بدلہ لوگے؟'' وہ بے یقین ہوئی۔

''محبت نہیں پاگل پن تھا وہ سب، جس کا اظہار میں نے تم سے کیا تھا، مگر اب جب میں خالی ہاتھ ہوں تو تمہیں بھی کچھ نہیں دے سکتا''۔ وہ صاف اور سپاٹ بولا۔ اس لمحے کا اُس نے بڑی شدتوں سے انتظار کیا تھا، جب پھر سے مستبشرہ اُس کے سامنے ہو، مگر آج جب وہ اُس کے سامنے تھی تو نادانستہ طور پر وہ مستبشرہ کے لیے انجان بن گیا تھا۔

''میں تمہاری محبت میں یہاں واپس آئی ہوں علی! اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر، میں نے یونیورسٹی سے تمہارا ایڈریس لے کر بہت مشکلوں سے تمہیں ڈھونڈا ہے، اور تم تو مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے، پھر اب کیوں پتھر دل بن کر میرا امتحان لے رہے ہو؟ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گی''۔

''نہیں مستبشرہ! محبت میں کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا، کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی، بس وقت گزاری ہے محبت.....تم نے بھی یہی کہا تھا، دنیا کے مسافر خانے میں محبت کا کوئی مول نہیں ہے، ہم انسان بے قدرے ہیں، خود غرض ہیں، اپنے سوا کسی کا نہیں سوچتے، میں نے بھی محبت کو ایک پوٹلی میں باندھ کر بہتے دریا میں پھینک دیا ہے، وقت ایک جیسا نہیں رہتا، بنا کسی کا خیال کیے ہر احساس سے لاپرواہ تنہا گزر جاتا ہے، اور میں خود کو اُس وقت کی قید سے باہر نکال لایا ہوں، جب میں تمہاری محبت میں بے بس تھا، اب میں خود کو تم سے بہت دور کرنا چاہتا ہوں، تمہاری یادوں سے آزاد ہو کر اپنے لیے جینا چاہتا ہوں''۔ علی بے لچک انداز میں اُس سے قطع تعلق کررہا تھا، اپنی انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُسے دوبارہ سے دل میں بسانے کے بجائے اُسے اپنانے سے انکار کررہا تھا۔

''لیکن میں تمہارے ساتھ جینا چاہتی ہوں علی! تم سے جھوٹے پیار کا ناٹک میں نے خوشی کے لیے نہیں کیا تھا، میں اپنے بابا سے کیا وعدہ نبھانا چاہتی تھی، اُن کا اعتبار جیتنا چاہتی تھی، مگر مجھے تمہاری محبت نے مات دے دی، بابا مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، میری آنکھوں میں رقم تمہارے لیے محبت کو دیکھ کر انہوں نے اپنا وعدہ واپس لے لیا تھا، اب کی بار میں سچے دل سے تمہاری طرف آئی ہوں، میں تمہاری زندگی.....!''

''اب میری زندگی میں تمہاری کوئی جگہ نہیں مستبشرہ! میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، میں تمہیں بھولنے جارہا ہوں، تم بھی مجھے بھول جاؤ، تمہارا کہا بالکل سچ تھا، علی اور مستبشرہ کم از کم اس جنم میں ایک نہیں ہوسکتے، میں تم سے دور، بہت دور تمہیں بھولنے جارہا ہوں مستبشرہ! جہاں نہ تمہاری یادیں میرا تعاقب کریں گی، نہ میں اپنی یادوں کو تمہاری اور بڑھنے دوں گا، مجھے ابھی کہ ابھی جانا ہے، اب نہ میرے پاس تمہارے عمل کی تلافی کا وقت ہے نہ میرے پاس رُکنے کا وقت بچا ہے، میں اپنی اُس محبت کے لیے تم سے معافی کا خواستگار رہوں گا، جو تمہیں واپس یہاں میرے پاس لائی ہے، مگر ہمیں ایک نہیں کرسکتی، اپنا خیال رکھنا مستبشرہ! میرا جانا ضروری ہے''۔ علی کے دل پر اُس نے پہلے کاری ضرب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگائی تھی اور اب علی گویا اُس تمام دکھ واذیت اور ملال کا مداوا کرنے کے لیے تمام حساب بے باق کر رہا تھا، مستبشرہ کو انکار کر کے اُسے دل سے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، مگر اس وقت اُس کے دل، دھڑکن، جذبات، خواہشات اور احساسات پر دماغ حاوی تھا۔ وہ مستبشرہ جمال سے عشق کے باوجود بے حس، خود سَر بن گیا تھا، اُس کی آنکھوں میں اُمید کی کرن تھی کی کوئی رمق باقی نہ تھی، جو وہ نرم پڑتا۔

"شاید اسے ہی مکافاتِ عمل کہتے ہیں"۔

"تم اپنی دنیا میں واپس چلی جاؤ مستبشرہ جمال! کیوں کہ میری دنیا میں اب محبت کی گنجائش باقی نہیں رہی، مجھے اب محبت پر یقین نہیں رہا، مجھے تم پر یقین نہیں رہا، مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں رہا، میں ایک بار کے بعد بار بار مرنا نہیں چاہتا، میں موت سے پہلے اپنی زندگی، اپنی سانسوں کے سامنے تمہاری وجہ سے فُل اسٹاپ نہیں لگا سکتا، میں یہاں سے جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلی جاؤ"۔ وہ قطعیت سے کہتا واپسی کے لیے مڑ گیا تھا، مستبشرہ جمال کو اُسی کے کھیل میں مات دے کر، اُسے تہی داماں چھوڑ کر، کچھ پل وہ وہیں ساکت کھڑی علی کی باتوں کو سچ جھوٹ کے ترازو میں تولتے ہوئے قسمت کے اس وار پر بے یقین تھی، جامد قدموں کے ساتھ دل کی دھڑکن اُسے بیٹھتی محسوس ہو رہی تھی، آنکھوں میں اشکوں کی روانی کا تسلسل تیز رفتاری سے جاری ہو گیا تھا۔ جنہیں ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی وہ بے بسی سے بچنا چاہ رہی تھی، جبھی اُسے اپنے اندر انجانی سی طاقت محسوس ہوئی تھی۔ شاید یہ طاقت اُس کی محبت کی طاقت تھی، جسے محسوس کرتے ہی وہ سرعت سے آگے کی طرف بڑھی تھی، جہاں دور سے علی آیان گیلانی کی پشت دکھائی دے رہی تھی، وہ اُس تک ایک ہی جست میں پہنچنا چاہ رہی تھی، مگر اُس کی راہ میں آناً فاناً لوگ جھنڈ کی طرح آ گئے تھے، اُس کے لیے یک دم آگے بڑھنا ناممکن ہوا تھا۔ یہی ناممکن اگلے لمحے علی کو کھونے کے ڈر سے اُس کی آنکھوں میں پانی بھر لایا تھا۔

☆..........☆..........☆

دسمبر کا مہینہ اپنے جوبن پر تھا، ہوا میں چھائی خنکی سردی کو بڑھانے میں محو تھی، دھوپ کی حدت اچھی شدت میں کم اثر معلوم ہو رہی تھی۔ مہ روش اپنے گرد شال لپیٹے لان کے بیچوں بیچ کرسی سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے پُر سوچ انداز میں بیٹھی تھی، دل کی ہر دھڑکن پر دھند چھائے جا رہی تھی، گزشتہ عرصے میں دیکھے ہر سپنے و خوشگوار احساس پر دھیرے دھیرے برف جمتی جا رہی تھی، بہت سوچنے کے بعد وہ ایک نقطے پر پہنچی تھی۔

زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر لوٹ آئی تھی، دعوتوں وغیرہ کے سلسلے اختتام کو پہنچے، مراد صبح آفس جاتا اور شام 4 بجے کے بعد گھر واپس آ جاتا، مہ روش نے مہندی کا رنگ اُترتے ہی گھر کے کاموں میں پہلے پھپھو کا ہاتھ بٹانا شروع کیا پھر مراد کے تمام کام اپنے ذمے لیے، کچن کے کاموں سے لے کر گھر کی صفائی اور کپڑے دھونے اور استری کرنے تک کے کام پھپھو کے منع کرنے کے باوجود خود کرنے شروع کیے، بلکہ اپنی مصروفیت کا شاندار بہانہ ڈھونڈا، فارغ رہ کر وہ نہ تو مراد کو سوچنا چاہتی تھی نہ اپنی بے بسی کا رونا، رونا چاہتی تھی، جو گزر گیا وہ بس گزر گیا تھا، اب وہ مراد کی چال کو مکمل آزادی دے کر اپنا مزید مذاق نہیں اُڑانا چاہ رہی تھی، مراد کا کھل کر مقابلہ اُس کے بس کی بات نہ تھی، نہ وہ ایسی کوئی بے وقوفی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، بند کمرے میں خاموش رہنا بھی بے سود تھا، مراد منصور کو متواتر سننا اور برداشت کرنا اُس کے اعصاب پر بھاری گزرتا، اُس نے کم از کم کمرے کی حدود کے اندر اُلٹا سیدھا جیسا بھی سہی بس اب مراد کو جواب دینا تھا، مراد کے اندر چھپے غصے کی انتہا وہ دیکھنا چاہتی تھی، اُسی کی زبان سے اُس کے کیے کا اعتراف کروانا چاہتی تھی، کلثوم پھپھو کی نظر میں اُسے اُسی کے ہاتھوں لانا چاہتی

تھی، اپنی بے بسی دبانے کے لیے سب کے سامنے خوشی وانبساط کا لبادہ اوڑھ کر مراد کی نام نہاد اعلیٰ ظرفی کا بھید کھولنا تھا اُس نے اب۔ اپنی زندگی کے رنگ پھیکے کرنے والا یہ شخص اُسے بہت اجنبی، بہت پرایا لگنے لگا تھا۔ مراد سے اپنی دلی وابستگی اُسے دم توڑتی محسوس ہوئی تھی، وہ تمام حساسیات جو وہ شروع سے اس رشتے کو نبھانے کے لیے سنبھالے رکھے تھی، وہ اس بے حس، مطلبی، دھوکے باز شخص کی وجہ سے لاپرواہی میں بدل گئی تھیں، وہ فیصلہ کرنا چاہتی تھی، مراد کے پے در پے وار سہہ کر وہ شاید ساری زندگی کا ارادہ ہرگز بھی نہیں رکھتی تھی، امانت میں خیانت وہ چاہتی نہیں تھی، مگر اُس کی امانت میں موجزن چاہتوں کے سمندر کی قدر اور احساس مراد منصور کو نہیں تھا، پھر وہ کیوں ستی ساوتری بنتی؟ چپ چاپ رہ کر وہ مزید اپنی تضحیک نہیں کروا سکتی تھی۔

"مہ روش بیٹا! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ ہوا چل رہی ہے، بیمار ہو جاؤ گی، اُٹھو شاباش! اندر آ جاؤ"۔ خیالوں، سوچوں کی دنیا سے اُسے پھپھو کی آواز باہر لائی، تو اُس نے آنکھیں وا کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا، وہ واپس چلی گئیں، ماہی نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے ایک نگاہ آسمان پر ڈالی، جہاں ہوا کے ساتھ ساتھ بادل بھی جمع ہو گئے تھے، بارش کا امکان بھی تھا، وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتے اپنے کمرے میں چلی آئی اور ایک مرتبہ پھر فرصت سے سوچنے لگی۔

"میرا انتقام آپ کی طرح بھیانک تو نہیں ہو گا مراد منصور! لیکن میں اپنی معمولی سی کوشش سے آپ سے بدلہ لوں گی، میں اب ہر وہ عمل و فعل کروں گی جو آپ کی طبیعت پر گراں گزرے، جو آپ کو پسند نہیں، جس سے آپ کو غصہ آئے"۔ اس کی نگاہیں دیوار پر آویزاں مراد کی قد آدم تصویر پر جمی تھیں۔

"آپ وقت کے بہت پابند ہیں، کام میں آپ کوتاہی برداشت نہیں کرتے، آپ ہمیشہ ہر وقت سوٹڈ بوٹڈ رہنا چاہتے ہیں ناں، مگر اب نہیں، میں آپ کو وقت کی پابندی بھلا دوں گی، آپ کے کام خود بخود بگڑیں گے"۔ اپنی سوچ میں اُس نے پوائنٹس (Points) ترتیب دینے شروع کیے۔

"آپ صفائی پسند بھی بہت ہیں، ہر چیز آپ کو جگہ پر اور ترتیب سے چاہیئے ہوتی ہے، مگر آج کے بعد سب کچھ آپ کو بے ترتیب نظر آئے گا، یہ کمرہ گندہ ملے گا، اُسی طرح جس طرح آپ کی سوچ گندی ہے"۔ سنجیدگی سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

"آپ کی موسٹ فیورٹ چائے، جو آپ کی روٹین میں ایک ضرورت ہے، چائے آفس کی ساری تھکن اُتار دیتی ہے، یہی کہنا ہے ناں آپ کا؟ مگر اب آپ اعتراف کریں گے کہ چائے آپ کی تھکن مزید بڑھاتی ہے، میں چائے کو اُسی طرح آپ کے لیے عذاب کر دوں گی، جس طرح آپ نے میری زندگی کو اپنی ذات کی بدترین پرچھائی سے کیا ہے"۔ وہ مراد منصور کے وار سے اندر تک گھائل تھی، زخمی لہجے میں سوچتے وہ کھڑکی کے پاس آئی اور کھڑکی کے پَٹ وا کر کے باہر دیکھنے لگی، ہوا کے خوشگوار جھونکے تسلسل سے اُس کے چہرے سے ٹکراتے ہوئے بکھرنے لگے۔

"وقار بھائی سے نفرت ہے ناں آپ کو؟ تو اُسی نفرت کو سب کے سامنے لانے کے لیے میں بار بار وقار بھائی کو آپ کے سامنے کھڑا کروں گی، وقار بھائی کے ذریعے ہر موڑ پر آپ کی اعلیٰ ظرفی کا امتحان لوں گی"۔ اس کی سوچ میں قطعیت تھی اور سوچنے کا انداز دوٹوک تھا، اس کا دل مراد نے مردہ کیا تھا، اور اب وہی مردہ دل مراد کے لیے کٹھور بنا تھا۔

"اور میں....!" وہ توقف کے لیے رُکی۔

"مجھ سے جو اُمید آپ نے لگا رکھی ہے، میں آپ کی وہ اُمید خاک میں ملا دوں گی"۔ وہ نخوت سے بڑبڑائی۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افسانہ

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

جن سے مل کر زندگی سی عشق ہو جائے وہ لوگ آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں"۔ کیا کہانی ہے جسے لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ رہے ہیں دل رو رہا ہے اور لب مسکرا رہے ہیں' یہ کہانی نہیں ہے' یہ کوئی قصہ بھی نہیں

ہے' یہ تو صرف ایک سچائی ہے' ایک سچ اور حق ہے' ایک ایسا سچ جو انسانی فطرت کا آئینہ دار ہے اور ایک ایسی حق بات جس کا اختیار خود اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے

جس کا استعمال مرد کرتا ہے اور پل صراط کے اس راستے پر چلنا عورت کو پڑتا ہے۔ جی ہاں آپ صحیح سمجھے دوسری شادی جو کرتا تو مرد ہے' لیکن عورت کو مظلومیت کا اشتہار بنا دیتا ہے یہ احساس دے کر کہ وہ اس پر ایک سوتن لے آیا ہے' اور یہ دکھ عورت کو زندگی سے بے زار کرنے کے لئے کافی ہے۔

ثانیہ کی شادی بھی کیا شاندار شادی تھی ثانیہ بھولی بھالی معصوم لڑکی جو ماں باپ کے دل کا سکون دادا' دادی' نانا' نانی' چچا' ماموں کون تھا جو اسے دل کی گہرائیوں سے پیار نہ کرتا ہو اور خالہ اس کی تو جان ہی اس میں تھی۔

"لکھ رہی ہوں جو وہ کاتب تقدیر نے بھی لکھا ہو
تیری زندگی کا ہر دکھ میری زندگی کا حصہ ہو"

یہ وہ شعر تھا جو اس کے کالج لائف کے پہلے سال کی کامیابی پر انہوں نے کہا تھا اور ثانیہ بھی تو ہر رشتے کا دل سے احترام کرتی تھی' ہر ایک سے مسکرا کر ملتی' ہر ایک کی خوشی میں خوش رہتی بھائی بہنوں پر جان نچھاور کرتی ہر کزن کو اپنے بہن بھائیوں کی طرح پیار کرتی' اس لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو وہ سب کی ثانیہ آپی تھی' پھر ثانیہ کی شادی معمولی کیسے ہوسکتی تھی' ہر چھوٹا بڑا اپنے ہاتھوں میں خوشیوں کے پھول لئے اس کی خوشیوں میں شریک تھا اور سب کے مسکراتے چہرے دیکھ کر ایک شرمیلی مسکراہٹ اس کے چہرے پر جگمگا رہی تھی اور تقدیر؟

تقدیر شاید اس کی معصومیت پر مسکرا رہی تھی کہتے ہیں ناں کہ ماں باپ بیٹی کو سب کچھ دے سکتے ہیں سوائے نصیب کے اور نصیب میں سکھ ہوں یا دکھ انسان کو اٹھانا ہی پڑتے ہیں۔

ثانیہ بھی اس محبت بھری چھاؤں سے رخصت ہوتے ہوئے نہیں جانتی تھی کہ زندگی کے کس پرفریب راستوں پر قدم رکھ رہی ہے وہ تو ساس کو ماں' نندوں اور دیوروں کو بہن بھائی اور شوہر کو مجازی خدا مان کر اپنی جنت کو سنوارنے کے لئے چاہتوں بھرے دل سے سبک سبک قدم اٹھاتی اپنی خوابوں کی جنت میں داخل ہوئی تھی۔

"بہو تو بڑی پیاری ہے"۔ جو بھی اس کے حسین چہرے کی طرف دیکھتا بے اختیار کہہ اٹھتا۔

"ہاں تو پیاری کیوں نہ ہوگی' آخر کو ہمارے خاندان کی لڑکی ہے"۔ ساس فخر سے مسکرا کر کہتی۔

"ہاں بھائی خاندان کی لڑکی کی تو بات ہی الگ ہے"۔ لوگ ہاں میں ہاں ملاتے۔

"ارے بہنو! خاندان کا فخر بن کر آئی ہو تو خاندان کو نبھانا بھی سیکھ لو' یہ نندیں نہیں تمہاری بہنیں ہیں' ان کی خوشیوں کا خیال اب تمہیں ہی رکھنا ہے"۔

"جی اماں! آپ جیسا کہیں گی میں ویسا ہی کروں گی"۔ ثانیہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"ارے اب پہلے جیسا ماحول کہاں رہا' ہم تو جب بیاہ کر آئے تھے تو اپنا چھوٹا موٹا زیور یونہی نندوں کو خوش کرنے کے لئے دے دیا تھا"۔ کوئی اور ہوتا تو پوچھتا بڑا زیور تھا ہی کیا آپ کے پاس چھوٹا موٹا ہی بڑی مشکلوں سے دیا گیا تھا' ہمیں سب پتا ہے۔ مگر یہ تو ثانیہ تھی جس کی نظروں میں رشتوں کی قیمت ان گہنوں سے کہیں زیادہ تھی وہ گئی اور چپ چاپ اپنی انگوٹھی' لاکٹ اور بالیاں لے کر آئی اور نندوں میں بانٹ دیں۔

"ہائے بھابی! یہ کتنا اچھا جوڑا ہے"۔ چھوٹی نند نے اس کا پسندیدہ سوٹ اس کے سوٹ کیس سے نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی تو لے لو' آخر کو نندوں کا بھی کوئی حق ہوتا ہے' ہمارے خاندان کی تو یہ رسم ہے' بھابی جب سوٹ کیس کھولتی ہے تو ایک ایک جوڑا سب نندوں کو دیا جاتا ہے"۔ ساس نے فخر سے خاندانی رسم بتاتے ہوئے کہا۔

"ہاں' ہاں کیوں نہیں' باجی' معنی' گڑیا تم لوگوں کو جو بھی سوٹ پسند ہو لے لو"۔ ثانیہ نے مسکرا کر کہا۔ اور سب نندوں نے اچھے اچھے جوڑے اٹھا لئے' وہ نندیں جو ثانیہ کے ساتھ تھیں اور ثانیہ سے بڑی بھی تھیں' ثانیہ کی بیٹی بن گئیں اور ثانیہ ایک شفیق ماں کی طرح ان کی خدمت میں مصروف ہوگئی' بقول ساس کے۔

"خاندانی لڑکی کی یہی پہچان ہے کہ جس گھر میں آئے اسی گھر کی ہو کے رہے"۔ اور ثانیہ بھی اپنے گھر کے عیش و آرام اپنے لوگوں کی محبتیں بھول کر صرف ان لوگوں کی خدمت میں مصروف ہوگئی جنہیں اس نے اپنا بنایا تھا' جس کے گھر ماسی کپڑے دھوتی' استری کرتی تھی' وہی صفائی کرتی' برتن دھوتی' آج ایک گھر کو اپنا گھر بنانے کے لئے تن' من' دھن سے صبح سے رات تک مصروف رہتی۔

☆

"ارے اماں! آج تو بہت ہی تھک گیا"۔ جمال نے اسکوٹر کی چابی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا! آخر گیا کہاں تھا.....؟" اماں نے جمال کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کہاں' کہاں خاک چھانتا پھرتا ہے میرا لال

دیکھو تو کیسا کمزور ہو رہا ہے' ارے ثانیہ' میاں سارا دن کا تھکا ماندہ آیا ہے' کچھ چائے پانی کا بھی پوچھ لیا کرو بس ہر وقت اپنے سولہ سنگھار میں مست نہ رہا کرو"۔ ثانیہ کو سنگھار کرتے ہوئے دیکھ کر اماں نے جل کر کہا۔

"جی اماں! ابھی لائی"۔ ثانیہ نے جلدی سے اپنے ہاتھ دھو کر چائے کا پانی چڑھایا۔

"ارے بیٹا! کیوں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے' رنگ تو دیکھو کیسا جھلس گیا ہے"۔ اماں نے بیٹے پر واری صدقے ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے اماں! اب بڑے گھر کی لڑکی لائی ہو تو اس کے نخرے اٹھانے کے لئے بھی تو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا ناں' ایک دوست نے ایک جاب کے بارے میں کہا تھا' اس کا پتا کرنے گیا تھا"۔ جمال نے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ارے کاہے کی امیر ہے' چند جوڑے کپڑے اور چند برتن لانے سے کوئی امیر نہیں ہو جاتا"۔ اماں نے ثانیہ کے لاکھوں کے جہیز کو حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ثانیہ نے سوچا کہ بول دے۔

"میری لائی ہوئی چیزیں ہی گھر میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں' ورنہ اس گھر میں تھا ہی کیا"۔ لیکن ثانیہ کے لبوں پر تو شرافت کی مہر تھی وہ کر بھی کیا سکتی تھی سوائے آنسو بہانے کے۔

☆

"ارے تمہیں کیا ہوا ہے.....؟" ثانیہ کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر جمال نے کہا۔

"کچھ نہیں بس سر میں درد ہو رہا تھا"۔ ثانیہ نے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کوئی بات ہوئی ہوگی جب ہی تمہارے سر میں درد ہوا ہے' میں ابھی اماں سے پوچھتا ہوں"۔

"نہیں' نہیں پلیز آپ کچھ نہیں کہنا میں سچ کہہ رہی ہوں"۔ ثانیہ نے جمال کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"پلیز ثانیہ! تم اماں کی باتوں پر دھیان نہ دیا کرو' دیکھنا میں جلد ہی تمہارے لئے ایک شاندار گھر لوں گا' جہاں صرف ہم اور ہمارے بچے رہیں گے"۔ جمال نے ثانیہ کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔

جمال کی تھوڑی سی محبت تھوڑی سی توجہ اس کے سارے دن کی تھکن بھلا دیتی اور وہ دوسرے دن پھر ایک نئے جوش ایک نئے جذبے کے ساتھ گھر کے کام میں مصروف ہو جاتی' اور جمال تو تھا ہی لفظوں کا کھلاڑی کس کو کس طرح بے وقوف بنانا ہے' لفظوں کے جال میں پھانس کر دوسروں کو بے وقوف بنانا جمال کا پسندیدہ شوق تھا' اماں کے پاس جاتا تو اس طرح سر جھکا کر بات کرتا کہ اماں سمجھتیں کہ سب سے زیادہ چاہنے والا وہی ہے' وہ ہر دم اسے دعائیں دیتیں اور اپنا لاڈلا بیٹا کہتیں' بہنوں سے ملتا تو اس طرح پیش آتا جیسے ان کا مان بڑھانے کے لئے ہی دنیا میں آیا ہے' بھائی جان کہتے بہنوں کا منہ سوکھ جاتا اور بیوی' بیوی تو تھی ہی اس کے بہلاوں پر زندہ ہر رات وہ ایک نئے انداز سے اپنی چاہت اس پر لوٹاتا اور ہر صبح اماں' بہنوں کے سامنے اتنا معصوم بن جاتا جیسے ماں اور بہنوں کا حکم بجالاتی لڑکی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو' لیکن ثانیہ کے لئے تو جمال کا ساتھ ہی بہت تھا۔

جمال کی ماں اور بہنوں کو خوش رکھنے کے لئے اس نے کیا نہیں کیا' اپنی ماں' بہن' بھائی' غرض رشتہ داروں اور ہر اس شخص کو جو اس کی خوشیوں پر جان نچھاور کرنے کے لئے تیار تھے' بھلا کر صرف اور صرف جمال کی خوشی پر راضی بہ رضا رہی' یہ سوچ کر کہ شوہر تو مجازی خدا ہے' پھر وہ کیوں ناں اپنے مزاج کو اپنے شوہر کے مزاج کے مطابق ڈھال لے اور جب مجازی خدا کو اندازہ ہو گیا کہ ایک لڑکی اس کے لئے اپنی زندگی وار نے کے لئے بخوشی راضی ہے' تو وہ بھی مجازی خدا سے نعوذ باللہ خدا بن بیٹھا' اور ثانیہ اپنی معصومیت میں گم ہر دکھ قبول کرتی رہی اور جب اسے اپنی اس وفا کا صلہ قدرت نے اولاد کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکل میں عطا کیا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔

"ارے بہو ہم نے بھی بچے پیدا کئے ہیں کوئی انوکھی تم ہی بچہ جننے نہیں جا رہی ہو جو پلنگ پر پڑھ کر بیٹھ گئیں سارا سارا دن کام کاج میں لگے رہتے تھے مجال تھی جو کوئی گلاس بھر کر پانی بھی دے دیتا' یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ چار چار نندیں خدمت کو موجود ہیں' تبھی میاں کو سرہانے بٹھا کر کہہ دیتی ہو کہ بیڈ ریسٹ کو کہا ہے"۔

"نہیں' نہیں اماں! بس میں ابھی اٹھنے ہی والی تھی"۔ ثانیہ نے گھبرا کر پلنگ سے اترتے ہوئے کہا۔

"اماں! کے تجربے سے سیکھو' جو اماں کہہ رہی ہیں وہ ہی کرو"۔ جمال نے اماں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا' بس پھر کیا تھا ثانیہ تھی اور گھر کے کام دھندے اور ایسے میں نند کی شادی کا شور اٹھا۔

بیاہ کے چکر میں اماں نے دن رات ایک کر دیئے' ثانیہ کو تو سانس لینے کی فرصت نہ تھی' آرام خاک کرتی' بھاگ دوڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ثانیہ جو ذہنی ٹینشن اور کام کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی اپنی اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھی وہ بچہ جو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھا' اماں کے مشوروں کو ماننے کے چکر میں اس کے پاس آنے سے پہلے ہی اس سے دور ہو گیا۔

"آج کل کی لڑکیاں سنتی کہاں ہیں ڈاکٹروں کے چکر میں پڑی رہتی ہیں بھی تو یہ دن دیکھنا پڑتے ہیں"۔ اماں نے اپنا قصور ثانیہ کے کھاتے میں ڈالتے ہوئے معصوم انداز میں کہا۔

"جمال کیا ہو گیا ہے آپ کو آپ مجھ سے صحیح طرح سے بات کیوں نہیں کر رہے"۔ گھر والوں کے رویوں سے گھبرا کر ثانیہ نے جمال کے سائے میں پناہ چاہی۔

"اگر تم نے اماں کے مشوروں پر عمل کیا ہوتا تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا"۔ جمال نے منہ بنا کر کہا۔

"چلیں اس مرتبہ معاف کر دیں اگلی مرتبہ اماں جو کہیں گی میں وہی کروں گی"۔ ثانیہ نے بے قصور ہوتے ہوئے بھی سارا قصور اپنے نام لیتے ہوئے کہا' جبکہ وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر کی بار بار ہدایت کے باوجود نہ وہ اپنی غذا کا دھیان رکھ پا رہی تھی اور نہ ہی آرام کا۔

کیونکہ بقول اماں کے نند تو بیٹی کے برابر ہوتی ہے اور بیٹی کی شادی میں ماں کو جب ہی آرام ملتا ہے جب بیٹی رخصت ہو کر اپنے گھر چلی جائے۔

☆

"اماں! میں اب نہیں جاؤں گی ساجد کے گھر' اس کو میرا تو کوئی خیال نہیں' ہر وقت اپنے بہن بھائی کے نخرے اٹھانے میں لگا رہتا ہے"۔ ثانیہ کی نند رمشا نے اٹھلا کر اماں کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ساجد کی یہ مجال کہ میری بیٹی کے سامنے کسی اور کو اہمیت دے' ارے آنے تو دو اسے ایسے کان کھینچوں گی کہ دماغ درست ہو جائے گا' میری نازو پلی بیٹی ہے کوئی کاٹھ کباڑ نہیں جسے ایک طرف ڈال کر بھول جائے"۔ اماں نے رمشا کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے کہا۔ اور ثانیہ حیرت سے اس ماں کو دیکھ رہی تھی کہ یہ کیسی ماں ہے جس نے بہو کو تو پہلے دن ہی یہ کہہ کر کہ اگر اپنا گھر آباد رکھنا چاہتی ہو تو کسی کے سامنے اس گھر کی کوئی برائی نہ کرنا کہ اس گھر کی عزت میں ہی تمہاری عزت ہے' اس گھر کی کوئی بات گھر سے باہر گئی تو سمجھ لینا کہ تمہاری بھی کوئی جگہ اس گھر میں نہ ہو گی۔

"باہر نہ جائے گھر سے کوئی گھر کی بات
عورت کو اس وقار نے برباد کر دیا"

اور ثانیہ تو ان کی اس بات سے اتنا خوف زدہ ہوئی کہ اس کا کوئی بھی دکھ اس کے ماتھے پر شکن نہ بن سکا۔ لیکن وہی ماں داماد کو اپنے بہن بھائیوں سے دو میٹھے بول بولنے کی بھی سزا دینے کے در پر تھی داماد بھی وہ جو اس کا اپنا بھتیجا تھا جو اپنے ماں باپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اپنے بہن بھائیوں کا سب سے بڑا آسرا تھا لیکن بدقسمتی سے اس عورت کو اپنا جیون ساتھی بنا لیا جو

اسے تو اپنا سمجھتی تھی' لیکن اس کے بہن بھائی اسے ایک آنکھ نہ بھاتے' بیوی اور ساس کو خوش رکھنے کے چکر میں وہ بہن بھائیوں سے نظر چراتا تو ضمیر کا بوجھ اسے ایک پل سکون نہ لینے دیتا' بہن بھائیوں کا اگر خیال رکھنا چاہتا تو بیوی منہ پھلا کر میکے میں جا بیٹھتی' جہاں اس کی ہمدرد ماں' بہن' بھائی سب ہی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے' روز روز کی اس لڑائی سے تنگ آ کر ایک دن اس نے رمشا کو طلاق دے دی اور رمشا اپنی بیٹی کے ساتھ مظلوم کردار بن کر دوبارہ اس گھر میں آ گئی' اور سارے گھر کے لوگ اس کی دلجوئی میں لگ گئے۔ اور پھر ثانیہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مرتبہ پھر کرم کی بارش ہوئی' جب ڈاکٹر نے ثانیہ کو ماں بننے کی خوشخبری سنائی اور اس مرتبہ ثانیہ نے ڈاکٹر کے ہر مشورے پر عمل کیا' ہر لمحہ اپنے رب سے اپنی خوشیوں کے لئے دعا مانگتی رہی اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے ایسا کرم کیا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی' جب دو جڑواں بچے اس کی گود میں آ گئے تو بے اختیار اس کا سر اپنے رب کے حضور جھک گیا۔

ہر وہ شخص جو اس کے دکھوں پر دکھی تھا' آج اس کی خوش بختی پر نازاں تھا' ہاں دکھ تھا تو فقط اتنا کہ وہ ساس نندیں جن کی اس نے اتنی عزت کی اتنی محبت کی ان سے کہ اپنے میکے کو بھلا دیا' یہ سوچ کر کہ میرے اپنے تو اب یہی لوگ ہیں' ان ساس نندوں نے یہ کہہ کر اپنے گھر سے نکال دیا کہ ہمارے بیٹے کو ہم سے الگ کر دیا ہے' تم نے کیونکہ بیٹا اب ماں بہنوں کے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی تھوڑی سی توجہ دینے لگا تھا' جو اس کے بچوں کی ماں بننے والی تھی اور ثانیہ تو تھی ہی جمال کی دیوانی' اس کی توجہ پا کر تو وہ خود کو بھی بھول گئی' پھر بچوں کی ذمہ داری اور جمال کی ناز برداریاں کرتے کرتے اچانک اسے احساس ہوا کہ آج کل جمال کچھ زیادہ ہی بڑی رہنے لگا ہے۔

"جمال! آج آپ پھر دیر سے آئے' آپ کو معلوم تو ہے گھر کے کام کے علاوہ مجھے بچوں کو بھی دیکھنا پڑتا ہے' آج پھر حنا جھولے سے گر گئی"۔ ثانیہ نے جمال سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"تو میں کیا کروں کیا سب کام دھندے چھوڑ کر میں گھر میں بیٹھ جاؤں.....؟" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا' لیکن کیا بچوں کی ذمہ داری صرف میری ہے' آپ کا کوئی فرض نہیں بنتا ہے"۔

"دماغ خراب کر دیا تم نے میرا' اس گھر میں آنا ہی فضول ہے"۔ جمال نے ایک ہاتھ سے ثانیہ کو دھکا دیا' بچوں کی وا کر کو ایک لات ماری اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا' یہ بھی نہیں دیکھا کہ بیڈ کا کونا لگنے سے ثانیہ کے ماتھے سے خون نکل آیا ہے۔

"کیا ہو گیا ہے جمال! تمہیں ایسی مجھ سے کیا خطا ہو گئی ہے جو تم مجھ سے یوں دور دور رہنے لگے ہو' میں نے تو کبھی تمہاری کسی بات سے نافرمانی نہیں کی' جب جب تم نے کہا میں نے تمہاری ماں اور بہنوں کی ہر طرح سے خدمت کی' تمہاری اور تمہارے بچوں کی دیکھ بھال میں' میں نے اپنی ذات کو فراموش کر دیا اب ایسا کیا کروں' جو تمہاری خوشی کا باعث بن سکے"۔ ثانیہ نے سر درد سے بے حال ہو کر اپنا سر تکیے پر رکھا۔

☆

جمال کے لئے ثانیہ اس کی پسند کا کھانا پکانے کے بعد جلدی جلدی خود بھی تیار ہوئی' اور بچوں کو بھی تیار کیا اور جمال کا انتظار کرنے لگی' وہ جانتی تھی کہ جب غصہ ختم ہو گا تو جمال کو بچوں کی یاد ستائے گی' 11 بجے سے 1 بجے تک وہ فون کر کر کے جمال کو مناتی رہی' تب کہیں 1 بجے کے قریب گاڑی کا ہارن سنائی دیا' بچے تھک کر سو گئے تھے لیکن جمال کی محبت نے ثانیہ کی نیندیں اڑا دی تھیں۔

"آپ جلدی سے فریش ہو جائیں' میں نے آپ کی پسند کا کھانا بنایا ہے"۔ ثانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے نکالو کھانا میں ابھی آ رہا ہوں منہ دھو کر"۔ جمال نے منہ بنا کر کہا۔ ثانیہ نے جلدی جلدی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا گرم کر کے ٹیبل پر رکھا اور اس کا انتظار کرنے لگی۔

"تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا کیا.....؟" جمال نے بروسٹ کا پیس اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں بھلا آپ کے بغیر ایک نوالہ بھی اپنے حلق سے اتار سکتی ہوں"۔ ثانیہ نے پیار سے جمال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھانا تو بہت مزیدار تھا اب اگر گرین ٹی بنا لاؤ"۔ جمال نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"جمال! بس آپ اسی طرح خوش رہا کریں"۔ چائے کی پیالی جمال کو تھماتے ہوئے ثانیہ نے کہا۔

"تم میری خوشی کے لئے کیا کر سکتی ہو.....؟" جمال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ارے ہم تو جان بھی دے دیں' آپ کہہ کر تو دیکھیں"۔

"ہوں..... یاد رکھنا اپنی اس بات کو"۔ جمال نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی خاطر تو ہم ہر آزمائش سے گزر جائیں گے"۔ ثانیہ نے اپنا سر جمال کے کندھے پر ٹکاتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے آپ اتنا پریشان کیوں رہتے ہیں.....؟" ثانیہ نے جمال کو سوچوں میں گم صوفے پر آنکھیں بند کر کے بیٹھے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"ہزار پریشانیاں ہوتی ہیں کام دھندوں کی' اب کیا بندہ دو منٹ گھر میں سکون سے بیٹھ بھی نہیں سکتا"۔ جمال نے چڑ کر کہا۔

"نہیں نہیں میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی"۔ ثانیہ نے گھبرا کر کہا۔

"اچھا سنو! مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے کیا تم اپنے بھائی سے لا سکتی ہو.....؟" جمال نے کہا۔

"کتنے پیسے.....؟"

"تمہارے پاپا کی جائیداد میں تمہارا بھی تو کچھ حصہ ہے"۔

"ٹھیک ہے میں کل جاؤں گی بھائی کے پاس آپ پریشان نہ ہوں"۔ ثانیہ نے کہا۔

اور پھر تو یہ سلسلہ ہی چل نکلا' جب بھی جمال کو ضرورت ہوتی پیسوں کی وہ ثانیہ کو میکے چھوڑ آتا اور ثانیہ کے میکے والے اس کی خوشی کے لئے اس کی ضرورتوں کو پورا کرتے رہتے تھے اور جمال کی خوشی ثانیہ کی زندگی کا حاصل تھی۔

جب ثانیہ اپنے گھر سے پیسے لاتی تو چند دن بہت سکون سے گزرتے' جمال ثانیہ کی ناز برداریاں کرتا بچوں کے لئے خوب شاپنگ کرتا اور ثانیہ خوش ہو جاتی کہ جمال کو اس کا کتنا خیال ہے اور پیسے ختم ہوتے ہی جمال کا رویہ ایسا بدلتا جیسے پہچانتا بھی نہ ہو' روز روز پیسوں کی ڈیمانڈ سن سن کر اس کے بھائی اور بھابی بھی اس سے بے زار رہنے لگے تھے مگر وہ بھی کیا کرتی' وہ یہ سب اپنے لئے نہیں جمال کی خوشی کے لئے کر رہی تھی۔

ثانیہ تو وہ تھی جو جمال کی عزت بڑھانے کے لئے اپنے ہر دکھ کو اپنے من میں اتار کر اور اپنے ہونٹوں پر ہنسی سجا کر اپنے میکے سے ملی کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کی ساس نندوں کا اس کے ساتھ کیا رویہ ہے' ایک ہی خاندان ہونے کی وجہ سے سب ہی اس کی ساس اور نندوں کی عادت کو پہچانتے تھے مگر ثانیہ ان لوگوں کی اتنی تعریف کرتی کہ لوگ مجبوراً انہیں اچھا سمجھنے لگے کہ میکے کا ہر فرد تو اس کو خوش دیکھنا چاہتا تھا' لیکن یہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جمال جس نے اپنے بہن بھائیوں کی خوشی کے لئے ثانیہ کو ان کا غلام بنا کر رکھا تھا' آج اپنی خوشی کے لئے ان سب کو برا بھلا کہہ کر سب سے الگ کر کے اپنی کس خواہش کی تکمیل کرنا چاہتا ہے' ثانیہ تو اس بات پر خوش تھی کہ آخر اس کے شوہر کو اس کی محبت اور خدمت کا احساس ہو ہی گیا' جب ہی تو اس

نے ثانیہ کے لئے ایک علیحدہ گھر کا انتظام کر دیا' جس میں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ آرام سے زندگی گزارے گی مگر.....؟

"کیا بات ہے جمال! آپ ہر وقت کسی سوچ میں گم رہتے ہیں' اب ایسی کون سی پریشانی ہے جس کی وجہ سے آپ کا دل نہ گھر میں لگتا ہے نہ آپ بچوں پر توجہ دیتے ہیں' مجھ سے کہیں شاید میں کوئی حل نکال سکوں"۔ ثانیہ نے چائے کا کپ جمال کو دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ثانیہ! بس پریشانی کا حل صرف تمہارے ہی پاس ہے' مگر ڈرتا ہوں کہ تمہیں بات ناگوار نہ گزرے"۔ جمال نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے تو کہیں ناں ہم تو جان دینے والوں میں سے ہیں' آپ کہہ کر تو دیکھیں"۔ ثانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"سوچ لو یہ جان کا نہیں روح کا سودا ہے"۔ جمال نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں' ہاں آپ کہیں تو پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں"۔ ثانیہ نے حیران نظروں سے جمال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو سنو! وہ جو میرے آفس میں ایک لڑکی کام کرتی تھی ناں بشریٰ....." جمال نے ایک لمحے کے لئے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

"ثانیہ! وہ میرے دل و دماغ پر چھا گئی ہے میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا' پلیز' پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میں تمہارا اور بچوں کا پورا خیال رکھوں گا"۔ جمال نے ثانیہ کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔

لیکن ثانیہ اس قابل کہاں تھی کہ جمال کی باتوں کو سن سکے' سمجھ سکے' وہ تو حیران نظروں سے جمال کی طرف دیکھ رہی تھی قیامت دنیا پر نہ سہی لیکن اس کے دل پر گزر رہی تھی وہ کیتی بھی اس سے تو کیا.....؟ یہ امتحان تو اس کی طرف سے بھی بڑا تھا۔

"پلیز میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو مجھے کام سے جانا ہے رات میں آؤں گا"۔ جمال نے ثانیہ کے ہاتھوں کو تھپکی دیتے ہوئے کہا مگر وہ تو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اسے پہچانتی ہی نہ ہو' اس کی زبان خاموش تھی' بس آنسو بھری آنکھوں سے اس نے ایک نظر جمال کی طرف دیکھا اور سر کو جھکا لیا۔

"کیا میری محبت میری وفا میں کوئی اثر نہ تھا"۔ اس کا دل چیخ سے رو پڑا۔

"نہیں' نہیں میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی' میں جمال کو روکوں گی۔ بھلا وہ مجھے چھوڑ کر دوسری لڑکی کو کیسے اپنا سکتا ہے' کیوں ثانیہ! کیوں کیا تم بھول گئیں کہ جمال صرف تمہارا شوہر نہیں ایک مرد بھی ہے اور مرد کی فطرت کو اس کا رب خوب جانتا تھا' اس لئے تو اس نے بھی مرد کو ایک ساتھ چار بیویوں کو رکھنے کی اجازت دی ہے"۔ مگر اس نے تو کبھی جمال کے بارے میں کسی سے بھی کچھ کہا ہی نہ تھا' پھر وہ آج اپنی زبان کیسے کھولتی۔

زندگی کے اس کڑے امتحان میں وہ حیران پریشان اپنے بچوں کو گود میں لئے ہوئے گئے دنوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"ہاں ثانیہ! ہاں آج تقدیر تمہیں اس موڑ پر لے آئی ہے جب تمہیں اپنے دل کو اپنے ہی قدموں تلے روند کر جمال کے خوابوں کے نگر کو آباد کرنا ہے' تم نے تو ہر پل ہر قدم جمال کا ساتھ دیا ہے تو کیا آج اس امتحان میں پوری نہ اترو گی اور جب جمال کا دل ہی تمہارے سوا کسی اور کی خواہش کر بیٹھا ہے تو کیا تمہاری محبت اس کی خوشی کی راہ میں دیوار بنے گی یہی ہے تمہاری محبت..... ہوں..... تو جمال تم نے کہا ہے ناں کہ میں کیا تمہاری خوشی کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتی۔

تو اب تم دیکھنا کہ میں تمہاری خوشی کے لئے کیا کرتی ہوں.....؟"

"ہمیں کہیں نہ کہیں تو بچھڑ ہی جانا تھا
یہ حادثہ بھی میری زندگی میں آنا تھا
وہ ایک شخص مجھے ساری عمر ترسے گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نصیب اس کے کہ اس نے مجھے گنوانا تھا"

"جمال! کب چلنا ہے بشریٰ کے گھر......؟" ثانیہ نے کھانے کی ٹیبل پر جمال کو کھانا پیش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ثانیہ! تم نے مجھے بشریٰ سے شادی کی اجازت دے دی ہے"؟ جمال نے حیرت سے ثانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں اس میں حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے میں خود چلوں گی تمہارے ساتھ بشریٰ کی ماں سے بات کرنے کے لئے"۔

"نہیں...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس طرح ہو سکتا ہے"۔ جمال نے پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"ارے...... ہو کیا نہیں سکتا' جب ایک بات کا حق آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے آپ اس کے قابل ہیں کہ دونوں بیویوں کو سپورٹ کر سکتے ہیں تو پھر میں آپ کی خوشی میں دیوار کس طرح بن سکتی ہوں......؟" ثانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"ثانیہ! تم نے آج ثابت کر دیا کہ محبت کرنے والی بیوی اللہ کی دی ہوئی ایک نعمت ہے' دیکھنا تمہیں مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوگی"۔ جمال نے ثانیہ کے ہاتھ تھام کر کہا۔

"اچھا' اچھا مجھے چھوڑیں اور جا کر بشریٰ کو یہ خوشخبری سنائیں"۔ ثانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"تھینکس"۔ جمال نے ثانیہ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر ثانیہ نے نہ صرف بشریٰ کی ماں اور بھائیوں کو اس رشتے کے لئے راضی کیا' بلکہ بشریٰ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے جمال کی دلہن بنا کر ہنسی خوشی اپنے ہی گھر میں لے کر آ گئی' اور اس کے ہنستے ہوئے چہرے کے پیچھے چھپے ہوئے دکھ کو کوئی نہ پہچان سکا۔

لوگ حیرت سے اس وفا کی دیوی کو دیکھ رہے تھے جس نے محبت کی ایک نئی مثال قائم کی تھی' جمال کے گھر والے جمال کو برا بھلا کہہ رہے تھے' کہ اس نے سارے خاندان کے سامنے انہیں رسوا کیا' وہ تو اس سارے کھیل کا ذمہ دار ثانیہ کو ٹھہرا رہے تھے کہ جس نے اجازت دے کر جمال کو اس راہ پر چلنے پر مجبور کیا اور ثانیہ سب لوگوں کی باتیں مسکرا کر سنتی رہی تھی کیونکہ اس نے اپنے رب کے حکم کو مانا تھا' اپنے شوہر کی خوشی کو مقدم جانا تھا اور پھر جب ایک عورت سے اس کے شوہر کی خوشی وابستہ تھی' تو وہ اس کی راہ میں دیوار کیوں بنتی' اس نے تو ہر قدم پر اپنے شوہر کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا پھر بھلا وہ اپنے وعدے سے کیسے مکرتی چاہے اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے اس کو سولی پر ہی کیوں نہ لٹکنا پڑے۔

کیسے چپ چاپ ہی مر جاتے ہیں کچھ لوگ یہاں
جسم کی ٹھنڈی سی
تاریک سیاہ قبر کے اندر
نہ کسی سانس کی آواز نہ سسکی کوئی
نہ کوئی آہ نہ جنبش نہ ہی آہٹ کوئی
ایسے چپ چاپ ہی مر جاتے ہیں کچھ لوگ یہاں
ان کو دفنانے کی زحمت بھی اٹھانا نہیں پڑتی

آج اس سے پیار کرنے والی ہر آنکھ اشکبار تھی مگر ثانیہ مسکرا رہی تھی' اس کی خالہ جو اس کی دوست بھی تھی ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ جمال کے سو ٹکڑے کر دیتیں اور ثانیہ کے بھی ہاتھ اور پیر کاٹ کر کے وہ جمال کے ان ٹکڑوں سے بھی دور رہ سکے' مگر وہ جانتی تھیں کہ ثانیہ پھر بھی جمال کے پاس جائے گی اور اپنی روح اس میں ڈال کر اسے زندہ کر دے گی' اور خود مر جائے گی' پھر بھلا وہ جمال کے لئے کوئی بددعا بھی کیسے کرتیں کہ جمال کے نصیب میں تو ثانیہ تھی جو اس کی ہر بددعا کی راہ میں دعا بن کر کھڑی تھی اور وہ اپنی ثانیہ کے لئے صرف دعا ہی تو کر سکتی تھیں کہ اس کو دعا دینے کے لئے ہی تو وہ زندہ تھیں۔

سحر انجم کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی غزل

دریچوں سے جھانکتی وہ لڑکی
عجب دُکھوں سے بھری ہوئی ہے
کہ اُس کے آنگن میں پھولوں پر
ایک نیلی تتلی مری ہوئی ہے
کبھی اذانوں میں کھوئی کھوئی
کبھی نمازوں میں روئی روئی
وہ ایسے دنیا کو دیکھتی ہے
جیسے اُس سے ڈری ہوئی ہے
دور دور سے مہکی مہکی سانسیں
وظائف پڑھتی ہوئی وہ آنکھیں
کہ ایک شامِ اُمید اُس میں
کئی برس سے رُکی ہوئی ہے
وہ دکھوں کی چادر میں لپٹی لپٹی
وہ کالے کپڑوں میں سمٹی سمٹی
محبت اُس نے شاید
میری طرح کی ہوئی ہے

افشاں علی کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

"شرط"

تعلق توڑنا چاہے
جو تُو مجھ کو چھوڑنا چاہے
تو میری شرط اتنی سی ہے
تمہیں جو دے چکی ہوں میں
مجھے لوٹا دو وہ سب کچھ
میرے نغمے وہ چاہت کے
وہ سب تحفے محبت کے
وہ بھری ڈائری میری
وہ ساری شاعری میری
کبھی وہ پھول اور پتیاں
وہ میٹھی پیار کی رتیاں
کہو لوٹا سکو گے تم؟؟
میرے وہ قیمتی لمحے
جو تجھ کو سوچتے گزرے
وہ پل جو اِک قیامت تھے
جو تیرا رستہ دیکھتے گزرے
خدا کو بھول کر وہ دن
جو تجھ کو پوجتے گزرے
کہو لوٹا سکو گے تم؟؟
حیا کی چاندنی دے دی
جیا کی راگنی دے دی
لبوں کی چاشنی دے دی
حناء کی روشنی دے دی
تجھے تو زندگی دے دی
تو پھر وہ زندگی میری
کہو لوٹا سکو گے تم؟؟
جو اگر ممکن ہوا ایسا تو
تعلق توڑ لینا تم
بس میری شرط اتنی سی ہے....!!

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

ناصر کاظمی کی غزل

ترے آنے کا دھوکا سا رہا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا سا رات بھر جلتا رہا ہے
عجب ہے رات سے آنکھوں کا عالم
یہ دریا رات بھر چڑھتا رہا ہے
سنا ہے رات بھر برسا ہے بادل
مگر وہ شہر جو پیاسا رہا ہے
وہ کوئی دوست تھا اچھے دنوں کا
جو پچھلی رات سے یاد آرہا ہے
کیے دھوندو گے ان گلیوں میں ناصر
چلو اب گھر چلیں دن جارہا ہے

شائلہ ملک کی ڈائری سے

سیدہ وصی شاہ کی نظم

تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا
بے سبب تو نہ تھیں تیری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا
ضبط کا حوصلہ بڑھا لینا
آنسوؤں کو چھپا لینا
کانپتی ڈولتی صداؤں کو
چپ کی چادر سے ڈھانپ کر رکھنا
بے سبب کبھی کبھی ہنسنا
جب بھی ہو بات کوئی تلخی کی
موضوعِ گفتگو بدل دینا
بے سبب تو نہیں تھیں تیری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا

صبا سحر کی ڈائری سے

عدیم ہاشمی کی غزل

پتھر ہے تیرے ہاتھ میں یا کوئی پھول ہے
جب تُو قبول ہے تیرا سب کچھ قبول ہے
پھر تُو نے دے دیا ہے نیا فاصلہ مجھے
سر پر ابھی تو پچھلی مسافت کی دھول ہے
تُو دل پہ بوجھ لے کے ملاقات کو نہ آ
اس جرم میں تو تیری جدائی قبول ہے
تُو یار ہے تو اتنی کڑی گفتگو نہ کر
تیرا اُصول ہے تو میرا بھی اُصول ہے
لفظوں کی آبرو کو گنوا نہ یوں عدیم
جو مانتا نہیں اُسے کہنا فضول ہے

رابعہ منیر کی ڈائری سے

افتخار عارف کی غزل

سرِ بام ہجر کا دیا بجھا تو خبر ہوئی
سرِ شام کوئی جدا ہوا تو خبر ہوئی
میرا خوش خرام بلا تیز خرام تھا
میری زندگی سے چلا گیا تو خبر ہوئی
مرے سارے حرف تمام حرف عذاب تھے
مرے کم سخن نے سخن کیا تو خبر ہوئی
کوئی بات بگڑ گئی تو پتہ چلا
میرے بے وفا نے کرم کیا تو خبر ہوئی
مرے قصہ گو نے کہاں کہاں سے بڑھائی بات
مجھے داستان کا سرا ملا تو خبر ہوئی

حنا علی کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں
تمہیں فرصت نہیں ملتی
ہمارے واسطے تم کو
کوئی ساعت نہیں ملتی
ہماری سوچ کے محور
کبھی اک پل تو سوچو تم
تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
اور اتنا یاد کرتے ہیں
کہ خود کو بھول جاتے ہیں

☆.....☆.....☆

اشعار

عائشہ نیازی.....ربوہ

کتنی دلکش ہے اس کی خاموشی
ساری باتیں فضول ہوں جیسے

نور بانو.....کوئٹہ

بارشوں کے اُداس موسم میں
خود کو دیکھوں تو یاد آئے کوئی
کاش اِک بار یوں بھی ہو جائے
میں پکاروں تو لوٹ آئے کوئی

صبا سحر.....ہارون آباد

کھو جاتی ہواؤں میں تیری آخری تحریر
دل کو تیرے اقرار پہ ایمان تو رہتا
پھر ملنے کا وعدہ ہی بڑی بات ہے خاور
پھر کون ملا ہے مگر احسان تو رہتا

بسمہ علی.....سکھر

کوئی فلسفہ نہیں عشق کا، جہاں دل جھکے وہیں سر جھکا
وہیں زانو موڑ کر بیٹھ جا، نہ کوئی سوال جواب کر

اُم فروہ.....کراچی

ہم خود ہی جدائی کا سبب تھے
اس کا ہی قصور سارا کب تھا
اب اور کے ساتھ ہے تو کیا ہوا
پہلے بھی کوئی ہمارا کب تھا

عین مرتضیٰ.....سیالکوٹ

ہے اختیار میں تیرے تُو یہ معجزہ کردے
وہ میرا نہیں اُسے میرا کردے

ثنا حیات.....پشاور

کسی سے کون پوچھے کیا ہوا ہے
جسے دیکھو وہ پتھر ہوگیا ہے
وہ ہر چیز میں کسی کو ڈھونڈتا ہے
وہ پاگل سا بچھڑ کر ہوگیا ہے

دھنک ناز.....کراچی

جسے مانگا تھا میں نے ہر دعا میں
وہ بن مانگے کسی کو مل گیا ہے

نور ملک.....کراچی

جس طرح رنج میں آنکھوں میں نمی کا ہونا
ایسا ہوتا ہے محبت میں کسی کا ہونا
تیرا سورج کے قبیلے سے تعلق تو نہیں
یہ کہاں سے تجھے آیا ہے سب ہی کا ہونا

حنا علی.....ملتان

ساتھ چھوڑ کے بھی ہم سے جدا مت ہونا
وفا چاہیئے آپ سے بے وفا مت ہونا
روٹھ جائے ساری دنیا ہم سے
مگر آپ ہم سے کبھی بھی خفا مت ہونا

سدرہ عابد.....کراچی

تسخیر کر رہا ہوں زمانے کی گردشیں
غم کو سکھا رہا ہوں مناجات عید کی
گم صم ہے کائنات ستارے ہیں دم بخود
دل کو سُنا رہا ہوں میں کافی فرید کی

فرزانہ شوکت.....کراچی

حسن بڑھا دے ذات کا وہ غم اچھا لگتا ہے
اُس کی آنکھ میں ہلکا سا نم اچھا لگتا ہے
بڑی بڑی رنجشوں کی باتیں اس کو یاد نہیں
اور ذرا ذرا سی بات پر برہم اچھا لگتا ہے

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

"لیکن جب قدرت چاہتی ہے سارے دَر وا ہوجاتے ہیں سلسلے ملتے جاتے ہیں اور جب مقدر میں جدائیاں لکھ دی جائیں تو ساری تدابیر، ہر طرف کے در بند ہوجاتے ہیں خواہ وہ کوئی ہو، زندگی کے لمحات صرف کاتبِ تقدیر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور وہ لکھا ہوا وہی لمحہ ہوتا ہے جب خداوند کسی بھی کام کے ہوجانے کا ارشاد فرماتے ہیں، لمحہ لمحہ بشریت ٹوٹ کر بکھر جانے یا ٹوٹ کر جڑ جانے کے عمل کو بھی ہم اسی کی رضا سے جانتے ہیں ورنہ خاک ہو کر واپس اپنے ہی لبادے میں اُٹھ کر روزِ قیامت کا تصور ہوتا اور ہم حیوانات کی سی صفت عریاں ہوتے لیکن نہیں! انسان ہی کو اس نے اشرف المخلوقات بنایا، ہم کتنا بھی اس کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش کریں لیکن.....!

یارب! یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

ہماری عقل اور فہم کو اس وقت تک تالا لگا ہوتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں"۔

"کچی کلیاں" سے اقتباس، صالحہ محمود

انتخاب: عانیہ نیازی.....ربوہ

خاموشی

"یہ راز عجیب راز ہے، انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، راز کی تلاش کسی بیرونی سفر کا نام نہیں، یہ راز اندر کا سفر ہے، انسان کے اندر سے یہ راز ملتا ہے، اور خاموشی میں ملتا ہے اور ملنے کے بعد خاموش کر دیتا ہے، ایسی خاموشی جس پر گویائی نثار ہو، انسان کا اصل ساتھی، اصل رہبر اس کا اپنا ذوق ہے، اس کی اصل منزل اس کا اپنا آپ ہے، اپنے من میں ڈوبنے کی دیر ہے، گوہر مراد حاصل ہوجاتا ہے۔ آواز حجاب ہے، خاموشی کاشفِ راز ہے، باطن کا سفر، اندرون بینی کا سفر، من کا سفر، دل کی گہرائیوں کا سفر، رازِ ہستی کا سفر، دیدہ وری کا سفر، چشمِ بینا کا سفر، حق بینی، حق یابی کا سفر، خاموشی کا سفر ہے۔

واصف علی واصف کی کتاب "قطرہ قطرہ قلزم" سے

انتخاب: سمیرا انور.....جھنگ

اس ماہ کی کرنیں

☆ آپ کسی پر جھنجھلاہٹ طاری کر دیں وہ اخلاق کی کوئی حد ضرور پھلانگے گا، شدت اس پر منحصر ہے۔

☆ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پرکھنا اور لوگوں پر اعتبار کرنا محض اس لیے نہ چھوڑ دیں کہ ان میں سے کچھ نے آپ کو مایوس کیا ہے کوئی نہ کوئی مخلص اور کوئی نہ کوئی پہلو آپ کا ضرور ہے۔

☆ کاغذ پر زندگی کے نقوش مکمل طور پر کبھی نہیں اُتارے جاسکتے، بالکل اس طرح جس طرح کپڑے کا پرنٹ کاغذ پر اُتارا جائے تو اس کا تاثر بدل جاتا ہے۔

☆ کاش کا لفظ آپ کی کوتاہی کو ظاہر کرتا ہے۔

☆ ہر شخص دنیا کو تبدیل کرنے کا سوچتا ہے لیکن خود کو بدلنے کا نہیں۔

☆ اگر آپ کا دماغ سوچتا، سمجھتا، فیصلہ کرتا اور ان تینوں کے نتائج کو یاد رکھتا ہے تو آپ بالکل ٹھیک ہیں۔

اُمِ فروا.....کراچی

اس ماہ کا فلسفہ

☆ لفظ انسان کے غلام ہوتے ہیں مگر صرف بولنے سے پہلے تک، بولنے کے بعد انسان اپنے لفظوں کا غلام بن

جاتا ہے۔ (حضرت علیؓ)

شمائلہ ملک.....کراچی

اس ماہ کی غزل

راہوں پہ نظر رکھنا' ہونٹوں پر دعا رکھنا
آجائے کوئی شاید دروازہ کھلا رکھنا
احساس کی شمع کو اس طرح جلا رکھنا
اپنی بھی خبر رکھنا' اس کا بھی پتہ رکھنا
اک بوند بھی اشکوں کی دامن نہ بھگو پائے
غم اس کی امانت ہے پلکوں پہ سجا رکھنا
بھولوں میں اگر اے دل تُو یاد دلا دینا
تنہائی کے لمحوں کا ہر زخم ہرا رکھنا
لوگوں کی نگاہوں کو پڑھ لینے کی عادت ہے
حالات کی تحریریں چہرے سے بچا رکھنا
کچھ ایسے قتیل ان سے برتاؤ ہے اپنا
وہ بھی نہ بُرا مانے دل کا بھی کہا رکھنا

ثناء قیوم.....بہاولپور

اس ماہ کی ہری مرچیں

☆ کیبل کے سائے میں پلنے والے محمد بن قاسم یا ٹیپو سلطان نہیں بلکہ شاہ رُخ اور عامر خان بنیں گے۔

☆ جس شادی کی مووی نہ بن رہی ہو اُس شادی میں شریک لڑکیاں ایسے لگتی ہیں جیسے صدیوں کی بیمار ہوں۔

☆ عورت ایک جھوٹا آنسو بھی بہا دے تو مرد قربان ہونے کو تیار ہوجاتا ہے، پھر بھی صنفِ نازک کو شکوہ رہتا ہے کہ مرد وفادار نہیں۔

☆ عورت کو زبان درازی کا طعنہ دینے والے اس کی ایک لمحے کی خاموشی پر تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔

☆ بھائی کے پاس بہن کے لئے وقت نہیں جبکہ دوسرے کی بہن کے لئے وقت ہی وقت ہے۔

☆ مرد ہر حال میں رعب ڈالنا چاہتا ہے خواہ باپ ہو، بھائی ہو یا خاوند۔

نور بانو.....کوئٹہ

اس ماہ کا افسانچہ

دل کی ایک خواہش تھی کہ میں تم سے ملوں اور تم میری ہوجاؤ، مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب ہم دونوں پہلی دفعہ ملے تھے، میں نے تمہاری طرف دیکھا مگر تم اس دن منہ موڑے کھڑی تھیں، میں تمہاری ایک ہی جھلک کا دیوانہ ہوگیا تھا اور میں نے دل میں ارادہ کرلیا تھا کہ میں تمہیں پا کر ہی رہوں گا۔

میں نے گھر جا کر ابو سے بات کی مگر انہوں نے ٹال دیا تو میرا دل ٹوٹ گیا، میں تمہاری چاہت کا دیوانہ تھا، تم روزانہ وہاں کھڑی ہوتی تھیں اور میں وہاں سے گزرتا ہوا تمہیں دیکھتا تھا، میں نے اپنے دل میں پکا ارادہ کرلیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہوجائے، میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا، آخر کار ہزار کوشش کے بعد ابو مان گئے اور وہ خود تمہیں دیکھنے کے لئے گئے، ابو نے تمہیں دیکھا تو انہوں نے ہاں کردی اور ہم کچھ ہی دنوں بعد تمہیں اپنے گھر لانے کے ارادے سے وہاں سے نکل آئے، آخر وہ دن بھی آ گیا جب ہم دونوں ملنے والے تھے اس دن ابو، امی اور بہن کتنے خوش تھے، مگر میری خوشی ان سب سے زیادہ تھی، کیونکہ میں نے تمہیں پانے کے لئے بہت صبر کیا اور آخر تم میری ہو ہی گئیں، اے میری پیاری "کار" اگر آج تم میرے ساتھ نہ ہوتیں تو میری زندگی میں خوشی کے اتنے رنگ نہ ہوتے۔

نبیلہ ملک.....کراچی

اس ماہ کا شعر

ملا کر ہمیں اکثر کہ جی نہیں لگتا جانِ جاں
تمہارے رابطے سے زندگی وجود میں ہے

نوشین مدثر.....لاہور

اس ماہ کی مزاحیہ غزل

ہمیں کہیں کہ نہ اس نے رکھا
تو اس میں بھی رکھ رکھاؤ ہے گا
اسے جو ہم سے لگاؤ ہے گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رقیب کو اس پہ تاؤ ہے گا
وہ کسی پینے کو آرہے ہیں
کہیں یہاں آدھ پاؤ ہے گا
گرانی کوٹھے چڑھی ہوئی ہے
نرخ ہے کوئی نہ بھاؤ ہے گا
نہ اب چلو گے تو کب چلو گے
ہمارا بھی چل چلاؤ ہے گا
گلی میں تنہا بلا رہا ہے
یہ اس کے لبا کا داؤ ہے گا
غریب جیدی کی فاتحہ پر
بغیر بوٹی پلاؤ ہے گا

شاعر:۔اطہر شاہ خان (جیدی)
انتخاب: روشنی فاطمہ.....کراچی

اس ماہ کی نظم

کئی بے قرار آنسو
آنکھوں سے بہہ نکلے تھے
آج کیا ہوا مجھ کو؟
اس طرح سے پہلے تو میں کبھی ٹوٹا نہ تھا
اس سفرِ زندگی میں کئی موڑ دیکھے تھے
کئی درد کے لمحے، کئی سوگ کی راتیں
کئی روگ کی باتیں
ہنس کے ہم نے سہہ لی تھیں
آنکھیں تب بھی چپ تھیں
دل گرچہ ٹوٹا تھا
پھر!!!
آج کیا ہوا مجھ کو؟
اس طرح سے پہلے تو میں کبھی ٹوٹا نہ تھا
پر تب کی بات اور تھی شاید
اب کے خواب ٹوٹا ہے!!!
مدتوں جسے میں نے آنکھوں میں بسایا تھا
ہاں میرا وہی سپنا
مجھ سے آج چھوٹا ہے

تب کی بات اور تھی شاید
اب کے خواب ٹوٹا ہے!!!

زینب نور.....ملتان

اس ماہ کے اقوالِ زرّیں

☆ کوئی آئینہ انسان کی اتنی سچی تصویر پیش نہیں کر سکتا، جتنی کہ اس کی گفتگو۔

☆ لاکھوں کو دوست بنانا کوئی بڑی بات نہیں، بڑی بات یہ ہے کہ ایک ایسا دوست بناؤ جو تمہارا اس وقت ساتھ دے، جب لاکھوں تمہارے مخالف ہوں۔

☆ لوگوں کو دعا کے لیے کہنے سے زیادہ بہتر ہے، ایسے اعمال کرو کہ لوگوں کے دل سے آپ کے لیے دعا نکلے۔

☆ اچھا دوست چاہے جتنا بھی بُرا بن جائے، کبھی اس سے دوستی مت توڑنا، کیوں کہ پانی چاہے جتنا بھی گندا ہو جائے، آگ بجھانے کے کام آتا ہے۔

☆ کامیابی حوصلوں سے ملتی ہے اور حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں، دوست مقدروں سے ملتے ہیں اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔

علیشہ نور.....کراچی

اس ماہ کی اچھی بات

اگر کوئی تم سے ناراض ہو اور اُسے اس بات کا غرور ہو کہ تم اُسے منالو گے، تو اُس کے غرور کو ٹوٹنے مت دینا۔

شازیہ علی.....گجرات

اس ماہ کا لطیفہ

مریض: ”میں بہت خوش رہتا ہوں، نیند سکون سے آتی ہے، زندگی میں امن ہی امن ہے، ہر کام میں دل لگتا ہے، کوئی پریشانی نہیں، ایسا کیوں ہے ڈاکٹر صاحب؟“

ڈاکٹر: ”میں آپ کی بیماری سمجھ گیا ہوں جناب! آپ کی زندگی میں وٹامن She کی شدید کمی ہے۔“

بسمہ علی.....سکھر

☆.....☆.....☆

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے مرتبے میں کم وہ شخص ہوگا جس کی خشم گوئی اور بدزبانی کے ڈر سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہوگا“۔ (بخاری، مسلم)

دھنک ناز.....کراچی

شیطان کا سامانِ تجارت

حضرت عیسیٰؑ نے دیکھا کہ شیطان چار گدھوں پر سامانِ تجارت لادے ہوئے جا رہا ہے، آپ نے پوچھا:

”اے مردود! یہ کیا لے جا رہا ہے؟“

شیطان نے کہا: ”یہ مالِ تجارت ہے، ایک گدھے پر ظلم، دوسرے پر خیانت، تیسرے پر مکر و فریب اور چوتھے پر حسد لادا ہوا ہے“۔

پیغمبرِ خدا نے پوچھا: اس مال کا خریدار کون ہے؟“

شیطان نے کہا: ”ظلم حکمرانوں اور بادشاہوں کے کام کی چیز ہے، وہ اس کو خریدتے ہیں، خیانت تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں، مکر و فریب عورتوں کا پسندیدہ مال ہے اور حسد علی علماء کے ہاں بہت مانگ ہے، میرے تمام مال کے گاہک موجود ہیں“۔

عائشہ نیازی.....ربوہ

خلافتِ راشدہ کا انصاف

حضرت علیؓ کا دورِ خلافت ہے، دارالخلافہ مدینے سے کوفے میں منتقل ہو چکا، شریح اسلامی مملکت کے چیف جسٹس ہیں، امیر المومنین علیؓ اور ایک یہودی کا تنازع ان کی عدالت میں پیش ہوتا ہے، امیر المومنین کی زرہ کہیں گر پڑی تھی اور اس یہودی کے ہاتھ لگ گئی۔ امیر المومنین کو پتہ چلتا ہے تو وہ اس سے زرہ کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر یہودی کہتا ہے کہ زرہ میری ہے، چنانچہ دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ امیر المومنین عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، چیف جسٹس شریح فریقین کے بیان لیتے ہیں، یہودی اپنے بیان میں کہتا ہے کہ زرہ میری ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے قبضے میں ہے۔ چیف جسٹس شریح، امیر المومنین سے اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرنے کو کہتے ہیں۔ وہ دو گواہ پیش کرتے ہیں: حسینؓ اور قنبرؓ۔ چیف جسٹس شریح کہتے ہیں کہ قنبرؓ کی شہادت تو قبول کرتا ہوں، لیکن حسینؓ کی شہادت قابلِ قبول نہیں ہے۔ امیر المومنین کہتے ہیں آپ حسینؓ کی شہادت کو مسترد کرتے ہیں! کیا آپ نے رسول اللہؐ کا ارشاد نہیں سنا کہ حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ چیف جسٹس کہتے ہیں سنا ہے مگر میرے نزدیک باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت معتبر نہیں۔ دوسرا شاہد نہ ہونے کی وجہ سے امیر المومنین کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ امیر المومنین نہ تو کوئی آرڈیننس جاری کرتے ہیں اور نہ کسی قانون کی پناہ ڈھونڈتے ہیں بلکہ اس فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ یہودی اس فیصلے سے بے حد متاثر ہوتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص صاحبِ اختیار ہونے کے باوجود اس کی زرہ اس سے چھینتا نہیں بلکہ عدالت کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ عدالت بھی اس کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتی۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں یکساں حالت میں عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ امیر المومنین جج کا فیصلہ بے چوں و چراں تسلیم کرتا ہے۔ عدالت اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امیر المومنین کا منصفانہ کردار اس کے دل میں کھب جاتا ہے۔ وہ وہیں پکار اُٹھتا ہے کہ زرہ امیر المومنین کی ہے اور جس دین کا ماننے والا قاضی، امیر المومنین کے خلاف فیصلہ صادر کرتا ہے اور امیر المومنین اس فیصلے کو بلا حیل و حجت مان لیتا ہے وہ یقیناً سچا ہے۔ امیر المومنین اس یہودی کے اسلام لانے پر اتنے مسرور ہوتے ہیں کہ بطور یادگار اپنی زرہ اسے دے دیتے ہیں۔

بسمہ علی.....سکھر

جاہل کی چھ علامتیں

جاہل چھ علامتوں سے پہچانا جاتا ہے۔

۱): بے موقع غصہ

جاہل آدمی، انسان سے جانور بلکہ بے جان چیز پر بھی غصہ کرتا ہے۔

۲): غیر مفید گفتگو

سمجھدار آدمی کچھ فضول باتیں نہیں کرتا، یہ صرف جاہل کا کام ہے۔

۳): بے موقع دینا

کسی کو کچھ دینا جس سے آخرت کا یا دنیاوی فائدہ نہ ہو جہالت ہے۔

۴): ہر ایک سے راز کھول دینا

راز کی بات ہر کسی سے کہہ دینا نقصان سے خالی نہیں۔

۵): ہر کسی پر بھروسہ کر لینا

ہر کسی پر بھروسہ کرنے والا پچھتاتا ہے۔

۶): دوست دشمن کی تمیز نہ کرنا

لباس خضر میں سینکڑوں رہزن پھرتے ہیں، دنیا میں رہنا ہے تو کچھ تو پہچان پیدا کر۔

ریحانہ.....ملتان

قیمتی موتی

☆ نہ کسی کے ساتھ محبت کرنے میں جلدی کرو اور نہ عداوت کرنے میں عجلت سے کام لو۔

(حضرت عبدالقادر جیلانی)

☆ مومن ہو یا کافر، کسی کی دل آزاری نہ کرو، اس لیے کہ کفر کے بعد یہی سب سے بڑا گناہ ہے۔

(حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ)

☆ جس کام کو میں سب کاموں سے مؤخر جانتا تھا وہ مقدم کام تھا، یعنی والدہ کی رضامندی۔

(حضرت بایزید بسطامیؒ)

☆ راہِ درویشی چلنا اور بات ہے اور ذخیرہ جمع کرنا اور بات ہے، درویش بن یا ذخیرہ جمع کر۔

(حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ)

رقیہ بلال.....کوئٹہ

سخن فہم

کالج میں ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا: ''کیا تم امتحان میں پاس ہو گئے؟''

''وہ دراصل بات کچھ یوں ہے کہ.....''

''ٹھیک ہے میں سمجھ گیا، میں بھی فیل ہو گیا ہوں''۔ دوست نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

شمائلہ ملک.....کراچی

تعاون

بیٹے کی پچیسویں سالگرہ پر باپ نے اس سے کہا: ''بیٹا! تم اب جوان ہو گئے ہو، میں چاہتا ہوں تم میرا کچھ بوجھ بٹاؤ''۔

''ضرور ابا جان! آپ بتائیے میں کیا کروں؟'' بیٹے نے سعادت مندی سے کہا۔

''بیٹا! تمہاری پیدائش کے وقت ہم نے اسپتال اخراجات کے لئے بینک سے کچھ قرضہ لیا تھا، میں چاہتا ہوں کہ اس کی آخری تین قسطیں تم ادا کرو''۔

سونیہ خان.....بھکر

جدید محاورے

☆ میاں مارے ایک بار، بیگم مارے بار بار

☆ چیتی چلاتی کا نام بیوی ہے

☆ خدا بیگم کے پاس قبر نہ بنوائے

☆ ساس بیگم گھر نہیں، اس کو کسی کا ڈر نہیں

☆ کنوارہ روئے ایک بار، بیاہا روئے بار بار

زینب مبشر.....سیالکوٹ

اُف یہ ٹینشن.....!

کیا ہے یہ ٹینشن؟ کہاں سے آئی ہے یہ ٹینشن؟ کس نے بنائی ہے یہ ٹینشن؟ اگر ہم سے کوئی یہ پوچھے کہ مرغی پہلے آئی تھی یا انڈا؟ تو ہمارے لئے جواب دینا ذرا مشکل ہوگا لیکن اگر ہم سے یہ پوچھا جائے کہ دنیا پہلے بنی تھی یا ٹینشن تو ہم فٹ سے جواب دیں گے ''ٹینشن''

اجی دور کہاں جاتے ہیں، ذرا اپنے اِرد گرد نظر دوڑائیے، جو غریب لوگ ہیں، ان کو اس بات کی ٹینشن ہے کہ بیوی بچوں کا کہاں سے پورا کریں، شرافت اور ایمانداری سے پیٹ مشکل سے ہی بھرتا ہے، جو بہت دولت مند ہیں ان کو اس بات کی ٹینشن ہے کہ دولت کو کیسے دگنا چوگنا کیا جائے اس ٹینشن کے مارے ان کی راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے، ہمارے طلباء کو ہی دیکھ لیجئے، سارا سارا سال پڑھائی کی ٹینشن، سال کے آخر میں امتحان کی ٹینشن، امتحان کے بعد نتیجہ کی ٹینشن اور نتیجے کے بعد، اگر وہ ناقابلِ دید ہو تو اسے دوسروں کو بتانے کی ٹینشن!

اس نئی ٹینشن سے تو گھر کی چار دیواری میں بیٹھی عورتیں بھی نہیں بچ سکتیں۔ ہر روز ایک ہی ٹینشن! پتہ ہے کیا؟ ''اجی سنیئے! آج کیا پکاؤں؟'' اس طرف سے بیزاری سے لبریز جواب ملتا ہے۔ ''باہر کی ٹینشن کیا کم ہے کہ اب پکانے کی ٹینشن بھی میں سلجھاؤں، ہونہہ.....!''

جو لوگ ذرا پڑھ لکھ گئے ہیں اور اچھی اچھی ڈگریاں لئے بیٹھے ہیں، انہیں روزگار ڈھونڈنے کی ٹینشن نے گھیرا ہوا ہے۔ ان کو کوئی بتائے کہ آجکل ماڈرن دور ہے، سفارش اور رشوت کا زمانہ ہے، یہ لوگ ڈگریاں ہاتھوں میں لئے کس معجزے کے منتظر ہیں؟ ارے میاں وہ دن گئے، جب خلیل خاں فاختہ اُڑایا کرتے تھے۔

ٹینشن کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ کہیں بھی، بالکل مفت دستیاب ہے، جیسے ڈرائیور حضرات کو ٹوٹی ہوئی سڑکوں کی ٹینشن، کسان کو بارش نہ ہونے کی ٹینشن لڑکیوں کو اپنے لمبے بالوں کی ٹینشن، عاشقوں کو محبت میں ناکامی کی ٹینشن، کنواروں کو شادی کی ٹینشن!

آخر اس ٹینشن کا کیا حل ہے؟ جیتے جی تو شاید یہ مسئلہ حل نہ ہو شاید مرنے کے بعد.....!

ارے نہیں جی، مرنے کے بعد بھی ایک ٹینشن ہے کہ ''دوزخ میں جائیں گے یا جنت میں؟'' اُف میرے خدایا.....!!!!

ایس امتیاز احمد.....کراچی

''کہاوتیں''

☆ جب کتا ہو تو پتھر نظر نہیں آتا، اور جب پتھر ہو تو کتا نظر نہیں آتا۔ (پاکستانی کہاوت)

☆ عقیلی عورت اور ٹپکنے والا گھر یکساں ہوتے ہیں۔ (ہندوستانی کہاوت)

☆ سستی چیزیں اچھی نہیں ہوتیں اور اچھی چیزیں سستی نہیں ہوتیں۔ (چینی کہاوت)

☆ عمدہ دوائی اکثر کڑوی ہوتی ہے۔ (جاپانی کہاوت)

☆ بالکل نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ (جرمن کہاوت)

☆ بھیڑ کو باپ نہیں، صرف گھاس یاد آتی ہے۔ (روسی کہاوت)

☆ مچھلی اور مہمان سے تین دن بعد بدبو آنے لگتی ہے۔ (امریکی کہاوت)

روشنی فاطمہ.....کراچی

ضرورت

شاخ جب تک درخت پر لگی رہتی ہے وہ اس کا حصہ ہوتی ہے، لیکن جیسے ہی وہ اس سے ٹوٹ کر گرتی ہے وہ اس سے جُدا ہو جاتی ہے، پھر وہ صرف سوکھی لکڑی رہ جاتی ہے، جسے لوگ اپنی ضرورت کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

استعمال کر لیتے ہیں۔

سمیرا انور......جھنگ

مہکتی کلیاں

☆ انسان کی آزمائش جتنی بڑی اور مشکل ہوگی، انعام بھی اتنا بڑا ہوگا۔

☆ اگر نیک اور مخلص بننا چاہتے ہو تو شبنم کے قطرے کی طرح شفاف ہو جاؤ۔

☆ سب سے نادان شخص وہ ہے، جو چھوٹی چیز کی خاطر بڑی چیز کھو دیتا ہے۔

☆ دو حریص ایسے ہیں جن کی حرص کبھی ختم نہیں ہوئی، ایک علم اور دوسرا دنیا کا۔

☆ ہم میں سے اکثر کے نزدیک حقیقی زندگی وہ ہے جسے ہم خود بسر نہیں کرتے۔

☆ کامیابی کا دارومدار آپ کی محنت یا دوسروں کی جہالت پر ہے۔

نوشین مدثر......لاہور

نیک فطرت آدمی

ایک شخص نہایت خوش خلق اور نیک سیرت تھا۔ وہ بُروں کو بھی بھلا کہتا تھا کیونکہ اپنی نیک فطرتی کی وجہ سے اس کی نظر ان کے عیبوں پر نہیں جاتی تھی۔ جب اس نے دنیائے فانی سے کوچ کیا تو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ "مرنے کے بعد تیرا حال کیا ہوا؟" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ "الحمدللہ مجھ پر کوئی سختی نہیں کی گئی کیوں کہ میں نے بھی کبھی کسی کے ساتھ سختی نہ کی تھی"۔

سمیرا افضل......سرگودھا

قیمتی موتی

بارش کا ننھا قطرہ بادل سے ٹپکا۔ جب اس نے سمندر کی چوڑائی دیکھی تو شرمندہ ہوا اور دل میں کہا کہ سمندر کے سامنے میری حیثیت کیا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے تو میں نہ ہونے کے برابر ہوں۔ جب اس نے اپنے آپ کو حقارت سے دیکھا تو ایک سیپی (صدف) نے اس کو اپنے منہ میں لے لیا اور دل و جان سے اس کی پرورش کی۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ قطرہ ایک قیمتی موتی بن گیا۔ اور بادشاہ کے تاج کی زینت بنا۔

امبرین حیدر......اسلام آباد

اچھی عادات

ایک روز خلیفہ ہارون الرشید نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم نیک انسان بننا چاہتے ہو تو بچوں جیسی عادات اپنالو۔ لوگوں نے پوچھا، "وہ کیسے؟"

خلیفہ نے کہا، بچوں میں سات عادات ہوتی ہیں جو اگر بڑوں میں ہوں تو وہ ولی اللہ بن جائیں۔ عادات یہ ہیں۔

☆ رزق کا غم نہیں کرتے۔

☆ اکٹھے مل کر کھاتے ہیں۔

☆ لڑتے جھگڑتے ہیں تو دل میں کینہ نہیں رکھتے۔

☆ لڑائی کے بعد جلد صلح کر لیتے ہیں۔

☆ اپنے بڑوں سے ڈرتے ہیں۔

☆ ذرا سی دھمکی سے رونے لگتے ہیں۔

☆ دشمنی کا جامہ مستقل نہیں پہنتے۔

صدف علی......فیصل آباد

نیم حکیم

ایک سردار کی ٹانگ نیلی ہوگئی، حکیم صاحب بولے: "زہر پھیل گیا ہے، ٹانگ کاٹنی پڑے گی"۔

تین دن کے بعد سردار جی کی دوسری ٹانگ بھی نیلی ہوگئی۔ حکیم صاحب: "یہ بھی کاٹنی پڑے گی، زہر کافی پھیل گیا ہے، دونوں کاٹ کر پلاسٹک کی ٹانگیں لگا دیں گے، آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں سردار جی!"

آٹھ دن کے بعد پلاسٹک کی ٹانگیں بھی نیلی ہوگئیں۔ حکیم صاحب: "اب سمجھ آیا سردار جی! تمہاری دھوتی کا رنگ اترتا ہے، پریشانی کی کوئی بات نہیں"۔

اُمِ فروا......کراچی

............☆☆☆............

دُعا

اے خدا مجھ کو اپنے جلوۂ نور سے
اس قدر فیضیاب کر دے
کہ جب جب نگاہیں اُٹھا کر دیکھوں
تُو ہی تُو نظر آئے
تُو نے ہی تو دنیا کی ہر شے کو ہے پیدا کیا
مجھ کو چاند جیسا محبوب
اور ستاروں جیسے دوست عطا کیے
تُو ہی تو ہے دونوں جہانوں کا مالک و رہبر
مجھ بندہ پرور کو بھی
اب سارے گناہوں سے آزاد کر دے
تُو جلوہ افروز سے اپنی رحمت کی
اس قدر بارش کر دے
کہ مجھ گناہ گار کو ان موتیوں میں
پور پور ڈبو دے
اے خدا! تُو ہی تو ہے ہر شے پر
قادر و قدرت رکھنے والا
اب مجھ کو بھی اپنے نظرِ کرم کے لائق کر دے
تُو میری زندگی کو اس قدر سنوار دے
کہ میرے دل میں ایمان کی روشنی تازہ کر دے
اے خدا! ہر چیز تو ہے تیرے بس میں
تُو مجھ کو میرے خواب میں دیکھے گئے
مدینے جانے کی تعبیر عطا کر دے (آمین)

مدیحہ اعجاز حسین

غزل

میں جب بھی لکھتا ہوں اپنی داستاں شعروں کی صورت
اُبھر آتا ہے آنکھوں میں جہاں اپنا شعروں کی صورت
بکھر جاؤں نہ کہیں ایک دن ہواؤں میں ڈرتا ہ
میں اپنے آپ کو رکھوں کہاں شعروں کی صور
سرِ محشر اگر چاہو تو پڑھ دینا ترنم سے
مجھے بھی ساتھ لے جانا وہاں اپنے شعروں کی صورت
میں شاعر ہوں، میں ہونٹوں پہ کہانی بن کے بیٹھوں
میں آنکھوں میں سماؤں گا، جوان کے شعروں کی صورت
یہ مجھ سے ہوگئی سرزد طلسماتی فسوں کا
حقیقت سے نکل آیا گماں شعروں کی صورت
وہ جب بھی چاہتا ہے پوچھ لیتا ہے، مجھ سے کوئی مص
میرے دل میں ہے میرا رازداں شعروں کی صورت
جنوں تھا یہ سمندر کو اپنی غزل سمجھے و
یوں ناؤ پر لگایا بادباں شعروں کی صورت

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگی

غزل

آنچل میں سجا لینا، تم دل میں بسا لی
جب یاد ستائے تو، خوابوں میں بلا لی
زلفوں کو تو لہراؤ، میرے دل پہ ستم ڈھا
تم چاہے مجھے کچھ نہ دو، پر مجھ سے وفا لی
آنچل پہ ستارے ہیں ہونٹوں پہ تبسم
میرے پیار کے گیتوں کو تم دل میں چھپا لی
معلوم نہیں تجھ کو، مجھے تم سے محبت
کاجل میری اُلفت کا آنکھوں میں چھپا لی
یہ میری تمنا ہے تم ساتھ میرے ر
میرے پیار کی شمع کو بس دل میں بسا لی
امتیاز کہے تم سے تم ایک ہو لاکھوں می
میں پیار سے جو دیکھوں، آنکھیں نہ چُرا لی

ایس۔امتیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظم

یہ چاہت بھی کیسا جذبہ ہے
دل بے اختیار ہی
کسی کو چاہنے لگتا ہے
میں نے بھی اپنے دل میں
تمہارے لئے چاہت محسوس کی ہے
جب بھی آئینے میں
خود کو دیکھتی ہوں
میری آنکھوں سے تیری یادیں
نمی کی صورت دل پر گرتی ہیں
میرے دل میں اب بھی
تمہارے لئے چاہت موجود ہے
جب بھی میں تنہا ہوتی ہوں
صرف تمہاری ہی سوچوں میں
خود کو قید پاتی ہوں

سمیرا تیموری

نظم

دن رات تمہیں یاد کرتا ہوں
تیرے ہی خیال میں رہتا ہوں
اپنی صبح شام تیرے نام کرتا ہوں
تم سے ملنے کو جب دل کرتا ہے
بند کرتا ہوں آنکھیں اپنی
جی بھر کر تیرا دیدار کرتا ہوں
ہر وقت احساس تیرا ہوتا ہے
مہکتی ہیں تنہائیاں
نام لے کر جب تیرا خود سے کلام کرتا ہوں
میری آنکھوں کی نمی ہو تم
میری زندگی ہو تم
زندگی سے بڑھ کر تجھے نام دیا ہے
اپنا سب کچھ ہی تیرے نام کیا ہے
نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر
اس کا اظہار کرتا ہوں
تم ہو میری جان
میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں

ذیشان سلطان

بیادِ ماضی

وہ لمحے ماضی کے، گزر گئے جو لمحوں میں
چند یادیں سہانی، کچھ تلخیاں یادوں میں
وہ میرے ماضی کے کسی حسین گوشے میں
وصل و فراز کی رعنائیوں کو چھوڑ آئی ہیں
وہ شب و روز کی ملاقاتیں
وہ چھپ چھپ کر ملنا، اور دو دلوں کا ملاپ
باتوں کا سلسلہ، آنکھوں میں خمار
سہانے لمحے، جسم و جان کا وصال
رگوں میں شعلے لئے، حیا کی آمیزش
وہ عہد و پیمان، محبت کے لمحات
ایک خواب کی طرح دھندلا گئے
وہ لمحات اور تمہاری یادوں کی تنہائی
وہ جلوے میں کس میں تلاش کروں
میں وہ باتیں، کس سے کہوں
وہ یادیں میں کہاں سے لوٹاؤں.....

سلیم بیگ ہمدانی

غزل

بہت دنوں کے بعد آج پھر اُداس ہوئے ہیں
غم جو تم نے دیئے ہیں آج پھر تازہ ہوئے ہیں
بہت کوشش کی تجھے بھول جانے کی مگر
لاکھ کوشش کے پھر ناکام ہوئے ہیں
دیوانا وار تیری دیوانگی کا شکار ہوئے ہیں
لمحہ فراغت میں آج پھر تیرے ساتھ ہوئے ہیں
سوچ میں ڈوبے کچھ بہت گہرا سوچ رہے ہیں
دل کے زخموں کو الفاظ میں لکھ دیئے ہیں
ناز اپنی قسموں سے پھر وعدہ خلاف ہوئے ہیں
تیری یاد میں کھو کر آج پھر سیراب ہوئے ہیں

صائمہ ناز

نظم

میں اپنے کمرے کی اُداس فضا میں بیٹھی
دریچے سے باہر جھانکتی ہوں
باہر کی رنگین دنیا میں
ہواؤں کی فضاؤں میں محبت رقصاں ہے
شوخ و چنچل چہرے چمک رہے ہیں
پلکوں پہ تمناؤں کی کہکشائیں اُتری ہیں
لڑکیوں کے سرخ و صبیح رخسار
شرمیلے پن سے ٹمٹما رہے ہیں
آوارہ بادل جیسے اس گھڑی
میری بے بسی پہ مسکرا اُٹھا
میں گھبرا کے کھڑکی بند کرتی ہوں
دل دردوں سے بوجھل ہوتا جا رہا ہے
آنکھوں کے بھیگے کنارے اب یوں بس
سمندر سے ہوئے جا رہے ہیں
میرے وجود سمیت کمرے کی
ہر شے ہم کلام ہوتی ہے
اے میرے ویلنٹائن!
کاش ہماری محبت کے بیج
جدائی کا پھول نہ کھلا ہوتا

ایمان علی

تیری آنکھیں

تیری آنکھیں
شرارت سے چمکتی جگنوؤں کی طرح
اُمیدوں سے بھری کچھ پانے کی طرح
تیری آنکھیں
دیکھتی ہیں جب مجھ کو
چمکتی ہیں ایسے زندگی کی طرح
جب مسکراتی ہیں یہ آنکھیں
جیسے روشن صبح کی طرح
تیری آنکھیں
جب ہوتی ہیں اُداس
ایسے جیسے شام کی طرح
جب ڈھونڈتی ہیں مجھ کو
بے تاب چاہت کی طرح
تیری آنکھیں
جب نظر بھر کے دیکھتی ہیں مجھ کو
چمکتی ہیں ایسے آسماں کے چاند کی طرح
تیری آنکھیں
چاہتوں کی کونپلیں جب ان میں لپکتی ہیں
کتنی بے تاب لگتی ہیں محبتوں سے پُور بے ہنگم
دھڑکنوں کی طرح
تیری آنکھیں
تیری آنکھیں
ہاں کس قدر پیاری مجھ کو
تیری یہ خوبصورت آنکھیں
تیری آنکھیں.....!!

انعم نذیر

نظم

سنو اے جان.....!!
انا کا ڈھونگ رچا کر.....
آخر تم کب تک.....
یوں خود سے جھوٹ بولو گے.....
تمہیں مجھ سے محبت نہیں.....
میری ضرورت نہیں.....
سنو.....
تمہاری یہ سرد مہری.....
بے رُخی.....
مجھے کہیں کا نہ چھوڑے گی.....
تمہارا اخفا خفا سا رہنا.....
ہنس ہنس کے سب سہنا.....
مجھے مار ڈالے گا.....
سنو.....!
اے ہمسفر.....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے جان......
یہ انا چھوڑ بھی دوناں......
ایک بار پھر سے......
تجدیدِ وفا کروناں......
کہ......
تمہیں مجھ سے محبت ہے......
تمہیں میری ضرورت ہے......

سمیرا غزل

دیکھا میں نے کیا کمال کیا

وہ جو ہنستی گاتی لڑکی تھی
وہ جو خواب سجاتی لڑکی تھی
اُس لڑکی کو میں نے مار دیا
دیکھا میں نے کیا کمال کیا
وہ جو ہر مشکل سے لڑ جاتی تھی
وہ جو دکھ سہہ کر بھی مسکراتی تھی
اُس کو جیتے جی میں نے مار دیا
دیکھا میں نے کیا کمال کیا
اب آنکھ میں اُس کے نہ آنسو کوئی
نہ ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکان کوئی
پتھر کے روپ میں اُس کو ڈھال دیا
دیکھا میں نے کیا کمال کیا

سحر انجم

غزل

اک سلگتا گمان چھوڑ گیا
زخم اپنا نشان چھوڑ گیا
لے گیا تیر اپنے ساتھ بھی
میرا قاتل کمان چھوڑ گیا
بات کوئی نہ کی محبت سے
تلخ لہجہ زبان چھوڑ گیا
مجھ سے بچھڑا جب ہم سفر میرا
عمر بھر کی تھکان چھوڑ گیا
حال پوچھا نہ جس کا تُو نے کبھی
آج تیرا جہان چھوڑ گیا
تھا محبت پہ جس کی ناز حکیم
وہ بھی آخر مکان چھوڑ گیا

حکیم خان حکیم

نظم

اے عمرِ رواں آہستہ گزر
کیا جلدی ہے کچھ دیر ٹھہر
کچھ خواب سہانے بُننے دے
تقدیر سے سپنے چُننے دے
جو بات کہی ہے آنکھوں تک
ہونٹوں سے بیاں وہ کرنے دے
وہ ٹھٹھکا ہے دہلیز پہ کیوں؟
کیوں رات سُلگتی آہوں میں؟
صبح کا اُجالا زہریلا
اور شام دھندلکی راہوں میں
ہے چاند بھی سمٹا بادل میں
پُر کیف فضا برفیلی سی!
کوئی آہ مچلتی ہے لب پر
کوئی حرف کھٹکتا ہے دل میں
اک اُلجھی ڈور ہے ہاتھوں میں
دم بھر کو اُسے سلجھانے دے
اے عمرِ رواں آہستہ گزر
کیا جلدی ہے کچھ دیر ٹھہر
ایسا نہ ہو ہم کھو جائیں
صحرا کی مسافت ہو جائیں
آواز نہ کوئی رستہ روکے
نہ دامن کوئی زنجیر کرے
لہجہ نہ کوئی اسیر کرے
کوئی یاد نہ ہم کو زیر کرے
اے عمرِ رواں آہستہ گزر
ایسا نہ ہو ہم کھو جائیں

سیما سحر

نظم

میری باتیں کچھ ان کہی
جو کہنا چاہوں
دل میں مچلتے خیال
الفاظ ڈھونڈے
جو کوئی تو سمجھے
کیسے کہوں
وہ ملے کب مجھے
جو چاہے مجھے
لیکن سوچوں کبھی تنہائی میں
کہ کہیں وہ عام نہ ہو
جسے دنیا کی بھیڑ میں ڈھونڈنا پڑے
کاش وہ ایسا خاص ہو
جس کی اپنی پہچان ہو
جس کا حوالہ ہو میرے لئے
جو دنیا کے لئے بہت خاص ہو
لیکن
اس کے لئے صرف میں خاص ہوں

حمیرا سلمان سومرو

غزل

دکھ صدمات میں خوش رہتا ہوں
ہجر کی رات میں خوش رہتا ہوں
چاند ستاروں سے ہے نفرت
کالی رات میں خوش رہتا ہوں
تیرے نام برستی ہے جو
اُس برسات میں خوش رہتا ہوں
عادی ہوں میں تنہائی کا
اپنی ذات میں خوش رہتا ہوں
اشک ہیں میرے جیون ساتھی
غم کے ساتھ میں خوش رہتا ہوں
ڈرتی ہے مجھ سے موت حکیم
میں آفات میں خوش رہتا ہوں

حکیم خان حکیم

غزل

اُجڑے ہوئے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں
ہر شخص کے اپنے اپنے نصیب ہوتے ہیں
کوئی جا کے جہاں میں نہیں ہے آتا
خوف کے سائے کتنے مہیب ہوتے ہیں
خیالوں میں آ کے جو مٹتے نہیں کبھی
وہ کتنے پیارے میرے حبیب ہوتے ہیں
تھک ہار کے سو جاتا ہوں آخر کار
جذبے زندگی کے کتنے قریب ہوتے ہیں
جب بھی آئے گا گزرے دنوں کا خیال جاوید
زاویے حُسن کے بھی پھر کتنے عجیب ہوتے ہیں

محمد سلیم جاوید

نظم

محبت چار حرفوں کا صحیفہ ہے
محبت "م" سے ہے مرگ
"ح" سے حادثہ بھی ہے
یہ "ب" سے بے کلی بھی ہے
اور "ت" سے تاج کانٹوں کا
اگر یہ مرگ ہے تو مرگ سے کس کو مفر سوچو
جو اس کو حادثہ جانو
تو اس سے کون بچ پایا
ہے اگر جو "ب" سے بے کلی تو
یہ بے کلی سانسوں پر حاوی ہے
اگر ہے تاج کانٹوں کا
تو جس پر بھی سجتا ہے
وہ سر تن پر نہیں رہتا
محبت خون میں ڈوبا ہوا ایک دشت ہے
یہ گہری اُداسی ہے
محبت ہے دُعا جیسی
محبت کربلا سی ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ روح کو سیراب بھی کرتی ہے
اور محبت صحرا سی پیاسی بھی ہے
محبت چار حرفوں کا صحیفہ ہے
پر یہ سالوں پر محیط ہے

افشاں علی

اظہار

اظہار سکون ہوتا ہے
اظہار سکوت توڑتا ہے
اظہار سے کسی چہرے پہ
حیا کے رنگ کا لانا
اظہار سے کسی بھرے دل کا
ہلکا ہو جانا
اظہار سے ہے ہر دھندلکا
منظر چھٹ جانا
اظہار نام ہے دوسروں میں
محبت کا جگانا
اظہار ہے گرم جذبوں کا
ٹھنڈی پھوار سے پگھلانا
اظہار ہے تنہائی میں
خوبصورت سوچ کا آنا
اظہار سے کسی روٹھے ہوئے
ساتھی کو منانا
اظہار سے حسیں لمحوں کا
امر ہو جانا
اظہار ہے وہ دل کی کلی کا
پھول بن جانا
اظہار سے کسی ٹوٹے ہوئے
دل کا جُڑ جانا
اظہار سے کسی بنجر دل کا
باغ بن جانا
اظہار ہے نئی رُت، حسیں موسم
اور اچھی سوچ کی نوید کا لانا
اظہار سکون ہوتا ہے
اظہار سکوت توڑتا ہے

تبسم فیاض

بے بسی

موسم کی پہلی بارش تھی
اور میں
تم سے جدا ہو رہا تھا

روحان دانش

وہ پاگل سی لڑکی

اِک پاگل سی لڑکی
وہ من موہنی صورت والی
وہ کالی غزالی آنکھوں والی
وہ دلوں کو لبھانے والی
وہ شدت پسند سی لڑکی
دل کا درد نہ کسی کو سنانے والی
لیکن.....!
شام ہوتے ہی
سورج ڈھلتے ہی
اس کی آنکھوں میں
درد سا سمٹ آتا
دیواروں سے لپٹ کر
تکیے پہ سر رکھ کر
وہ پاگل سی لڑکی
سسکیوں میں رویا کرتی
اِک غم تھا جو اس کی زندگی
کا اثاثہ بن بیٹھا
وہ محبت جیسی "دلدل"
میں قدم ڈال بیٹھی

سمیرا انور

☆☆☆

سندیسے

صالحہ محمود

غم نذیر.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام وعلیکم! سویٹ اپیا! اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گی، ردّا کے تمام اسٹاف کو میرا سلام۔ اُمید ہے وہ سب بھی خیریت سے ہوں گے، تھینکس اپیا! "میری عید تم ہو" شائع کرنے کا۔ پتہ ہونے کے باوجود اپنا نام ردّا میں دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑی تھی۔ شازیہ مصطفےٰ اور سباس گل کو شادی کی ڈھیر ساری مبارک باد، اللہ پاک آپ کو اتنی خوشیاں دے کہ کوئی غم آپ کو چھو کر نہ گزرے آمین! سوری..... لیٹ مبارک باد اِس لیے کیونکہ میرے ایگزام ہو رہے تھے، اس لیے سندیسہ لکھ نہیں پائی۔ اپیا! "رگ جاں سے جو قریب تھے" ہمیشہ کی طرح بہت سُپر جا رہا ہے، شازیہ مصطفےٰ، انعم خان اور نائلہ طارق بہت زبردست لکھ رہی ہیں۔ سباس گل کا "اعتبار عشق" ایک عمدہ تحریر تھی۔ باقی سارے افسانے بھی بے حد اچھے تھے۔ ردّا ایک بہت اچھا ڈائجسٹ ہے، میرا بلکہ سب کا فیورٹ ہے، میری دعا ہے اللہ پاک اسے مزید ترقی دے آمین! تمام قارئین سے ریکویسٹ ہے کہ "میری عید تم ہو" پڑھ کر ضرور بتایئے گا کیسا لگا آپ کو یہ ناول؟ اپیا! اپنا بہت سارا خیال رکھیئے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، انشاء اللہ پھر ملیں گے سندیسے میں، اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ حافظ!

تبسم فیاض.....کراچی

السلام وعلیکم! صالحہ آپی! کیسی ہیں آپ؟ اور ردّا کی ٹیم اس دفعہ عید نمبر بہت زبردست رہا، سارے سلسلوں میں، میں سب سے پہلے گوشۂ آگہی پڑھتی ہوں، کیونکہ اس میں کوئی نہ کوئی مقصد اور لوگوں کے لئے بہترین پیغام ہوتا ہے اور ردائے جنت کی تو بات ہی اور ہے، ہمارے پیارے نبی کا جہاں نام لکھا ہو، اور وہ حصہ رحمت اور پُرنور نہ ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ افسانے ناولٹ بہترین تھے، سب نے ہی بہت اچھا لکھا، اور سب کی محبتوں سے عید کے رنگوں میں سجا ردّا پہلے ہی عید اور حنا کی خوشبو سے بھرپور تھا اور یہ سب بھی آپ اور کی ٹیم کی وجہ سے ہے، ایسے ہی ہمیں خوش رنگ پہنچاتے رہیں اور دعائیں لیتے رہیں۔ شکریہ!

افشاں علی.....کراچی

محبتوں اور اپنائیت، اُلفت وخلوص کی چاشنی میں لبالب ڈوبا سلام محبت سویٹ سی، پیاری سی اور اپنی سی صالحہ آپی! ردّا کے تمام اسٹاف ممبرز اور تمام قارئین تہہ دل سے قبول ہو۔ سب سے پہلے تو آپی! میں آپ بہت مشکور ہوں کہ اتنی غیر حاضری کے باوجود آپ مجھے یاد رکھا اور میرے سندیسے کو جگہ دی۔ زیست اونچی نیچی پگڈنڈیوں میں زندگی کے دھاگوں کے ساتھ کچھ اس طرح اُلجھی رہی کہ سلجھاتے سلجھاتے اتنا عرصہ غائب رہی، پر انشاء اللہ ہم اب ردّا کی بزم محفل میں یونہی حاضر ہوتے رہیں گے، اس اُمید کے ساتھ کہ آ سندیسے میں ہمیں جگہ ضرور دیں گی۔ جولائی کے شمار گوشۂ آگہی میں آپ نے خاص عید نمبر کا ذکر کیا، تو سے ایک ایک دن اور ایک ایک لمحہ ہم اس خاص نمبر کو دسترس میں پانے کے لئے گن رہے تھے، اور جب بالآخر انتظار کی سوئیاں اپنی جگہ کچھ پلوں کے لئے گئیں اور اگلے ہی پل ستمبر کا خاص اور منفرد سا شما ہمارے ہاتھوں میں آیا ہم نے فوراً اس پر دھاوا بول اور امرت کی طرح گھول کر گھٹ گھٹ پینا سوری پڑھ شروع کر دیا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیشہ کی طرح خوبصورت اور ہیروں سے چمکتے مکتے الفاظوں سے لکھا گیا آپ کا گوشۂ آگہی خوب رہا، ردائے جنت تو واقعی جنت رہا، پھر باری آئی ہمارے رگِ جاں سے قریب یعنی آپ کے ناول "رگِ جاں سے جو قریب تھے" کی۔ بہت ہی اچھے اور منفرد سے انداز میں ناول اپنی رفتار طے کر رہا ہے، اب دیکھتے ہیں آگے ولید ہاؤس میں کیا نیا ٹوئسٹ آنے والا ہے۔ "تم میرے ہو کر رہو" اور "چاہت دل کی چاہت" کے بعد "اعتبارِ عشق" میرا فیورٹ ناول رہا۔ "رگِ جاں سے جو قریب تھے" ابھی مکمل نہیں ہوا ناں؟ "کبھی عشق ہو تو پتہ چلے" ہائے واقعی، جب عشق ہو گا تو پتہ لگے گا بہت کچھ، ابھی تو ہم پڑھ پڑھ کر سب پتہ لگاتے ہیں (ہاہاہا.....) یہ ناول بھی دھیرے دھیرے منزل کی طرف گامزن ہے۔ "سانس، سڑک اور سکوت" اور انعم خان کے سلسلے وار ناول بھی زبردست رہے۔ "میری عید تم ہو" کی اسٹارٹنگ بھی اچھی رہی اور اینڈ بھی۔ افسانے تقریباً سب ہی اچھے تھے۔ رداؔ کی ڈائری سے سنگھار تک سب کچھ خاص الخاص رہا۔ آخر میں اس اُمید کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ میرا یہ خط بھی سندیسے کی زینت ضرور بنے گا، کیونکہ "ردا" ہمارا ہے، ہمارے لئے ہی سجا ہے، تو کیسا سجا اور مہکا ہے، یہ بتانا بھی تو ہمارا فرض ہے نا جی.... یوں ہی سدا مہکتا رداؔ ہمیں ملتا رہے۔ (آمین!)

فرزانہ عمر دراز.......................کراچی

پُرخلوص اور شفیق صالحہ آپی! اینڈ رداؔ اسٹاف السلام وعلیکم! خدا کی پاک ذات سے اُمید ہے کہ آپ سب بخیر ہوں گے، بہت عرصے بعد اس پیاری محفل میں شریک ہو رہی ہوں، یقین ہے آپ سب لوگ ناراض نہیں ہوں گے، اب آتی ہوں رداؔ کی طرف، تو جی سرورق بہت اچھا لگا، گوشۂ آگہی میں آپ کی باتیں ہمیشہ ہی دل کو بھاتی ہیں، ردائے جنت کو پڑھ کر تو جو باتیں معلوم نہیں ہوتیں وہ بھی بہت اچھے طریقے سے سمجھ میں آ جاتی ہیں بلکہ پڑھتے ہوئے بہت مزہ آتا ہے۔ سلسلے وار ناولز میں مجھے آپ کا ناول "رگِ جاں سے جو قریب تھے" بہت پسند ہے، اس کی ہر قسط پڑھ کر بے چینی ہو جاتی ہے (بھئی اگلی قسط پڑھنے کی اور کیا) نائلہ جی! آپ کی کہانی بھی بہت زبردست چل رہی ہے، کچھ ماہ سے عاطف اور زینب کا کردار بہت اچھا چل رہا ہے، یہ بات نہیں ہے کہ سارہ اور شیث کا اچھا نہیں چل رہا، بھئی! ان کا کردار تو اپنی مثال آپ ہے، انعم خان اور شازیہ جی! آپ کے ناول بھی بہت زبردست طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں، وہ ابھی پڑھے نہیں ہیں، اس لیے ان پر ابھی تبصرہ نہیں کر سکتی، نیکسٹ منتھ لازمی کروں گی، اس کے علاوہ مستقل سلسلے تو ہر ماہ کے بیسٹ ہوتے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ بیسٹ ہی رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی اب اجازت چاہتی ہوں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ رداؔ کو ہمیشہ ترقی اور کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین!)

عانیہ نیازی.......................ربوہ

السلام وعلیکم! سویٹ اپیا! کیسی ہیں آپ؟ ہوپ سو، آپ ٹھیک ہوں گی، بہت سی دعاؤں کے ساتھ سندیسے کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں، آپی! رداؔ کا عید نمبر 2 بہت زبردست رہا، اس بار قمروش آپی میری فیورٹ رائٹرز میں سے ہیں اور ان کا مکمل ناول دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اُٹھا، ہم نے دل جمعی سے پڑھنا اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ اینڈ میں جا کر جاری ہے دیکھ کر دل اُداس ہو گیا کہ اب پورا منتھ ویٹ کرنا پڑے گا مابدولت کو۔ "رگِ جاں سے جو قریب تھے" نہایت خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے، پلیز آپی! رومی کے ساتھ کچھ بھی بُرا مت کیجئے گا، ورنہ ہمیں بہت دُکھ ہو گا، انعم آپی! آپ نے علی آیان کے ساتھ اچھا نہیں کیا، اس کی اُداسی ہم سے نہیں دیکھی جاتی، نائلہ آپی! آپ کے ناول کے تو کیا کہنے، خاص کر شیث صاحب تو چھا گئے، اس بار کی قسط میں، اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے، انعم نذیر کے ناول کا ہیپی اینڈ بہت اچھا لگا، آخر کار ذوالنون کی عید بھی ہو ہی گئی۔ افسانوں میں سب نے ہی اچھا لکھا

ویلڈن..... مستقل سلسلے رداؔ کے ہمیشہ کی طرح نہایت خوبصورت اور معلوماتی تھے۔

نور بانو.......................کوئٹہ

ڈیئر آپی! قارئین اینڈ رداؔ اسٹاف السلام وعلیکم! اُمید کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے، پچھلے ماہ ہم غیر حاضر تھے، مگر اس ماہ اپنی تشریف آوری کے ساتھ رداؔ کی محفل میں اپنا حصہ ڈالنے آ گئے ہیں۔ سلسلے وار ناول بہت اچھا جا رہے ہیں، "رگِ جاں سے جو قریب تھے" آپی! ونڈر فل، کتنا پیارا لکھتی ہیں آپ، اتنا خوبصورت سماں بنا دیتی ہیں کہ سحر سا طاری ہو جاتا ہے، "میری عید تم ہو" انعم نذیر نے اپنی پہلی تحریر سے ہی ہم سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی ہے، بہت اچھی کاوش تھی ان کی۔ "سانس سڑک سکوت" نہایت خوبی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ "اس دل میں بسے ہو تم" انعم آپی! آپ کا ناول کچھ سست روی کا شکار ہے، پلیز کہانی کو تیزی سے آگے بڑھائیں۔ "بند قبا کھلنے لگی" سعدیہ عابد نے اپنی پہلی ہی قسط سے چونکا دیا، اسٹارٹ اچھا لگا، یقیناً آگے بڑھ کر ناول مزید ہماری توجہ کا مرکز رہے گا، رداؔ کے مستقل سلسلے تو ہوتے ہی زبردست ہیں، رداؔ میری تنہائی دور کر دیتا ہے اور رداؔ میرا بہترین دوست ہے جو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے، بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت، اگلے ماہ تک کے لیے۔

حنا علی.......................سیالکوٹ

السلام وعلیکم آپی! تمام رداؔ اسٹاف، تمام پڑھنے اور لکھنے والوں کو محبت بھرا اسلام۔ رداؔ اس ماہ کی 30 تاریخ کو ملا، ٹائٹل بہت پسند آیا، خاص کر ماڈل کی آنکھوں کا میک اپ بہت خوبصورت تھا، معمول کی طرح سب سے پہلے گوشۂ آگہی میں آپی سے ملاقات ہوئی اور ان کی سحر انگیز باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اُتر گئیں، پھر ردائے جنت سے دل کو منور کیا، اس کے بعد جمپ لگا کر آپی کے ناول کی طرف بڑھے۔ آپی! ناول بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے، میرے فیورٹ کردار رومی اور اِرج ہیں۔ شازیہ جی! "کبھی عشق ہو تو پتہ چلے" کا عنوان ہمیں بے حد پسند ہے اور آپ کے ناول پڑھ کر مزہ آتا ہے۔ نائلہ آپی! آپ کے ناول کے لیے تو ہمیں الفاظ نہیں ملتے، تعریف کے لیے، اسٹارٹ سے اب تک دلچسپی کا ہنوز وہی عالم ہے۔ آپ کا اندازِ تحریر اپنے اندر بھرپور گہرائی لیے ہوئے ہے جو ہم جیسے قارئین کو متوجہ کیے بغیر نہیں رہتا، اللہ کرے زورِ کرم اور زیادہ۔ قمروش آپی! کافی ٹائم بعد آپ کی تحریر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ پلیز جلدی سے کوئی سلسلے وار ناول لکھیں ناں آپ، ہمیں بہت پسند ہیں۔ افسانوں میں ویسے تو سب نے اچھا لکھا، مگر بیسٹ عائشہ الیاس، سیدہ طوبیٰ کے افسانے لگے کہ ان میں ایک نصیحت اور اخلاص کا پہلو تھا جس کی ہم سب کو ضرورت ہے۔ آخر میں اپنے ملک کے لیے اور آپ سب کے لیے بہت ہی دعاؤں کے ساتھ اجازت اللہ حافظ!

شفق پروین.......................کراچی

السلام وعلیکم! میرا نام شفق پروین ہے، مجھے پڑھنے اور پڑھانے کا بہت شوق ہے، افسانے اور ناول اس وقت سے پڑھتی ہوں، جب سے میں نے اُردو پڑھنا اور لکھنا سیکھا ہے، شاید ناول لکھنے کا شوق بھی اسی وقت سے پیدا ہوا۔ آج میں خود پڑھاتی ہوں اور اتنے سالوں میں ناول لکھنے کی خواہش میرے دل میں جنون کی حد تک پہنچ چکی ہے، یہ کہنا میرے لیے غلط نہ ہو گا۔ ذہن کے پردے پر لکھی کہانیوں کو کاغذ میں اُتارنے کے لیے کتنی بار قلم اُٹھایا، لیکن ہمت نے ساتھ نہیں دیا، آج بہت ہمت کر کے پہلی بار ایک ناول تحریر کیا ہے، ممکن ہے اس میں بہت سی غلطیاں ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اگر میری غلطیاں قابلِ قبول ہوں تو برائے مہربانی میری تحریر کو اپنے ڈائجسٹ کی زینت بننے کا موقع دیں تاکہ میں دوبارہ وہ غلطیاں کرنے سے محتاط رہوں گی، کیونکہ اب میں ناول لکھتی رہوں گی۔ بہت سی دعاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ اجازت۔

کوثر بانو.....لاہور

ڈیئر آپی! بہت عرصے بعد سندیسے کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں، مگر پڑھتی ہر ماہ تھی کہ اس کے بنا لائف کچھ رُکی رُکی سی لگتی تھی۔ میری دعا ہے کہ ردّا یوں ہی دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہے آمین! آپی! ردّا میں شامل تمام ناول، ناولٹ اور افسانے میرے فیورٹ ہیں، وجہ یہ ہے کہ ہر رائٹر کا ایک اپنا منفرد انداز ہوتا ہے لکھنے کا، جو نہیں نہ کہیں قاری کو ضرور متاثر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجھے ردّا میں شامل ہر تحریر دل سے پسند آتی ہے اور ردّا کی ہر رائٹر میری فیورٹ ہے، کیونکہ وہ اپنے قیمتی ٹائم سے ہمارے لیے ٹائم نکال کر اتنا خوبصورت لکھتی جو ہیں، آپ کو اور آپ کے ادارے کو کامیاب عید نمبرز کی ڈھیروں مبارک باد! عید نمبر 1 اور عید نمبر 2 دونوں ہی زبردست و بہترین تھے، قمروش کی آمد کافی ٹائم بعد ہوئی، مگر ایک خوبصورت انداز میں، او کے آپی! اب اجازت، اپنا خیال رکھیے گا۔

صبا سحر.....ہارون آباد

آداب آپی! خوش رہیں، شاد و آباد رہیں، میرے سامنے خوبصورت اور جاذب نظر ردّا کا سرورق جگمگا رہا ہے، فہرست پر ایک نظر ڈالتے گوشۂ آگہی کی طرف آئے، جہاں صالحہ آپی کی میٹھی میٹھی نصیحت آموز باتیں دل میں اُتر گئیں۔ روائے جنت نے ہمیشہ کی طرح دل و روح کو منور اور تر و تازہ کر دیا۔ اب بات ہو جائے کچھ سلسلے وار ناولز کی، تو سب سے پہلے میں جس کی بات کروں گی وہ ہے "وہ جو رگِ جاں سے قریب تھے" کی، تو آپی! ناول بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے، بس ہمیں صبا مامی سے ڈر رہتا ہے کہ وہ نجانے کیا کریں رومی کے ساتھ، بیسمنٹ میں تو بند کر ہی چکی ہیں، نجانے آگے اور کیا کیا وہ رومی کے ساتھ کرتی ہیں، ہماری سب ہمدردیاں رومی کے ساتھ ہیں۔ "کبھی عشق ہو تو پتہ چلے" شازیہ آپی! اریشما کے ساتھ اچھا نہیں کیا آپ نے، تیمور سے منگنی کروادی آپ نے اور ہمیں سب سے زیادہ غصہ حمدان پر آ رہا تھا کہ وہ اتنی اچھی لڑکی کو کیوں نظر انداز کر رہا ہے، صرف غربت کی وجہ سے، آپی! پلیز اریشما اور حمدان کی شادی ضرور کروایئے گا، تیمور تو مجھے زہر لگتا ہے، اریشما کو خاک پسند آنا ہے۔ "میری عید تم ہو" واہ! انعم نذیر جی! کیا فلمی اسٹائل میں سہی اتنے عرصے بعد آپ نے ذوالنون، زاریہ کو آخر ملوا ہی دیا، آپ کی پہلی کاوش پر ہم آپ کو ڈھیروں مبارک باد پیش کرتے ہیں، اُمید ہے آپ آگے بھی ہمارے لیے لکھنے کا سفر جاری رکھیں گی۔ "دلوں کے ملن" قمروش آپی کا مکمل ناول جتنا خوبصورت نام اتنا خوبصورت اندازِ تحریر، سید ابتہاج عالم کا بھرپور تحفظ بھرا ساتھ یقیناً انابیہ کے لیے خوش آئند ہوگا۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ "بند قبا کھلنے لگی" ھونین کی خودسری ہمیں تو ایک آنکھ نہیں بھائی سعدیہ جی! "سانس سڑک سکوت" میں شیٹ کا فیصلہ ہمیں بھی اچھا لگا کیونکہ سارہ نے اس کے لیے سب کچھ کیا ہے، اور اگر شیٹ اس کی خاطر جاب چھوڑ چکا ہے تو یہ ان دونوں کے لیے اچھا ہے، مگر یہ کیا نائلہ آپی! سارہ کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ..... یقین کریں، میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، میں خوش ہو رہی تھی کہ چلیں جی اب تو سارہ کی ناؤ بھی پار لگنے کو ہے کہ اس کے ساتھ اس حادثے نے ناول کو پھر ایک دلچسپ موڑ پر پہنچا دیا ہے، دیکھیں اب آگے کیا ہوتا ہے۔ انعم آپی! پلیز کہانی کو آگے بڑھایئے ناں، بہت ہی سلو رفتار ہے۔ افسانے اس بار سب کے سب بیسٹ تھے، افسانہ لکھنا ویسے بھی ایک مشکل کام ہے، کم لفظوں میں پوری حکایت بیان کرنا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ اوہ.....! آپی! لکھنے لگی تو قلم رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہا، ایسے نہ ہو کہ طویل سندیسہ دیکھ کر آپ اسے ردّی کی ٹوکری کی نذر کر دیں، سو میں اپنا قلم یہیں پر روکتی ہوں، اس اُمید اور یقین کے ساتھ کہ آپ میرا سندیسہ ضرور ردّا میں شامل کریں گی۔

☆.....☆.....☆

صالحہ محمود

گوشۂ چشم

انعم نذیر.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوئیٹ انعم! آپ کا سندیسہ اور نظم ردّا میں اس بار شامل ہیں، اور ہمیں یقین ہے کہ آپ آگے بھی ردّا کا حصہ بنی رہیں گی، اپنا خیال رکھیے گا۔

افشاں علی.....کراچی

سوئیٹ افشاں! آپ کی محبتوں اور خلوص کا بے حد شکریہ۔ آپ کا دوسرا ناول بھی ہمیں موصول ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوگا۔ بھرپور تبصرے کے ساتھ آپ کی شرکت ہمیں بے حد اچھی لگی۔

تبسم فیاض.....کراچی

سوئیٹ تبسم فیاض! آپ نے ہماری محنت کو سراہا، آپ کے لیے بے حد شکریہ، یہ سب آپ سب کے تعاون کا نتیجہ ہے کہ ردّا ہر دلعزیز ہو گیا ہے، اُمید ہے آپ آگے بھی ہمیں اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کرتی رہیں گی۔

فرزانہ عمر دراز.....کراچی

سوئیٹ اینڈ لولی فرزانہ! آپ کا دعاؤں اور محبت کی چاشنی سے بھرا سندیسہ موصول ہوا اور ساتھ ہی آپ کا ناولٹ بھی۔ انشاء اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوگا۔

روشن ہاشم.....کراچی

سوئیٹ روشن! کیسی ہیں آپ؟ بہت عرصے بعد آپ کی آمد ہوئی جو کہ ہمیں بے حد اچھی لگی، اُمید ہے کہ آپ آگے بھی اپنے بھرپور تبصرے کے ساتھ ردّا میں شامل ہوں گی اور زندگی دکھوں اور خوشیوں کا امتزاج ہے۔ آپ ہر پل خود کو مصروف رکھا کریں، تنہائی سب سے بڑی اُداسی ہے، بہت سی دعائیں آپ کے لیے، اپنا بہت سا خیال رکھیے گا۔

نور بانو.....کوئٹہ

سوئیٹ نور بانو! آپ کی غیر حاضری ہمیں محسوس تو ہوئی، مگر آپ کی مصروفیت کا سوچ کر رہ گئے۔ قارئین کی آراء، تبصرے اور مشوروں سے ہی ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کو کیا پسند ہے اور وہ کیا پڑھنا چاہتے ہیں، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ سندیسہ ضرور لکھیں، اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

شفق پروین.....کراچی

سوئیٹ شفق پروین! آپ کا سندیسہ بمعہ آپ کی تحریر ہمیں موصول ہوا، آپ کے افسانے کو ابھی ہم نے پڑھا نہیں ہے، مگر پھر بھی کیوں کہ ہمارا وعدہ ہے کہ ردّا پڑھنے لکھنے والوں کو ایک موقع ضرور دیتا ہے تو انشاء اللہ آپ کی تحریر قریبی اشاعت میں شامل ہوگی اور اچھا لکھنے کے لیے وسیع مطالعہ ضروری ہے۔ اس لیے آپ تمام رائٹرز کو پڑھیے اور پھر اپنا لکھنے کا سفر جاری رکھیے۔

فاطمہ مقبول.....لیہ

سوئیٹ فاطمہ! آپ کی تحاریر ہمیں موصول ہو گئی ہیں، مگر کچھ تاخیر سے، اس لیے اس ماہ تو نہیں، مگر قریبی اشاعت میں ضرور ہم آپ کو شامل کریں گے، مگر ساتھ ہی ہم آپ سے یہ بات بھی کہیں گے کہ اچھا لکھنے کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے، جو قلم میں روانی اور لفظوں کے چناؤ میں خوبصورتی بخشتا ہے، ہمیں اُمید ہے کہ آپ آئندہ ہماری اس بات کو ذہن میں رکھ کر لکھا کریں گی۔

شاہین سجاد.....صوابی

سوئیٹ شاہین! آپ کی تحاریر ہمیں موصول ہو گئی ہیں، مگر کچھ تاخیر کے ساتھ۔ انشاء اللہ قریبی اشاعت میں آپ شامل ہوں گی، اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادارہ

دوستوں کے نام پیغام

روشنی فاطمہ کے نام

مائی لولی اینڈ سوئیٹ روشنی فاطمہ! تمہارا شادی کارڈ ہاتھوں میں ہے اور ذہن میں تمہارا معصوم سا چہرہ بار بار آرہا ہے اور ساتھ ہی دل سے ڈھیروں دعائیں نکل رہی ہیں، ہماری دعا ہے کہ خدا تمہیں زندگی کی ڈھیروں خوشیاں عطا کرے اور تم یونہی سدا ہنستی مسکراتی اور آباد رہو، اپنے ہمسفر کے ساتھ۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود، کراچی

روشنی فاطمہ کے نام

قارئین! آپ سب کی پیاری اور ہر دلعزیز رائٹر روشنی فاطمہ ستمبر کو پیا دیس سدھار گئیں، ادارہ ان کو اس نئے سفر پر بہت سی دعائیں پیش کرتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ سفر ان کے لیے پھولوں بھری رہ گزر ثابت ہوگا۔ روشنی! اپنا وعدہ یاد رکھیے گا کہ آپ ردا کے ساتھ اپنا سفر آگے بھی جاری رکھیں گی۔

نورین ملک..... کراچی

سوئیٹ دوستوں کے نام

السلام علیکم! بہاروں اور پھولوں کی طرح مسکراتی رہو، اور جھرنوں کی طرح کھلکھلاتی رہو، چونک گئی ناں کہ اتنی محبت سے کون تمہیں یاد کر رہا ہے؟ تو بھئی! اٹ از می، یور اسمارٹ، کیوٹ اینڈ لولی فرینڈ، زرش! اور کون، اب حیرانی سے کھلے منہ بند کرلو، اریبہ اور مونا اور دیکھ لو میرا سرپرائز..... کیسے ردا کے ذریعے تمہیں ایگزیم میں A گریڈ لینے پر مبارکباد دے رہی ہوں۔ ہاں جی، اب یقین آیا کہ مابدولت صرف کہتے ہی نہیں کر کے بھی دکھاتے ہیں؟ سب سے منفرد انداز میں کیا ہے ناں وش تم دونوں کو؟

مدیحہ گل، لاہو

پیاری دوست نایاب کے نام

اس کی سالگرہ پر ایک خوبصورت نظم

خوشی کا دن مبارک ہو
صبح جس دم میں جاگی ہوں
عجب منظر یہ دیکھا ہے
خوشی کا رقص ہے ہر سُو
ہواؤں میں بسی ہے خوشبو
درختوں کے ہرے پتے
خوشی سے لہلاتے ہیں
تو یوں محسوس ہوتا ہے
یہ سب تالی بجاتے ہیں
پرندے چہچہاتے ہیں
یا شاید گنگناتے ہیں
کوئی تو بات ہے ایسی
ہر شے پر ہے یوں مستی
میرے دل میں ہوئی ہلچل
مجھے کچھ یاد آیا ہے
کہ دن ہے یہ وہی شاید
چند سال پہلے جب
اسی دن کے کسی لمحے
جو تم دنیا میں آئی تھیں
یہ موسم اور ہوائیں سب
درختوں کے ہرے پتے
پرندے اور فضائیں سب
خوشی سے کہہ رہے ہیں یہ
تمہیں یہ دن مبارک ہو
خوشی کا دن مبارک ہو
سالگرہ مبارک ہو

شاہین سجاد..... صوابی

شبانہ کے نام پیغام

السلام وعلیکم! سوئیٹ شبانہ سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، حیران نہ ہو، مائی ڈیئر! میں تمہاری برتھ ڈے بھول سکتی ہوں کیا؟ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...! میری ہزاروں دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، میری وش ہے اللہ پاک ہر سال تمہیں یہ دن دیکھنا نصیب کرے اور بہت سی خوشیاں عطا کرے آمین!

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے ہماری
کہ روز مبارک ہزار آئے
تمہاری ہنستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزار پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

انعم نذیر..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

زوناش کے نام

مائی لولی اینڈ سوئیٹ جانو، زوناش! آپ کو آپ کی پہلی سالگرہ پر بہت بہت پیار اور مبارک باد! خدا کرے کہ آپ ایسی ہزاروں سالگرہ مناؤ، اور خدا ہمیشہ تمہیں یونہی ہنستا کھلکھلاتا رکھے اور بلند نصیب کرے آمین!

رابعہ منیر..... سرگودھا

ردا اسٹاف اور رائٹرز کے نام

بلاشبہ ردا ایک مکمل اور جامع رسالہ ہے جس میں ہر ایک کی پسند اور ٹیسٹ کے حساب سے ناول، ناولٹ اور افسانے شامل ہوتے ہیں، میں دوستوں کے نام پیغام میں آپ سب کو بہت مبارکباد پیش کرتی ہوں، اتنا خوبصورت ماہنامہ نکالنے پر، اور رائٹرز کو اتنا اچھا لکھنے پر۔

اُمِ فروا..... کراچی

نورین آپی کے نام

مائی لولی آپی نورین کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد قبول ہو، دیکھیں آپی! سب سے ڈیفرنٹ اسٹائل سے آپ کو وش کیا ناں میں نے، آپ بھی یقیناً حیران ہوں گی، مگر دیکھ لیں اپنی نبیل کا کارنامہ، آپ مجھے پیار سے نبیل ہی کہتی ہیں ناں، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، اینڈ مینی مینی ریٹرن آف داڈے۔

نبیلہ ملک..... کراچی

بسمہ علی کے نام

السلام وعلیکم! ڈیئر بسمہ! یقیناً تم ٹھیک ہوگی، دیکھو جناب ہوگئیں ناں حیران ردا کے ذریعے آپ کو میں نے یاد کیا، اور آپ کو کمنگ عید کی بہت بہت مبارک باد، پلیز یار! سب ناراضی چھوڑ دو، فرینڈز میں تو سب چلتا ہے، اور دوستی کا اُصول بھی یہی ہے کہ دوستوں کی غلطیوں کو درگزر کر دیا جائے، یار! پلیز تم رابعہ کی بات کو بھول جاؤ، جو ہوا بس غصے میں ہوگیا، اب جانے بھی دو، اس لیے پلیز پلیز.....! عید پر تم میرے گھر ضرور آنا، پھر مل کر انجوائے کریں گے۔

کومل علی..... سکھر

رابیل ظفر کے نام

مائی لولی سوئیٹ فرینڈ اینڈ کولیگ کو میرٹ جانب سے شادی کی بہت بہت مبارک ہو، خدا کرے رابیل! کہ تمہارے لیے زندگی کا یہ نیا سفر ایک خوبصورت رہ گزر ثابت ہو۔ 13 اکتوبر کو تم ہمیں چھوڑ کر اپنے پیا کے سنگ اتنی دور لاہور چلی جاؤ گی اور ہمیں بہت یاد آؤ گی، بہت اچھا ٹائم گزرا تھا۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے آمین!

شائلہ ملک..... کراچی

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثریا اقبال

اک چمچہ

ویجی ٹیبل اسپیگٹی

اجزاء۔

بند گوبھی	250 گرام
گاجر	250 گرام
مٹر دانہ	250 گرام
تیل	آدھا کپ
کالی مرچ	2 کھانے کے چمچے (پسی ہوئی)
سفید زیرہ	50 گرام
ٹماٹر	4 عدد
لہسن ۔ادرک	2 کھانے کے چمچے (پسا ہوا)
گرم مصالحہ	1 کھانے کا چمچہ
سرکہ	4 کھانے کے چمچے
اسپیگٹی	1 پیکٹ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب۔

☆ تمام ہری سبزیوں کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔

☆ ایک دیگچی میں تیل گرم کریں اور تھوڑی سی کٹی ہوئی پیاز ڈال کر بگھار لیں اور پیاز لال ہونے پر سفید زیرہ' ادرک' لہسن پیسٹ' پسی کالی مرچ' گرم مصالحہ' نمک ڈال کر بھون لیں پھر اس میں دمگ پانی ڈال کر مٹر دانہ ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر دم دیں تا کہ مٹر گل جائیں۔

☆ جیسے ہی دیگچی میں پانی کم رہ جائے اور مٹر بھی گل جائیں تو اس دیگچی میں تمام سبزیوں کو دھو کر ڈال دیں اور آنچ ہلکی کر کے دم پر چھوڑ دیں جب پانی خشک ہو جائے اور تیل الگ ہو جائے تو دیگچی کو اتار لیں۔

☆ ایک دوسری دیگچی میں پانی ابال لیں اور اس ابلتے پانی میں اسپیگٹی اور دو چائے کے چمچے نمک ڈال کر 8 منٹ تک ابال لیں ابلتے ہوئے اسپیگٹی پر سے ٹھنڈا پانی گزاریں اور تمام پانی پھر پھینک دیں۔

☆ اب اس اسپیگٹی کو سبزیوں کی دیگچی میں ڈال کر مکس کر لیں اور ہلکی آنچ پر سبزیوں اور اسپیگٹی کو تھوڑا سا بھونیں پھر اس میں سرکہ شامل کر لیں۔

☆ لیجیے ویجی ٹیبل اسپیگٹی تیار ہے۔مزید ذائقے کے لئے چلی ساس ڈال کر نوش فرمائیں۔

لذیذ بند گوبھی

اجزاء۔

بند گوبھی	آدھا کپ
سفید زیرہ	1/4 چائے کا چچ
ثابت مرچ	4 عدد
پیاز	1 عدد چھوٹی
نمک	حسب ضرورت
لیمن جوس	2 کھانے کے چچ
مکھن	1 کھانے کے چچ

ترکیب۔

☆ ایک ساس پین میں مکھن کو گرم کریں اس میں سفید زیرہ اور ثابت مرچوں کو ہلکا سا فرائی کریں۔

☆ اس مکھن میں کٹی ہوئی پیاز ڈال کر ہلکا فرائی کریں اور پھر بند گوبھی اور گاجر شامل کر دیں تین سے پانچ منٹ تک پکائیں۔

☆ آخر میں جوس اور نمک (اگر ضرورت ہو تو) شامل کر کے ایک منٹ پکا کر اتار لیں۔گرم گرم پیش کریں۔

کھٹی اروی

اجزاء

اروی	250 گرام
ہری مرچیں (لمبائی میں کاٹ لیں)	2 عدد
ادرک (باریک کاٹ لیں)	2 ٹکڑے
تل	1 کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لیمن جوس	1 کھانے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	1/2 چائے کا چچ
تیل	فرائی کرنے کے لئے

ترکیب۔

☆ پکانے کے لئے لمبے سائز کی اروی منتخب کریں انہیں ابال کر چھیل لیں اور ہر اروی کے لمبائی میں 4 ٹکڑے کر لیں۔

☆ تیل گرم کریں اور اس میں اروی کے ٹکڑوں کو ڈیپ فرائی کریں یہاں تک کہ وہ گولڈن اور کرسپی ہو جائیں۔

☆ ایک فرائی پین میں تھوڑا سا تیل ڈال کر گرم کریں اور اس میں ہری مرچ اور ادرک ڈال دیں۔

☆ تل کو پیس کر اس میں لیمن جوس مکس کر کے پیسٹ بنا لیں پھر اس میں پیسٹ کو فرائی پین میں ڈال کر اچھی طرح چلاتے ہوئے اس میں فرائی کی ہوئی اروی ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کریں تیار ہونے پر گرم مصالحہ چھڑک کر سرو کریں۔

کرسپی بینگن

اجزاء

بینگن	2 عدد
نمک	حسب ذائقہ
چاول پسے ہوئے	2 چائے کے چمچے
آٹا	2 کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ
تھائم	1/2 چائے کا چمچہ
چاٹ مصالحہ	ذائقہ کے لئے
تیل	فرائی کرنے کے لئے

ترکیب۔

☆ بینگن کو گول سلائس کی شکل میں کاٹ لیں اور نمک لگا کر ایک طرف رکھ دیں۔

☆ تمام اشیاء کو اچھی طرح آپس میں مکس کر لیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر لپٹی بنا لیں۔

☆ ایک فرائی پین میں تیل گرم کریں اور بینگن کے سلائس کو لپٹی میں اچھی طرح ڈبو کر فرائی کریں یہاں تک کہ گولڈن براؤن ہو جائیں۔

☆ چاٹ مصالحہ چھڑک کر سرو کریں کھانے والوں کو مزا آجائے گا۔

☆☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنگھار

مساموں کو بند کرنے کے لئے

مکئی کا آٹا یا جو کا آٹا گرم پانی میں ملا کر لئی
ں اور کھلے ہوئے بڑے بڑے مساموں پر
ھے گھنٹے کے لئے لگا کر چھوڑ دیجئے پھر ٹھنڈے
انی سے منہ دھولیں پھر عرق گلاب میں پھٹکری اور
انڈے کی سفیدی ملا کر کھلے اور بڑے مساموں پر
لگالیں تو وہ سکڑ کر بند ہو جائیں گے۔

بلیک ہیڈز کے لئے

پہلے چہرہ گرم پانی سے دھوئیے پھر پندرہ منٹ تک چہرے پر دودھ اسفنج کیجئے۔ روزانہ اس عمل کے کرنے سے بلیک ہیڈز نکلنا بند ہو جاتے ہیں۔ ابٹن بھی بلیک ہیڈز کے خاتمے کے لئے بہترین ثابت ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار اونس پسے ہوئے بادام' دو اونس گلسرین' سوپ اور ایک اونس ملتانی مٹی تھوڑے سے پانی میں حل کر کے محلول بنالیں اور اسے چہرے پر آدھے گھنٹے کے لئے لگا کر دھولیں' بلیک ہیڈز کا خاتمہ ہو جائے گا۔

چہرے کے داغ دھبے

لیموں میں رنگت صاف کرنے کی خاصیت ہوتی ہے' اس لئے لیموں کا رس نکال کر روئی سے چہرے کے داغ دھبوں پر لگا کر چھوڑ دیں اور جب وہ خشک ہو جائے تو چہرہ دھولیں' چند روز میں ہی چہرہ داغ دھبوں سے صاف ہو جائے گا۔

کھانے کے چار چمچ کدو کش کی ہوئی مولی کے لے لیں اور اس میں چند قطرے سرکہ ملا کر لئی بنالیں اور آدھے گھنٹے کے لئے چہرے پر لگانے کے بعد منہ دھولیں' داغ دھبے دور ہو جائیں گے۔

سخت قسم کے داغ دھبوں کے لئے بورلیکس کے سات دانے پانچ اونس لیموں کے رس میں ملا کر رات کو سوتے وقت چہرے پر لگائیے اور صبح اٹھ کر منہ دھولیں' جلد داغ دھبوں سے پاک صاف ہو جائے گا۔

دھوپ سے رنگت کی خرابی

تیز دھوپ ہو یا ہلکی اگر اس میں زیادہ دیر رہا جائے تو چہرہ' ہاتھ وغیرہ کی رنگت جل کر سیاہ ہو جاتی ہے' اس سے بچاؤ کے لئے یہ طریقہ اپنائیں۔

ایک ککڑی یا کھیرا لے کر اسے چھیل لیجئے پھر کدو کش کر لیں اور جو رس نکلے اس میں چائے کا نصف چمچ گلسرین اور اتنا ہی عرق گلاب ملا کر آمیزہ بنالیں' اس آمیزے کو دھوپ سے جلی یا سانولی رنگت پر لگائیں' آدھے گھنٹے کے لئے اور منہ دھولیں' اس سے چہرے کی رنگت نکھرتی ہے' اور سیاہ داغ دھبے بھی دور ہو جاتے ہیں' کیونکہ اس آمیزے میں بلیچ

کی خاصیت بھی ہوتی ہے۔

خشک جلد کے لئے

نکھری سفید رنگت اچھی لگتی ہے اور جلد کی خشکی دور ہونے سے رنگت بھی نکھرتی ہے اس کے لئے مفید ٹوٹکے۔ لیموں کی ایک قاش ایک پیالی دودھ میں بھگو دیجئے پھر اس دودھ کو آدھے سے ایک گھنٹے کے اندر چھان کر چہرے پر لگائیے۔ جلد کی خشکی دور ہو کر چہرے پر نکھار آجائے گا۔ خشک جلد کو صابن سے نہیں دھونا چاہئے۔ اسے کلینزنگ لوشن سے صاف کرنا بہتر ہے' اس سے جلد چمک اٹھتی ہے کیونکہ اس کی خشکی دور ہو جاتی ہے۔

چہرے کی اسٹیمنگ

چکنی جلد والوں کو ہفتے میں دو بار بھاپ لینا چاہئے جبکہ خشک جلد والوں کو ہفتے میں ایک بار بھاپ لینا چاہئے۔ اس سے چہرے کا گرد و غبار صاف ہوتا ہے' اور مسام بھی چکنائی وغیرہ سے صاف ہو کر چہرے کی جلد کو تازہ آکسیجن پہنچاتے ہیں' اس وجہ سے چہرے پر مہاسے نکلنا بھی بند ہو جاتے ہیں' مگر حساس اور نازک جلد کے لئے بھاپ لینا مناسب نہیں۔

تر و تازہ جلد کے لئے

اگر کسی پارٹی میں ایکدم جانا پڑ جائے اور آپ اپنے چہرے کو نکھرا ہوا اور فریش بنانا چاہتی ہوں تو ایک انڈے کی سفیدی کو خوب پھینٹ کر پندرہ منٹ کے لئے چہرے پر لگا لیجئے' جب وہ سوکھ جائے تو گرم پانی سے چہرہ دھو ڈالیں' آپ کے چہرے کی جلد سکڑ جائے گی اور چہرے پر نکھار اور تر و تازگی پیدا ہو جائے گی۔

آنکھوں کے نیچے کی جلد

آپ آنکھوں کے نیچے کی جلد کو چست اور تر و تازہ بنانے کے لئے پینٹ برش سے آنکھوں کے نیچے کے حصے پر انڈے کی سفیدی (پھینٹ کر) لگالیں۔ جب وہ سوکھ جائے تو اس پر میک اپ کر لیجئے' آنکھوں کے نیچے کا حصہ ینگ اور چمکدار نظر آئے گا۔

پارٹی کے لئے خوبصورت چہرہ

اگر کسی خاص پارٹی کے لئے آپ اپنا چہرہ دلکش اور تھکن سے مبرا دیکھنا چاہتی ہیں اور آپ کے پاس ٹائم بھی ہے تو اس بیوٹی پلان پر عمل کیجئے جو کہ دو روزہ ہے۔

پہلے دن تو اپنے منہ کو دھونے کے بعد بھاپ دیجئے پھر اسے نرم تولئے سے تھپتھپا کر خشک کیجئے پھر اس پر ایک چقندر کا رس ملیئے اور دس منٹ کے لئے چھوڑ دیجئے۔ جب وہ سوکھ جائے تو اس پر لیموں کا رس روئی سے لگائیے اور سوکھنے کے لئے دس منٹ کے لئے چھوڑ دیجئے' اس کے بعد چہرے پر تازہ بالائی لگائیے اور ہاتھوں سے رگڑ کر منہ صاف کیجئے تاکہ میل خوب نکل سکے۔ اب ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیجئے۔

دوسرے دن منہ دھو کر چہرے پر کافور ملیں پھر پانی کی بھاپ دیں پھر چہرے پر گرم شہد کی تہہ چڑھا دیں آدھا گھنٹے کے لئے۔ اس تہہ پر بالائی سے رگڑائی کریں پھر ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں اس سے آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی جلد ایک دم صاف ملائم اور چمکدار ہو جائے گی جس پر میک اپ مزید نکھار پیدا کرے گا۔

چہرے کی سوکھی جلد

دھوپ میں چہرہ دیر تک کھلا رہنے سے اس کی جلد سوکھی سی ہو جاتی ہے بالکل چمڑے کی طرح۔ اس چہرے پر پگھلے ہوئے مکھن میں دودھ ملا کر لگانے سے جلد نرم پڑ جاتی ہے اور دلکش لگنے لگتی ہے اور اس پر مہاسے بھی نہیں نکلتے۔

چکنی جلد

چکنی جلد پر بلیک ہیڈز زیادہ پڑتے ہیں اور جراثیم کی بدولت سیاہ دھبے جلد پر چھوڑ دیتے ہیں۔ چکنی جلد کی صفائی کے لئے یہ طریقہ ہے۔

عرق اجموڈ' شہد' لیموں یا ادرک کا رس برابر مقدار میں لے کر آمیزہ بنا لیں اور اسے چہرے پر بیس منٹ کے لئے لگا کر چھوڑ دیا کریں۔ اس سے جلد کی چکنائی کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بھاپ دینے سے چکنی جلد کے مسام کھل جاتے ہیں اور بلیک ہیڈز' وائٹ ہیڈز کو باہر نکال کر جلد کو اچھی طرح صاف کیا جا سکتا ہے۔

چکنی جلد کے لئے بہترین کلینزر ملتانی مٹی' جو کا آٹا اور بادام ہیں۔

کھلے مسامات

اگر چہرے پر بڑے اور کھلے مسامات ہوں تو پہلے گرم پانی میں تولیہ بھگو کر منہ پر پھیریئے' اس عمل کو تین بار کیجئے' پھر برف کے ٹھنڈے پانی میں تولیہ بھگو کر چہرے پر دو تین بار پھیریئے' اس طرح جلد کے کھلے مسام بند ہو جائیں گے اور جلد تر و تازہ نظر آئے گی۔

مخلوط جلد

اگر آپ کی جلد مخلوط یا ملی جلی ہے کہ کہیں سے چکنی اور کہیں پر خشک تو چکنے اور خشک حصوں کا الگ الگ طریقے سے علاج کیجئے۔

چہرے کا رنگ روپ

آپ کے چہرے کا رنگ روپ آپ کی اصل شخصیت کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ کیا کھاتی ہیں' کتنا سوتی ہیں اور کیسے احساسات رکھتی ہیں۔ اس لئے خود کو دلکش اور قابل احترام بنانے کے لئے اپنی غذا' جذبات اور نیند کا خیال رکھیں۔

چہرے پر مچھلی کا تیل

مچھلی کا تیل داغ دھبوں کو دور کرتا ہے۔

چکنی جلد کے لئے ماسک

چکنی جلد کے لئے سب سے آسان اور سادہ ماسک انڈے کی سفیدی میں چند قطرے سرکہ یا لیموں کا رس ملانے سے بنتا ہے۔

خشک جلد کے لئے ماسک

خشک جلد کے لئے بہترین ماسک یہ ہے۔

انڈے کی زردی میں چند قطرے سرکہ اور چند قطرے روغن بادام یا مونگ پھلی کا تیل یا زیتون کا تیل ملا لیں پھر اس میں وٹامن E کا کیپسول توڑ کر اس کا سفوف بھی شامل کر لیں' اس ماسک کو چہرے پر آدھا گھنٹے لگا کر چہرہ دھو لیں۔ جلد پر خوبصورت سا نکھار آ جائے گا۔

☆☆☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk